تذکرۃ الرشید

حصہ اول

باامتثال امر صاحبزادہ حضرت مولانا الحافظ الحکیم مسعود احمد صاحب ادام اللہ ظلہ

(وتعمیل ارشادات)

سید المحدثین حضرت مولانا المولوی محمود حسن صاحب دیوبندی و قدوۃ الافاضل حضرت مولانا المولوی عبد الرحیم صاحب رائپوری و سند المتکلمین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹوی ادام اللہ

بندہ ضعیف

عاشق الٰہی عفی عنہ نے جمع اور مرتب کیا اور حضرت مولانا الحافظ الحاج المولوی خلیل احمد صاحب سے اول تا آخرہ الا بعض الحواشی ملاحظہ کرانے کے بعد بلالی اسٹیم پریس ساڈھورہ میں طبع کرایا

صرف شائع کی المطابع میرٹھ میں باہتمام اصغر حسین مالک و مہتمم چھپوایا

بلا اجازت مولف کوئی صاحب قصد طبع نہ فرمائیں



فہرست مضامین حصہ اول تذکرۃ الرشید



سوال

حصہ دوم کا طبع انشاءاللہ ختم سال پر ختم ہو جائیگا اسکے بعد پوری سوانح دوبارہ جدید ترتیب یا اضافہ مضامین مرتب کیجائیگی برادران دینی سے نہایت ادب کے ساتھ درخواست ہے کہ جو مضامین یاد آجائیں یا کوئی مضمون مندرجہ حصہ اول اصلاح طلب خیال فرماویں بہت ہی جلد اسکی اطلاع اور ارشاد سے عزت بخشیں تاکہ شکریہ کے ساتھ درج سوانح ہو کر ذریعہ آخرت اور صدقہ جاریہ قرار پائے عاجز کی غلطیوں وخطا کو نظر کریمانہ سے دیکھیں اور بشریت پر محمول فرماویں جگہ جگہ اعتراض نہ دیکھیں کیونکہ کوئی بشر بے عیب ہونے کا کسی امر میں بھی دعوی نہیں کر سکتا اور میرے عیوب تو ظاہر ہیں وما علینا الا البلاغ

محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

اِنّ ہٰذہ تذکرۃ فمن شاء ذکرہ

الحمد للہ کہ امام ہمام قدوۃ الانام قطب العالم جنید عصر نعمان دوران بخاری وقت حضرت مولانا الحافظ الحاج المولوی رشید احمد محدث گنگوہی قدس اللہ سرہ کی سوانح



اخوان طریقت کی خدمت میں خصوصاً اور محبان سنت اہل اسلام کی خدمات میں عموماً پیش کرنے اور اپنے لئے باقیات صالحات ذخیرہ آخرت بنانے کی نیت سے باہتمام عاشق الٰہی

بلالی اسٹیم ساڈھورہ میں طبع ہوئی

عام قیمت [illegible]

باراول تین ہزار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ ونشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا وشفیعنا محمدًا عبدہ ورسولہ۔ **اما بعد**

بندہ سراپا تقصیر **عاشق الٰہی** عفا اللہ عنہ جملہ اہل اسلام کی خدمت میں عمومًا اور برادران طریقت کی بارگاہ میں خصوصًا کمال ادب کے ساتھ عرض رساں ہے کہ قطب عالم قدوۃ العلماء غوث الاعظم زبدۃ الفقہاء جامع الفضائل والفواضل العلیہ مجمع الصفات والخصائل البہیۃ السنیۃ حامی دین متین مجدد زمان وسیلتنا الی اللہ الصمد الذی لم یلد ولم یولد شیخ المشائخ مولانا الحافظ الحاج المولوی **رشید احمد** صاحب محدث گنگوہی قدس سرہ العزیز کی وفات ایسی وفات نہ تھی جس کا صدمہ کسی خاص حصہ ملک یا مخصوص جماعت باشندگان تک تا محصور رہا ہو چونکہ اس جانکاہ واقعہ اور روح فرسا سانحہ نے حسب مدارج تعلق دین ومحبت سنت نبویہ تمام مسلمانان ہند و دیگر بلاد کے دلوں کو ہلا دیا اور رنج پہونچایا تھا اس لئے اس دلگداز صدمے سے خدام کے قلوب نے ابھی قرار بھی نہیں پکڑا تھا کہ چہار طرف سے معدن کمال کی سوانح عمری مرتب کرنے کی خواہش وتمنا بلکہ اصرار والحاح کی آوازیں گونجیں اور تقاضے شروع ہو گئے۔ اس مبارک صدا کا بلند ہونا حقیقت میں ایک طبعی وفطری بات تھی جس پر قدرت نے دلوں اور زبانوں کو اس جانب متوجہ کیا تھا مگر بوجوہات چند ان شوق بھری درخواستوں کی تعمیل یعنی گنگوہی بارگاہ عقیدت و آستانہ قدسیہ کے حالات کی تحریر میں کچھ دشواریاں اور دقتیں ایسی تھیں جن کا تحمل بشری قوت سے باہر تھا۔

اس زمانے میں ایک جگہ کی دوسری جگہ بلکہ ایک ملک کی دوسرے ملک میں خبریں معلوم ہو جانے کے وسائل اس کثرت سے مہیا کر دیے ہیں کہ سطح زمین کا ہر آباد حصہ دنیا بھر کے بھلے برے حالات گھر بیٹھے

معلوم کر سکتا ہے اور انھیں ذرائع سے ہندوستان کے گوشہ گوشہ اور دیگر ممالک کے مشاہیر بلاد میں یہ مضمون صاف کر دیا تھا کہ حضرت مولانا **رشید احمد** صاحب قدس سرہ کا توکل میں صبر و قناعت میں ریاضت و عبادت میں تقویٰ و طہارت میں مجاہدہ میں استقامت میں استغنا میں حب فی اللہ و بغض فی اللہ میں جس طرح کوئی مثل نہیں یا اسی طرح تبحر علمی میں وسعت نظر میں تفقہ میں تحدیث میں عدالت و ثقاہت میں حفظ و اتقان میں فہم و فراست میں اور روایت و درایت میں بھی کوئی نظیر نہ تھا پس بے نظیر شیخ وقت اور بے عدیل قطب زماں کی سوانح کوئی لکھے تو کیا لکھے بھلا جس مجسم نور اور سراپا کمال کا عضو عضو اور رواں رواں ایسا حسین ہو کہ عمر بھر ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے سے بھی سیری نہ ہو سکے اسکے کوئی محاسن بیان کرے تو کیا بیان کرے ؎

فدا ہو آپ کی کس کس ادا پر ادائیں لاکھ اور بیتاب دل ایک

ہمارے معزز مخدوم مولانا المولوی **محمد یحییٰ** صاحب کاندھلوی زید فضلہ سے جب کبھی کسی مخلص دوست نے عرض کیا کہ اس عظیم بالشان کام کی تکمیل آپ ہی کے مبارک ہاتھوں ہو سکتی ہے کیونکہ حضرت قدس سرہ کا آپکے ساتھ پدرانہ شفقت برتنا اور آپ کا قرب اور ہر وقت کی حاضر باشی حالات و معمولات کی یادداشت اور حضرتؒ کی مزاج شناسی و رمز دانی وغیرہ امور کا قابل قدر ذخیرہ قدرت نے آپ ہی کے لئے مخصوص کر رکھا تھا پس آپ کا مخلوق پر اس احسان سے تساہل گویا بے مروتی و بے پروائی ظاہر کرنا ہے" مگر مولانا کے پاس اس درخواست کا سوائے سکوت کوئی جواب نہ تھا اور نطق میں کوئی جواب تھا تو صرف یہ کہ "میاں مجھے کچھ یاد نہیں مجھ سے کیا لکھوانے اور کیا چاہتے ہو حضرت قدس سرہ کی ساری سوانح یہ ہے کہ "خود جس ذات پاک پر مرتے اسی پر مرنے کی دوسروں کو تعلیم دی اور فرمایا کہ تم بھی مرو مٹو" اسکے علاوہ مجھے کچھ یاد نہیں۔

حضرت کے خاص متوسلین جنکی جانب نظر جاتی اور امید ہوتی تھی کہ ان حضرات سے سوانح حاصل ہونگے اول تو ابتدا ہی سے مشاغل میں مشغول اور اب تو ظاہری سنبھال کے ساتھ باطنی دیکھ بھال اور روک تھام کا بوجھ بھی سر آپڑا بنظر انصاف دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ واللہ یہ انہیں حضرات کی عالی ہمتوں کے استقلال ہیں کہ اس بار گراں کے متحمل ہو رہے ہیں نہ راحت کی خبر نہ تن کی پروا صبح ہو یا شام دوپہر ہو یا سہ پہر تحصیل معاش کے طرق بالائے طاق رکھکر متوکلانہ گزران پر تصنیف و تالیف درس و تدریس وعظ و نصیحت ارشاد و تلقین۔ فتاویٰ نویسی و دیگر ضروریات کی مراسلات و جوابات۔ مہمانوں کی خاطر و مدارات۔ اصلاح ناس کی تدابیر میں غور و فکر اور اس کا تہیہ و انصرام غرض ہر ایک خدمت ہو تو بہ نظر ڈالی جاوے کہ جہاں چھوٹی چھوٹی راتوں

اور چھوٹے چھوٹے دنوں میں سیکڑوں مشاغل کا ہجوم ہو "اُنپر یہ تقاضہ" کہ شیخ کی سوانح بھی آپ ہی مرتب فرماویں" کس بے حیائی اور گستاخ زبان سے کیا جائے تاہم پھر بھی خود ہی ان مقدس حضرات نے توجہ فرمائی اور اپنی عالی ہمتی و استقلال سے کام لیا جو قدرت نے انکو عطا فرمایا ہے مگر چونکہ یہ کمال استقلال انکی مقدس ذات کی محبت و محویت جمال کا ثمرہ تھا اور اس حالت میں جبکہ یادداشت کی ضرورت تھی گویا انکو خبر ہی نہیں تھی کہ وہ وقت بھی آنے والا ہے جس میں کسی جان سے زیادہ عزیز محبوب کے حالات زندگی لوگوں کو سنانے پڑینگے اس لئے اب ہمت بھی کی تو دل و دماغ و قلب اور حافظہ و خیال نے جواب دیدیا اور کہا کہ "میاں کیا لکھتے ہو کچھ یاد بھی ہے کہ کیا ہوا تھا؟ چھپ جانیوالے آفتاب اور غروب ہو جانے والے ماہتاب کی موجودگی میں عاشقانہ محویت نے خط و خال کی دیکھ بھال اور واقعات و حوادثات عارضہ کی یادداشت کے قابل ہی کہاں رکھا تھا کہ اب کچھ قلم سے نکلے؟

الحمد للہ مجھے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہ کا وہ مقولہ خوب یاد ہے جو میری اس سوانح کے متعلق درخواست پر تھا کہ "تیری تحریر کے بعد کئی دن تو یہی تحیر تھا کہ کیا لکھوں ہزارہا مضامین کا ہجوم امڈا چلا آتا تھا اور جس روش یا جس انداز پر نظر ڈالتا تھا گویا ہر حال پکار رہا تھا کہ مجھے لکھو بس حیران تھا کہ سب حالات کیونکر لکھوں اور سب نہ لکھوں تو ایک کو دوسرے پر ترجیح کس طرح دوں اسی خلجان میں کئی دن مبتلا رہا آخر اس خیال سے کہ اس مقدس یادگار میں کچھ حصہ میرا بھی شامل ہو کر ذریعہ سعادت اخروی بنجائے بنام خدا لکھنا شروع کیا" حضرت ممدوح ہی کا ایک مقولہ یہ بھی تھا کہ اس مہتم بالشان کام کی سرانجامی زیادہ تر اس وجہ سے مشکل ہے کہ حضرت قدس سرہ السامی کی حیات میں کبھی خیال بھی نہ گزرتا تھا کہ خدام کو یہ وقت دیکھنا نصیب ہوگا جس میں حضرت مخدوم العالم دارالنعیم کو مسکن بنائینگے اور خدام کو سوانح لکھنی پڑیگی۔ یہ سانحہ اپنے وقوع سے پیشتر متیقن ضرور تھا کیونکہ خدا کے سوائے ہر چیز کی فنا پر سب مسلمانوں کا ایمان ہے مگر اس تیقن کی یادداشت نہ تھی یا اس پیش آنے والے وقت کا علم و اذعان ایسا تھا جیسا کہ ہر شخص کو اپنی موت کا علم و اذعان ہے کہ یقینی ہونے میں کوئی شک نہیں مگر ذہول اور غفلت اسکی جانب سے اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ اسکا کبھی دھیان بھی نہیں آتا۔ اور ایسا حال ہو رہا ہے گویا موت آنے والی ہی نہیں۔

اب رہے وہ اصحاب کہ جنکو گاہے ماہے آستانہ بوسی کا شرف حاصل ہو جاتا تھا انکی نسبت تو یہ خیال بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ جسکا نام سوانح ہے اسکا تکملہ ان اصحاب میں کسی صاحب کے ہاتھوں ہو سکیگا ولادت و طفولیت سے لیکر

وصال و وفات تک کے ضروری و مستند حالات کی تسطیر کے لئے جس واقفیت و آگاہی کی حاجت ہے آخر اس کے لئے کثرت آمد و رفت و وابستگی تعلقات محبت و مودت شیخ و اخوان طریقت و رفیقان یعنی تفتیش و تلاش کی عادت و قابلیت کے علاوہ فکر و دلبستگی کی بھی تو ضرورت ہے اور ان میں سے ہر مضمون کو گنجائش وقت و وسعت معلومات کی حاجت ہے یہ اصحاب بھی قلت بضاعت و ضیق استطاعت کے باعث اول تو معذور دوسرے اپنے درجہ کے موافق یہ بھی شکستہ دل اور محزون بلکہ شکستگی خاطر میں اپنے مافوق حضرات سے ایک درجہ بڑھے ہوئے اسلئے کہ انکی کم نصیبی نے غنچہ امید کی شگفتگی سے پہلے انکو موسم خزاں دکھایا اور دل کی بڑھی چڑھی امنگ کو اس سے قبل کہ مراد پوری ہو دل ہی دل میں دبا دیا۔ اگر دوسرے حضرات اُس جوان اولاد جیسے تھے جن کے باپ نے اُس وقت انتقال کیا ہو جبکہ وہ اپنی معاش حاصل اور گزران کرنے کے قابل ہوگئے تو ان اصحاب کی مثال ایسی سمجھئے جیسے وہ طفل سہ ماہہ جسکی مادر مشفقہ نے عین ایام رضاعت میں دنیا سے رحلت کی اور شیرخوار بچہ کو تمام خدا دوسروں کے حوالہ کرکے عالم آخرت کا طویل سفر اختیار کیا ہو اس یتیم بچہ کی یتیمی یعنی باپ کے سایۂ عاطفت کا سر سے اٹھنا یا دودھ پلانے والی شفیق ماں کی گود سے علیحدہ ہو جانا دیکھنے والوں کو بھی آٹھ آٹھ آنسو رولا دیتا ہے۔ دینی باپ کے ظاہری سایۂ عاطفت سے محروم ہو جانے والے بیچاروں کی زبان حال کہتی ہے کیوں تو حضرت قدس سرہ کے سارے ہی خدام جس وقت نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں اندھیرا چھایا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر بقول شاعر ؎

حسرت پہ اُس مسافر بیکس کی رو دیجئے　　جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

آخر اسی حالت میں کامل ایک سال گزر گیا اور مقدس سوانح کی تمہید بھی مرتب نہ ہوئی مگر چونکہ حق تعالیٰ شانہٗ کو اس پایدار یادگار کے ضمن میں بندۂ ناکارہ کو دینی و دنیوی نفع پہونچانا منظور تھا اور قلوب صافیہ میں چھپے ہوئے خزانے کو صفحۂ قرطاس پر موتیوں کی طرح بکھیرنا مقصود اسلئے قدوۃ العارفین زبدۃ السالکین جامع انوار رشیدیہ سیدی مولائی مولانا الحافظ الحاج المولوی خلیل احمد صاحب خلف حضرت مولانا محمود حسن صاحب و حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رحمہما اللہ نے مجھ بے بضاعت و کم مایہ کو ارشاد ہوا کہ توکلاً علی اللہ کام شروع کر اور جو کچھ تدابیر مناسبہ عمل میں لا سکے انکو عالم اسباب کا سبب ظاہری بنا۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

حق تعالیٰ علام الغیوب شاہد ہے کہ ایسے بڑے مہتم بالشان کام کا خیال کرتے بھی مجھکو گھبراہٹ آتی و تھرتھری و کپکپاہٹ پیدا ہو جاتی تھی واللہ العظیم کسی درجہ میں کبھی یہ وسوسہ ہی نہیں گزرتا تھا کہ میں اس عظیم القدر خدمت

کی سرانجامی کے قابل ہوں بلکہ اگر آپ حضرات مجھے تلقین کریں تو اچھا۔ غرض کرتا ہوں کہ بعض وقت نہایت درجہ حیران و متعجب ہو کر سوچا کرتا تھا کہ ان حضرات نے مجھکو اس لائق سمجھکر کام لینا چاہا ہو گا کہ محض ظاہری عقیدت کے دھوکہ پڑا اسلئے کہ سوائے پانچ یا چھ مرتبہ کے جسکی مجموعی مدت شاید ایک ماہ سے غالباً زیادہ نہ ہوگی مجھے حضرت قدس سرہ کی خدمت میں شرف حضوری کا فخر حاصل نہیں ہوا۔ حضرت کے متوسلین سے رسم تو کیا معنی پورا تعارف بھی نہیں۔ پھر تصوف کی حقیقت سے ناواقف ولایت کی ماہیت سے ناآشنا آداب مریدین کی معلومات نہیں۔ تجلیات و معارف مشائخ سے آگاہ نہیں بالطبع تصنیف تقلب اور محنت و جانکاہی سے گھبرا جانے والا تہذیب نفس سے عاری اصلاح حال سے کورا اور بے پیر اجیرا اسلئے کہ جیا کہئے یا بات کا بنا ہو کہ جسکا دامن پکڑا اُسکے عقائد پر مرنے کو تیار نہیں اور بلا محنت و کسب جنت میں جانے کا آرزومند اور بوالہوس بھلا ایسے خود غرض زود رنج متعصب سے ناکارہ و ہیچ مدان سے سوانح کا انتظام کرا لینا دیا للعجب خدا میری اس بدگمانی اور نسبت خطا الی الاکابر کی خطا کو معاف فرمائے جو میری تحقیق اور واقعی حالت کے علم کی بنا پر مجھ سے صادر ہوئی میں بچہ نادان کچھ نہ سمجھا کہ نفوس قدسیہ کی روحانی قوتوں نے اس مٹی میں لگانے والے قلم و ہاتھ کو صرف کالبد خاکی اور آلہ محض بنانا چاہا ہے ورنہ سوانح رشیدیہ لکھنے والی دماغی و روحانی طاقت تو کوئی اور ہی ہے توقع الخطوط بالبالی و تظہر المستور من المعانی ۔

چھ ماہ کامل اسی فکر و حیرانی اور ظن و بدگمانی میں گزرے مگر چونکہ کسی درجہ میں قطب عالم کے آستانہ علیہ کی جبہ سائی حاصل تھی اسلئے الحمد للہ وہ ملحوظ تھا زبان سے سوائے بہت اچھا کے کبھی کچھ نہ نکلا آخر ہمت باندھ کر اور یہ سوچکر کہ بمقتضائے مثل از مرگ و اولیاء تا نالہ مقدر رنگ کیوں کرتا ہے قلم کو ہاتھ میں تھام اور نام خدا کا م شروع ہو گیا دیکھو پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا اور تن مردہ و جسم بیجان میں کیونکر روح پھونکی جاتی ہے اگلا عذر قلم دوات لیکر بیٹھا اور خطبہ سوانح لکھکر اختتام کیا پھر کیا تھا حقیقت میں صرف اپنا ہی بچپن اور ضعیف الاعتقادی تھی ورنہ حضرت کا مرو ہیں کچھ نہ تھی۔ تحدیث نعمت رب کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ خطبہ لکھنے کے بعد معانی گویا سوکھے چشمے سے نباتات کی طرح ابلتے اور فوارے کی طرح جوش مار کر قلم سے نکلتے تھے طبیعت تھی کہ نہ تھکتی تھی نہ بوجھل تھی اور ہمت تھی کہ زیادہ ہوئی جاتی تھی رات کو سوتا تو یہی خواب نظر آتا کہ سوانح لکھ رہا ہوں اور بضرورت شدیدہ چلتا پھرتا تو یہی دھیان رہتا تھا کہ واقعات کو درج کتاب کر رہا ہوں آہنگ تھی کہ اچک اچک کر آتی اور عبارات کی گھنگھور گھٹائیں تھیں کہ امنڈ امنڈ کر دل پر چھائی جاتی تھیں۔ یہ تو نہیں

اعانت تھی جس میں واسطہ کو دخل ہونے کے باعث کسی بندۂ مقبول خدا کی کرامت سمجھنا چاہیئے اور اسکے ساتھ ہی دوسری صوری مدد تھی جسکو عالم اسباب کا سبب ہو سکنے کی وجہ سے قدرت نے حکم عالم سمجھنا چاہیئے یعنی یہ کہ احباب واخوان طریقت کی نیتوں میں تحویل تو مشکل اظہار کرنیکو اسکے مضمون کو چھپا ہوا ایک کاغذ دیکھا تھا کہ چاروں طرف سے صدائے لبیک کا نعرہ بلند ہوا اور تھوڑی ہی مدت میں خیال ذی یادوں سے حسن اتفاق نے جو کچھ بن پڑا تھوڑی ہو یا بہت اپنی یادداشت کو قلمبند کر کے بذریعہ ڈاک بھیجنا شروع کر دیا۔

اے میرے بے پرواہ خدا اپنے ودود پاک خدا ان ہمارے دینی بھائیوں کو اس دینی محبت کا دارین میں ایسا فرحت بخش صلہ عطا فرما جسکی سدا بہار خوشبو دوامی لذت سے انکی عمر کو لحظہ لحظہ معطر کرے اور تیری رضا کا سبب بنے یہاں وہ ترقی پائیں جس کا ان کو خیال بھی نہ گذرا ہو اور وہاں ایسی رفعت و منزلت حاصل کریں جہاں پونچ سکنے کی انکو امید نہ ہو وانت علی ذلک لقدیر۔

الغرض دو ماہ چند روز میں مجھے اپنے مبلغ علم دینی پر پونچکر تھمنا پڑا اور جو کچھ ہو سکا تھا اسکو دیوبند وسہارنپور و گنگوہ حاضر ہوکر اپنے حضرات کی خدمت میں پیش کر دیا کہ اب جسکو چاہیں عطا فرمائیں کہ طبع کرا کے دنیا کا نفع حاصل کرے۔ چونکہ طبیعت میں یہ وسوسہ پیدا ہو گیا تھا کہ لوگ سمجھینگے کہ سوانح کا لکھنا دنیا کمانے اور شہرت حاصل کرنے کی غرض سے تھا اور نہیں اس وجہ سے میرا ارادہ تھا کہ میری تالیف دوسرے کے نام سے طبع ہو۔ گنگوہ میں آخری دربار یعنی صاحبزادہ جناب حکیم مسعود احمد صاحب دام ظلہ کی خدمت میں جس وقت یہ اوراق بندہ نے پیش کئے حق یہ ہے کہ جو مسرت افزا صلہ خادم آستانہ کو عطا ہوا اسکی لذت عمر بھر نہ بھولیگا آقا اور آقازادے کی شیریں زبان سے مرحبا اور شاباشی کے ساتھ دعائیہ کلمات نکلے جنکے مقبول ہونے کا پورا مجھے وثوق و اعتقاد ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ تیرے سوا اسکو کوئی طبع نہیں کر سکتا میرا تجکو مشورہ نہیں بلکہ امر ہے کہ اسکا دنیاوی مفاد بھی کسی دوسرے کو نہ دیا جائے اور اسمیں کوئی عیب نہیں کیونکہ خوش نصیب وہی ہے جو اپنے شیخ کی جوتیوں کے طفیل میں دین حاصل کرے اور دین کے ساتھ دنیا بھی کمائے اگر شرح دنیا کمانے کے لئے دینی خدمتیں معیوب ہیں تو کیا معاش حاصل کرنے کے لئے کفار کی نوکری متبذل و اہل دنیا کی سوانح مستحسن ہیں؟ جاؤ اس الزام کا مطلق خیال نہ کرو اور اگر کوئی الزام دے تو آخری جواب یہ دیدو یہ بھی مسعود احمد کے حکم کی تعمیل ہے جو دنیا نہیں بلکہ دین ہے کماؤ اور خوب کماؤ۔

میں یہ نہیں کہتا کہ مجھ میں دنیا طلبی نہیں آہ یہ ناکارہ روزگار سر تا پا لوث میں اور بندۂ درہم و دینار بنا

ہوا ہے مگر الحمد للہ کہ خواہشِ نفس کو آقا زادے نے اِس عزت کے لباس میں چھپالیا اور اُس آستانہ سے ہی پرورش کی ہے۔ پس شاداں و فرحاں واپس ہوا اور طبع کا انتظام شروع کیا۔

اس قصہ کے بعد بہتیرے موانع سدِ راہ ہوئے اور کچھ ایسے افکار پیش آئے کہ باوجود احباب کے بیسیوں تقاضوں اور تحریری استفساروں کے اوراقِ مسودہ کو ہاتھ لگانے کا بھی اتفاق نہ ہوا۔ آخر جب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے کئی مرتبہ ان الفاظ سے تقاضے ہوئے کہ "سوانح کے چھپنے میں کیا دیر ہے؟" تو شرم کے سبب پسینہ آگیا اور مظاہر العلوم کے جلسہ سے واپس آتے ہی ۲۴۔ محرم ۱۳۲۸ھ ہجری مطابق ۵۔ فروری ۱۹۱۰ء عیسوی یوم چہارشنبہ مسودہ نکالا اور معمولی ترمیم و ترتیب اور نظرِ ثانی کی بقدر ضرورت تغیر و تبدل کے بعد طبع شروع کر دیا۔

اثنائے کتابت میں ایک صاحبِ دل دیندار شخص کا جن کی صورت میں نے کبھی نہیں دیکھی بسبیل ڈاک لفافہ پہنچا کہ میں نے خواب دیکھا ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح لکھی جارہی ہے اور ایک بزرگ نے اس کی تعبیر دی ہے کہ معلوم ہوتا ہے شریعت کے کسی کامل متبع کی سوانح کا اہتمام ہو رہا ہے۔
پس مبارک ہو کہ یہ منامی بشارت تیرے ہاتھوں پوری ہو رہی ہے۔ میں نے حق تعالیٰ کی اس رحمت کا شکر ادا کیا اور بعد میں پے درپے خود بھی چند خواب عجیب و غریب دیکھے۔ اپنے حضرت صاحب سوانح کی زیارت سے بھی خواب میں مشرف ہوا کہ مسکرا کر دریافت فرماتے ہیں کیا میری سوانح لکھ رہے ہو؟ میں پاس کھڑا ہوا اپنی بے بضاعتی اور احباب کا کچھ دوستانہ شکوہ کر رہا ہوں اور حضرت قدس سرہ جواب میں اپنے حالات خود بیان فرما رہے ہیں کہ یہ بھی لکھو مگر افسوس کہ بیدار ہونے پر یاد نہ رہے۔"

اللہ تعالیٰ کا بے شمار احسان ہے کہ ان بشارتوں نے مجھ مردہ قوت میں روح پھونک دی اور مجھ کو یہ موقع ملا کہ برے بھلے جس طرزِ عبارت میں اس یادگار کو ہدیۂ ناظرین کر سکا پیش کیا۔ تاہم اتنا افسوس اب بھی ہے کہ جن نفیس مباحث اور عجیب مضامین کی جستجو تھی کافی طور پر نہ ملے۔ ہاں خدا کی ذات سے امید ہے کہ آئندہ طبع میں یا جدا جدا مکاتیب و مباحث و فقہیات کے عنوانات سے رسائل کی صورت میں طبع کی نوبت آئیگی اور یہ سلسلہ اللہ کو منظور ہے تو سالہا سال جاری رہے گا۔ والسلام نعم الختام۔



طالبِ فیوضِ نامتناہی
احقر العباد عاشق الٰہی عفی عنہ میرٹھی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایسے نازک وقت میں جبکہ عالم کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دنیا کے سچے راہبر و ہادی احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والتسلیم کو دنیا والوں سے اپنا جسمانی تعلق منقطع کئے ہوئے ساڑھے بارہ سو برس ہو چکے ہوں پاک مذہب اسلام کے سچے قانون اور ستھرے عقیدوں پر اگر نفس کی طرف سے حملے ہوں چنداں قابل تعجب نہیں۔

۱۲۱۳ ہجری نبوی جو ہماری تالیف کا مبدا ہے وہ زمانہ تھا جس میں معصیت و بددینی کی گھنگھور گھٹائیں امنڈ امنڈ کر عالم کو محیط ہوتی جاتی تھیں لطیف چھائی پیغمبر کے لگائے ہوئے باغیچہ کو ویران کرنے کی کوشش میں صرف دشمن ہی نہیں بلکہ دوست نما اصحاب بھی لگے ہوئے تھے۔ بھولے بھالے مسلمان زمانہ کی روش کے ایسے غلام بن چکے تھے کہ قومی رسم اور بردرانہ رواج انکو جس کروٹ لٹاتا وہ لیٹتے اور جس پہلو بٹھاتا وہ بیٹھتے دین کی بے خبری جسکو جہالت کہا جاتا ہے اکثر ایمان لائے ہوئے دلوں اور اسلام کا کلمہ پڑھی ہوئی زبانوں پر بھی اسقدر چھائی ہوئی تھی جسطرح برسات کے موسم میں سیاہ اور گنجان بادل آفتاب پر چھا جاتے اور دن کو رات بنا چھوڑتے ہیں۔ تمدن و سیاست اور معاملات و طرز معاشرت اسقدر بگڑ گیا تھا کہ عام خیالات اور اکثر زبانیں متفق اللفظ اسکی قائل تھیں کہ اسلام صرف نماز روزہ اور چند غیبی خبروں یعنی بہشت کی حوروں اور دوزخ کے سانپ بچھو یا قبر کے کیڑے مکوڑوں کے تذکرے کا نام ہے اسکو انسان کی معاش و گزران حیات یا دیگر حالات ظاہری و باطنی سے کوئی علاقہ نہیں ہے جسطرح چاہو تجارت کرو اور جو چاہو کھاؤ جو چاہو پہنو اور جسطرح چاہو نشست و برخاست اور ملاقات و معاشرت کے طریقے اختیار کرو غرض ہر امر میں آزاد ہو اور اگر کبھی پابندی کا خیال آیا تو اصول تجارت میں اُن اقوام کی تقلید اختیار کی جنکو اسلام سے عداوت اور بانی اسلام سے طبعی عناد تھا۔ طرز معاشرت و انداز نشست و برخاست میں اتباع کیا تو اُن قدیم یا جدید فلاسفروں کا جو صلاح کے پردہ میں تخریب کے درپے تھے۔ شادی و غمی کے حوادث اور موت و حیات کے لابدی پیش آنے والے واقعات میں اطاعت بھی کی تو اُن پرانی پڑی ہوئی رسوم کی جنکو شرع تو شرع عقل بھی کسی طرح قبول نہ کرے اور اگر کوئی صاحب حضرت تہذیب اصلاح نفس کی جانب متوجہ ہوئے تو اُن جہالت کے پتلوں اور اَن پڑھ لوگوں کی طرف متوجہ ہو جنکو خدائی کے دعوے میں بھی شرم نہ آئے۔ غرض کچھ ایسی کایا پلٹی اور ظلمت برسی ہوئی تھی کہ بددینی کا نام دین تھا اور بربادی کا نام شادی جہل کا نام علم تھا اور خرافات و شعبدہ بازی کا نام کشف و کرامت نہ معاملات کی

تعلیم نہ اخلاق کی تفہیم نہ الوہیت و رسالت کی تعظیم نہ آداب و مقامات نفس کی تقسیم ایک طوفان ضلالت تھا کہ امڈا چلا آتا تھا اور گمراہی کا ایک سیلاب عظیم تھا کہ بڑھتا اور شور مچاتا چلا آتا تھا جسکے مہلک و تباہ کن نتائج کا خلاصہ یہ تھا کہ علم شریعت مصطفیہ کی تحقیر اور طرز تمدن نبویہ کی تذلیل و توہین بڑھتی جاتی تھی عوام اپنے آپکو علماء سے مستغنی و بے نیاز سمجھتے تھے اور نام کے علماء تہذیب نفس سے محرومیت کے باعث اُن کے خوشامدی غلام اور تنخواہ دار ملازم بنتے اور دین فروشی کے ذریعہ سے اپنی ہی علمی عزت کو دھبے دے رہے تھے۔

جسطرح کسی زمانہ میں اہل عرب بیت اللہ زادہ اللہ شرفاً کو ایام سال کی مقدار پر بتوں سے سجایا اور نیکوکاری سمجھا تھا اسی طرح ہندوستان میں بدبختی و بد عقیدگی کے گرداب روزانہ نئے مخترعہ خیالات جزو اسلام بنائے جاتے اور تائید دین متین کہی جاتی تھی کسی طرف نیچریت کا غلبہ تھا اور کسی جانب اعتزال و دہریت کا۔ کہیں رفض و تشیع کا زور تھا اور کہیں خروج کا۔ ایک جانب عدم تقلید پھیل رہی تھی تو دوسری طرف نصرانیت و مرزائیت کا بیج پڑ رہا تھا۔ یہاں ڈھولک و ستار کے گرد رہتے تھے تو وہاں بازاری عورتوں کے گانے پر وجد و حال گرم تھا۔ یہاں گور پرستی و تعزیہ پرستی ہو رہی ہے تو وہاں اولیاء اللہ کی توہین اور بدزبانی غرض یا افراط و تفریط نے وہ مٹی خراب کر رکھی تھی کہ الامان اور اعتدال سے محرومیت نے وہ ناس مار رکھا تھا کہ الحفیظ۔

سب پر طرہ علماء کا اختلاف رائے کہ جسکو دیکھئے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بنانے کی فکر و تدبیر۔ حب جاہ و حب مال اور طمع نفسانی و حرص حیوانی جہاں دوسرے مسلمانوں میں سرایت کئے ہوئے تھی اسی طرح بلکہ کچھ زیادہ ان اصحاب میں بھی گھسی ہوئی تھی جو پیشوا و مقتدا سمجھے جاتے تھے۔ آٹھ آنے پیسوں پر جس مضمون کا چاہو اُنسے وعظ کہلوا لو اور پچیس ٹکوں پر جس فتوے اور جس مسئلہ پر چاہو دستخط کرا لو اور منشا کے موافق لکھوا لو۔ گویا سخت پتھر بنے ہوئے سرچشمہ اسلام کے دہانہ پر اڑے ہوئے تھے کہ شیریں و خوشگوار پانی سے نہ خود سیراب ہوتے تھے نہ خود پیتے اور دہانہ کھولتے تھے کہ خدا کے دوسرے بندے ہی سیراب ہو جائیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اس تاریک زمانہ میں بلحاظ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچی پیشگوئی کے موافق علماء امت میں ایک ایسے زبردست عالم کی ضرورت تھی جو من کل الوجوہ قابل اعتماد مصلح اور سرتاپا سنت نبویہ کے زیور سے آراستہ کامل اتباع شریعت کاملہ میں مخلوق کے لئے نمونہ اور عالم کے لئے حجت ہو جسکی روحانی قوت ایسی زبردست ہو جس میں متکبر و مغرور مولویوں کو کھینچ لینے کی قابلیت ہو جسطرح علماء میں ہر عالم اپنے خاص گروہ کا سردار و پیشوا اور اُن کے اختلافی امور سمجھا تا ہے اسی طرح یہ مقدس ذات مرجع علماء ہند ہے اور مولویوں میں اُلجھے پڑے

مسائل اور مختلف و متنازع فیہا امور کا تصفیہ کرے غرض نیابت رسالت کا عمامہ سر پر باندھے اور اس اہتمام بالشان و عظیم خدمت کو انجام دے جس کی تکمیل قوم بنی اسرائیل میں انبیاء علیہم السلام کے ذمہ ہوتی تھی شریعت کی شاہراہ کا ہادی و مجدد مذہب قرار پائے اور طریقت کی دشوار گزار سڑک کا راہبر و قطب الارشاد۔

میرے پیارے دینی بھائیو! ذرا غور کرو اور دیکھو کہ اس مسند پر بیٹھنے والے حامی دین اور مصلح قوم بزرگ کے لئے کن کن اوصاف کی ضرورت ہے۔ کیا باطنی پیغمبر کے جاری فیضان نبوت کے بحر زخار سے شاداب ہوئے بغیر اس منصب جلیلہ کے فرائض ادا ہوسکتے ہیں؟ حاشا و کلا ہرگز نہیں ہرگز نہیں ہے۔ اس پاکباز جانشین کو نماز و روزہ صدقہ و زکوٰۃ حج و تلاوت قرآن ذکر الٰہی و طلب حلال وغیرہ ضروری امور کے علاوہ چونکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر یعنی وعظ و نصائح اور اصلاح غیر کے تمام مقدمات و وسائل کی بڑی ضرورت ہے اسلئے وہ استقلال و صبر اور پختگی و استقامت چاہیئے جو پہاڑوں کو زائل کر دینے والے مکر و فریب کا مقابلہ کر سکے اور وہ صبر و تحمل ہو جو کہ وہ مشکل مصائب و آلام اور گھبرا دینے والی طعن و تشنیع کے تیروں کی بوچھار کو برداشت کر سکے۔ حرص و ہوس۔ غیظ و غضب حسد و بغض۔ بخل و حب مال۔ رعونت و حب جاہ۔ تکبر و نخوت۔ خود پسندی و عجب۔ ریاء و سمع۔ درشتی و سختی اس میں بھی نہ ہو چشکی ہو عبادات کے علاوہ عادات و امور مباحہ مثلاً حرکات و سکنات تک میں سنت مصطفویہ کے اتباع و تقلید کا رنگ چڑھا ہو۔ توبہ و خوف زہد و اتقاء صبر و شکر۔ اخلاص و صدق۔ توکل و محبت الٰہی اور رضا بقضا کی دشوار گزار گھاٹیوں کو زبانی نہیں بلکہ عبور کر کے اور آگے آگے چلکر دکھلا دے۔ حضوری و جاہت معنوی ہیبت کریمانہ اخلاق حکیمانہ اشفاق۔ مادرانہ ترحم۔ پدرانہ تادیب لطافت طبع نزاکت و طہارت نفس حسبی شرافت نسبی نجابت میں شہرۂ آفاق ہو۔ فصیح و بلیغ شجاع و بہادر کریم النفس رحیم خاشع و خاضع مہمان نواز متواضع اور اپنے زمانہ میں کیفیات روحانیہ کی قوت و طاقت میں فرد اور یکتا ہو۔

تیرہویں صدی کا یہ گوہر شہوار۔ دُر فرید جس نے بادشاہی کی گود سے محترم حصہ اور بزرگ خطہ یعنی گنگوہ کے قصبہ میں جلوہ افزائی فرمائی تھی کئی لاکھ مسلمانوں کے دینی باپ اور کئی علماء کے سرتاج و پیشوا ہندوستان کے مایۂ فخر و ناز حضرت قطب عالم مرشد برحق مولانا الحاج الحافظ الشیخ مولوی رشید احمد صاحب قدس سرہ العزیز محدث گنگوہی ہیں۔ طاب اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ حق تعالیٰ اس پاک ذات کے طفیل میں ہم سیاہ کاروں کی مغفرت فرمائے اور اس مقدس تذکرہ کو جو حضرت ممدوح کے نام نامی کا شرف پائے ہوئے ہے قبول فرما کر مجھ ناکارہ کے لئے ذریعہ نجات بنائے آمین ثم آمین۔

حضرت ناظرین سے درخواست ہے کہ اس تحریر میں جو غلطی پائیں اس فقیر کی زلت پر محمول فرما کر بنظر کریمانہ اصلاح فرماویں تاکہ آیندہ جب طبع ہو صحیح طبع ہو۔ یہ کم مایہ حقیر بدنام کنندۂ نکو نامے چند جو کچھ اس سے ہو سکا اپنے شیخ کا شجرہ میں تذکرہ جمع کر سب سے پہلے اپنے حضرت مولانا المولوی خلیل احمد صاحب و مولانا مولوی محمود حسن صاحب و مولانا مولوی عبدالرحیم صاحب کی نذر گذرانتا ہے اور ان بعد تمام اخوان طریقت کو ہدیۃً پیش کر کے ملتمس ہے کہ مؤلف کے حق میں بھی دعائے خیر فرماویں کہ رضائے حق نصیب ہو اور خاتمہ بالخیر۔ اسکے بعد یہ بھی درخواست ہے کہ آپ صاحبوں کو سوانح کا مطالعہ کرنے میں جسوقت جو کوئی مضمون نیا یا کوئی مستند قصہ یاد آجائے اُسکو اسی کتاب کے حاشیہ پر لکھتے جائیں تاکہ طبع ثانی میں وہ زیادتی آپ کے نام پر درج ہو اور آپ کے لئے ذریعہ ترقی مراتب درین ہے جسے حق تعالیٰ اس یادگار کو تا ابد الآباد قائم رکھے اور دن دونی رات چوگنی ترقی مرحمت فرما کر اہل عرفان و محبان سنت و اہل سنت کی لذت کا سبب بنائے آمین و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین +

اطلاع

اس مبارک ذکر کا نام **تذکرۃ الرشید** رکھا گیا ہے۔ چونکہ اپنے دینی بھائیوں کی خدمت میں پیش کرنا مقصود ہے اسلئے گو برائے نام قیمت رکھدی گئی ہے مگر غربا کی غربت اور امراء کی تونگری کا لحاظ ضرور قائم ہے اسمیں سے سو نسخہ وقتاً فوقتاً ضرورت ثابت ہونے پر مفت نذر ہوں گے اور استطاعت و مقدرت والے اہل مال اصحاب سے جو کچھ بھی وہ قیمت دیں قبول کیجائیگی اور یہ انکی توفیق پر موقوف ہے اگر کچھ نسخہ خرید فرما کر غیر مستطیع یا کم استطاعت اصحاب کی رعایت کے لئے دفتر ہی میں چھوڑ دیں کہ عندالحاجت انکی تکمیل نافذ ہو اور وہ مستحق ثواب بنیں۔ چونکہ اسکی طیاری و اہتمام میں مبشرات منامیہ نے مقبولیت کا غالب گمان دلایا ہے اس لئے امید ہے کہ انتشار انشاء اللہ اطراف عالم میں پہنچے گی اور کسی وقت کوئی چیز ہوگی۔ جو صاحب بھی اسکو ملاحظہ فرماویں کسی زمانہ اور کسی ملک میں کیوں نہ ہوں مؤلف اور اسکے اکابر و اخوان کے لئے ضرور دعائے خیر فرماویں فقط +

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولادت

شاد باش اے خستہ ہجران بلا / کز پئے درد تو درمان میرسد	تازہ شو اے کشتہ وادیٔ غم / کز برائے آب حیوان میرسد
اے دل افسردہ روحے میدمد / مژدہ تن را کہ جان میرسد	دور شو اے ظلمت شام فراق / کآفتاب وصل تابان میرسد
شوق کن اے بلبل گلزار عشق / گل بگل نو از گلستان میرسد	بہر رشد خلق مے آید رشید / قطب عالم بحر عرفان میرسد

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے ۶ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ ہجری نبوی کو یوم دوشنبہ چاشت کے وقت اس گہوارۂ عالم فانی میں قدم رکھا یعنی قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور محلہ سرائے میں خانقاہ شیخ المشائخ مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ کے متصل اُس جدی مکان میں یادان مسعود و زمان محمود آپکی ولادت شریفہ ہوئی جو درگاہ حضرت شیخ کے شرقی سمت میں تخمیناً پچیس تیس قدم کے فاصلہ پر واقع اور اب تک قائم ہے گویا دوشنبہ کی ولادت میں غیر اختیاری سنت نبویہ کا شرف حاصل فرما کر تکبیر کانوں میں یہ مژدہ پہونچایا کہ اے بطحائی پیغمبر کی طرز معاشرت و تحصیل سعادت سے غافل ہو جانے والو ہوشیار ہو جاؤ "خواب غفلت سے جاگو" اور اُس تعلیم صادق کے اُمیدوار و منتظر ہو جو مُردہ سُنتوں کی احیا اور متروکہ طرق نبویہ کے رائج و نافذ ہونے کے متعلق حق تعالیٰ جل و علیٰ شانہٗ کو میرے ہاتھوں لینی اور مجھے نائب رسول بنا کر متنبہ کر دینے والا مجی سنت محمدیہ قرار دینا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ماں اور باپ دونوں سلسلوں سے شریف النسب یعنی نجیب الطرفین شیخ زادہ انصاری اور ایوبی النسل تھے چنانچہ باپ کیجانب سے خاندانی سلسلہ جسکو حضرت نے خود بیان فرمایا تھا اسطرح ہے مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد صاحب بن قاضی پیر بخش بن قاضی غلام حسن بن قاضی غلام علی بن قاضی علی اکبر بن قاضی محمد اسلم الانصاری الایوبی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اور ماں کیجانب سے سلسلہ نسب جسکو حضرت کے ماموں محمد شفیع صاحب نے خاندانی شجرہ محفوظہ سے نقل کرایا یوں ہے مولانا رشید احمد صاحب بن سماۃ کریم النساء بنت فرید بخش بن غلام قادر بن محمد صالح بن غلام محمد بن فتح محمد بن محمد تقی بن محمد صالح بن قاضی محمد کبیر الانصاری بن قاضی امین الدین عرف قاضی امن بن خواجہ فرید بن خواجہ شاہ بن خواجہ محمد فاضل بن خواجہ ہاشم بن خواجہ علاؤ الدین بن خواجہ رکن الدین بن خواجہ نجم الدین بن خواجہ شرف الدین بن خواجہ بڈا بن خواجہ عبد المجید بن خواجہ کبیر بن خواجہ رکن الدین

بن خواجہ شرف الدین بن خواجہ تاج الدین بن خواجہ منہاج الدین بن خواجہ ہاشم بزرگ بن اسمٰعیل بن خواجہ عبداللہ ہروی بن خواجہ ابو محمد منصور بن خواجہ علی بن خواجہ محمد بن خواجہ احمد بن خواجہ جعفر بن ابی منصور بن ایوب بن الشیخ ابی ایوب انصاری در اصل نام پاک آں صحابی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خالد بود رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نسبی سلسلہ جدہ کی طرف سے گیارہویں پشت پر حضرت امام ربانی غوث صمدانی قطب العالم شیخ المشائخ **عبدالقدوس** گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملا ہے اسلئے کہ حضرت کے جد بزرگوار یعنی جناب قاضی پیر بخش مرحوم کی والدہ ماجدہ شیخ محمد صلاح کی صاحبزادی تھیں جنکا نام مسماۃ بولی تھا اور شیخ محمد صلاح کے جد سابع حضرت شیخ الشیوخ عبدالقدوس گنگوہی ہیں چنانچہ سلسلہ اس طرح ہے کہ مولانا رشید احمد صاحب بن مولانا ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش بن مسماۃ بولی بنت محمد صلاح بن محمد صالح بن الشیخ عبدالواحد بن محمد طاہر بن شیخ فتح اللہ بن عبدالصمد بن عبدالحمید بن الشیخ الامام الہمام الاکمل **عبدالقدوس** رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤ اجداد یعنی سلسلہ نسب سے معلوم ہونے والی پاک اصلاب کا جدا جدا تذکرہ معلوم ہونا گو چنداں دشوار نہیں ہے مگر یہ ضرور ہے کہ اصل مقصد یعنی سوانح رشیدی سے بُعد ہو جائیگا اسلئے چھوڑا جاتا ہے ہاں اس مقدس تذکرہ کو وضاحت کے لئے جن مبادی کی ضرورت ہے ان کا ذکر کرنا لازمی ہے اس لئے سب سے اوّل یہ جتلا دینا ضروری ہے کہ حضرت مولانا کے شریف النسب اور نجیب الطرفین ہونے کے لئے بلکہ محبت و عظمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث بننے کے لئے یہ جلالت نسبی کافی ہے کہ آپ کے جد امجد حضرت مولانا ابو **ایوب** انصاری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مہاجر آفتاب رسالت کو مدینہ منورہ میں اپنے مبارک مکان کے اندر جگہ دی اور اس نعمت خداوندی کے بھرپور خزانہ کی تقسیم کا شرف اپنے پہلی منزل کے دامنوں میں حاصل کیا جسکو اہل مکہ نے نا قدردان بنکر اپنے سے علیحدہ کیا تھا اس جان نثار میزبان رسول کے شیریں تذکرہ اور رفعت والے نام سے کون مسلمان ہے جو ناواقف ہو اور اس خوش نصیب حامی دین و نامور دین شیخ کی قابل فخر عزت اور تا قیامت مشہور رہنے والی خدمت سے کونسا کان ہے جو آشنا نہیں ؎

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

اس بلند و بالا دینی دولت سے مالامال ہونے والے اور سلطان دین کی ان گرانقدر بخششوں سے گود بھر بھر صحابی کی نسل میں اگر ایسے در فرید اور بے بہا لعل پیدا ہوں جو ضعف ایمانی کے وقت سب سے پہلے اپنے قدم بڑھا لیں اور منفعت ہونے والی دینی نعمتوں سے گود بھریں مُردہ سنتوں کو زندہ کریں اور غفلت کی نیند سونے والوں کو جگائیں

تو تعجب ہی کیا ہے آخر سلطانی میزبانی کا صلہ و انعام اور سلطان دین کے قدموں کی برکت کا اثر کچھ تو قیامت تک ضرور قائم رہے اور وہ یہی ہے کہ جس گلاب کے تختہ پر سلطانی تخت اوّل جلوہ افروز ہوا وہ قیامت تک کے لئے سدا بہار بن گیا اور کبھی نہ کبھی آخری زمانہ کو بھی بہار کی جھلک دکھلانے کے لئے ضرور قابل حیرت روش پر پھیلا اور پھولا پھلا اور ادھر دسویں صدی میں عالم کے دماغ معطر کرنے والا شاداب پھول یعنی شیخ عبدالقدوس قدس سرہ کا وجود باجود ارض ہندوستان کے لئے مایہ ناز اور نسل نعمانی و ذریت ابو حنیفہ کوفی میں وہ آفتاب ہدایت تھا جس نے دنیا میں چھائی ہوئی ظلمت و تاریکی پر نور عرفان و ضیاء ایقان کی چمکدار شعاعیں ڈالیں اور دل آویز مہک سے عالم کے دل موہ لئے اس نسل ایوبی و ذریت نعمانی میں اس خلف الصدق کی ضرورت تھی جو ہر دو اجداد سے ظاہری و باطنی فیضان سے مستفیض اور شریعت و حقیقت کے شمس و قمر کی نورانی شعاعوں سے بہرہ یاب ہو کر گمراہ ہونے والی مخلوق کا ہادی و راہبر قرار پائے اور نیابت رسالت کا حق ادا کرے۔

شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۳۔ جمادی الآخر ۹۴۴ھ ہجری کو اس عالم سے جسمانی انقطاع فرمایا اور تیسری صدی کا آخری سال ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ اس خاندان ایوبی کا نام باقی رکھنے والے اور قدوسی سلسلہ کی عزت سنبھالنے والے نونہال نے اپنے وجود مسعود سے خانہ عالم معمور اور یہی قصبہ گنگوہ آباد کیا جس پر تین قرن خانقاہ اپنے شیخ کے سچے جانشین کی تلاش میں تین سو برس سے پریشان حال و ویران پڑی ہوئی تھی یعنی تیسری صدی کے پورے اختتام پر شیخ عبدالقدوس کے وصال کا سال اور مہینہ اور دن یعنی ۲۳۔ جمادی الآخر ۱۲۴۴ھ ہجری کا روز جب آیا ہے تو ہمارے حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ پورے سات ماہ اور سات دن کی عمر پاچکے تھے فالحمد للہ علی احسانہ۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نانہیال در اصل قصبہ رامپور ضلع سہارنپور ہے مگر چونکہ حضرت کے دادا جناب قاضی پیر بخش صاحب مرحوم نے گنگوہ کو وطن بنا لیا اس لئے آئندہ نسل کا انتساب گنگوہ کی جانب ہوا اور تبدیل وطن کی وجہ یہ ہوئی کہ جناب قاضی پیر بخش صاحب مرحوم کے ماموں زاد بھائی شاہ قطب علی صاحب مرحوم گنگوہ کے باشندے تھے شاہ صاحب پر بعض بنی اعمام اور کنبہ کی طرف سے مخالفانہ حملے ہوتے رہتے تھے یہاں تک کہ بعض معاملات میں مخالفت و عناد حد کو پہونچ گیا اور اجتماعی قوت سے صرف یورش ہی نہیں بلکہ شاہ قطب علی صاحب کے قتل کے منصوبے اور جان سے مار ڈالنے کی تدابیر سوچی جانے لگیں۔ شاہ صاحب اول تو یکہ و تنہا سینہ سپر بنے ہوئے مردانہ وار ایذائیں سہتے رہے آخر قتل کے منصوبوں کی خبر نے جب پریشان کر دیا تو شاہ صاحب نے چاروں طرف

نظر اٹھا کر دیکھا اور سوائے اپنے پھوپی زاد بھائی جناب قاضی پیربخش صاحب مرحوم یا انہیں کے دیگر رشتہ داروں کے کسی کو اپنا ہمدرد نہ پایا چنانچہ اپنی نازک حالت اور معرض خطر میں پڑی ہوئی جان کی مصیبتیں بھائی کو لکھ بھیجیں اور خواہش کی کہ جس طرح ممکن ہو تم معہ دیگر اقارب کے گنگوہ چلے آؤ تاکہ ادھر تیری ڈھارس بندھے اور کمر مضبوط ہو اور ادھر مخالفین پر دباؤ پڑے اور ہیبت چھا جائے۔ یہ رامپوری خاندان ایوبی بڑے دل جگر کے لوگ تھے خصوصاً قاضی پیربخش صاحب مرحوم تو دلیری و بہادری اور جرأت و شجاعت میں کئی قصبوں کے اندر مشہور تھے گولی لگانے اور تیر چلانے میں نہایت مشاق تھے آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے مگر نشانہ اندازی کی مشق و مہارت کا یہ عالم تھا کہ محض حرکت محسوس کر کے یا نظر آئے شکار کی صرف آواز پر گولی چلا دیتے اور ٹھیک نشانہ پر جا کر بیٹھتی تھی چنانچہ ایک مرتبہ درخت پر بیٹھے ہوئے بندر کی آہٹ پا کر بندوق کو سیدھا کر لیا اور لوگوں سے کہا کہ بندر کو بھگاؤ اور درخت کی شاخوں کو ہلاؤ چنانچہ ادھر حرکت ہوئی اور ادھر دھم سے بندر زمین پر آ گرا۔ پتوں کی کھڑکھڑاہٹ نے بندر کو جگہ سے حرکت وہی ہی تھی کہ ادھر گولی چلی اور ادھر نتیجہ ظاہر ہوا۔ غرض قاضی صاحب مرحوم چونکہ انصاری النسل تھے اسلئے اپنے مظلوم بھائی کی نصرت سے باز نہ رہ سکے گو وطن مالوف چھوڑنا پڑا مگر درخواست کا رد کرنا شان مروت و اصالت شرافت کے خلاف سمجھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور چند دوسرے کنبہ داروں اور خاص اقارب کو ہمراہ لیکر گنگوہ آ آباد ہوئے اسوقت قاضی صاحب کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی۔ اس نو عمری میں جبکہ عام طور پر یگانہ اور بیگانہ میں تمیز بھی دشوار ہے کنبہ کو کنبہ سمجھنا قرابت داری کے حقوق کی نگہداشت ننھیال کا پاس و لحاظ معاونت و برادر داری و ترک وطن کا ہجران اور ایثار و نفع رسانی۔ مروت و وفا شجاعت و عالی حوصلگی وغیرہ خصائل محمودہ کیسے بیش بہا جواہرات اسی پاک نفس صحابی اور جد بزرگوار خادم رسول امی کے حاصل کئے ہوئے شمائل تھے جو وراثتاً یکے بعد دیگرے ارحام و اصلاب میں منتقل ہوتے چلے آتے تھے ورنہ کہاں رامپور اور کہاں گنگوہ کیسے ماموں زاد بھائی اور کیسی معاونت جسکو آجکل عام خیالات نے دوسرے کی بلا کا اپنے سر دھرنا اور کسی کی پھٹی چادر میں پاؤں ڈالنا سمجھ رکھا ہے قاضی پیربخش صاحب مرحوم اس تقریب سے گنگوہ میں مدعو ہوئے اور یہیں قیام فرمایا شریف ترخاندان میں شادی ہوئی اور یہیں مولوی ہدایت احمد صاحب تولد ہوئے جو حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد تھے۔

مولانا ہدایت احمد صاحب کا قصبہ گنگوہ جسطرح مولد تھا اسی طرح تربیت کا گہوارہ اور نشو و نما کا مسکن رہا وہ بھی تھا کیونکہ مولانا مرحوم یہیں رہتے تھے یہیں پڑھے اور جوان ہوئے اسی قصبہ میں پھلے پھولے اور یہیں انصاری

خاندان میں مولانا محمد نقی صاحب کی ہمشیرہ کے ساتھ شادی ہوئی۔ مولانا محمد تقی صاحب مرحوم مولوی محمد شفیع صاحب مدظلہ کے بڑے بھائی تھے جو ایام غدر میں شہید ہوئے رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

مولانا محمد نقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا قدس سرہ کے خسر بھی ہیں اور ماموں بھی کیونکہ آپ کی صاحبزادی بی بی خدیجہ حضرت مولانا قدس سرہ سے بیاہی تھیں۔ یہی عفت مآب خاتون جنکو قطب عالم کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا صاحبزادگان جناب حکیم مولانا مولوی مسعود احمد صاحب اور مرحوم و مغفور مولانا مولوی محمود احمد صاحب و نیز صاحبزادی صاحبہ صفیہ خاتون سلمہا اہلیہ محمد ابراہیم صاحب کی والدہ ماجدہ ہیں۔ حضرت مولانا قدس سرہ کے والد ماجد مولانا ہدایت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں مقدس عالم اور دینی مقتدا بزرگ تھے اپنے علم پر عامل اور ریاضت کش صاحبدل شیخ تھے علم ظاہری یعنی شریعت میں علماء اہل خانقاہ خاندان حجۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے تلمذ کا شرف حاصل تھا اور علم باطنی یعنی طریقت میں شاہ غلام علی صاحب مجددی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے توسل و تعلق ارادت قائم تھا چونکہ مولانا مرحوم اپنے شیخ کے مخلص عقیدتمند اور منظور نظر مرید تھے اسلئے مولویت و علم شریعت بیضا کے ساتھ اصلاح النفس اور سلوک و تصوف کے دریائے مواج کا بھی وافر حصہ لئے ہوئے تھے۔ زود نویسی اور خوشخطی میں اسقدر مشاق تھے کہ کتابیں کی کتابیں لکھ ڈالیں اور قلمبرداشتہ بھی لکھیں تو ایسی صاف اور خوشخط گویا ہار میں موتی پرودئے چنانچہ مولانا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی مستند کتابیں اب تک موجود اور قلمی نسخوں میں صاحبزادہ جناب حکیم مسعود احمد صاحب کے صندوق میں رکھی ہوئی ہیں۔ جناب مولوی ہدایت احمد صاحب کو عملیات اور تعویذ گنڈوں سے بھی مناسبت تھی۔ حُب و بغض اور تسخیر وغیرہ اعمال کا فی الجملہ شوق تھا۔ مولوی حبیب الرحمن صاحب کا بیان ہے کہ مولانا اپنے شیخ حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مجاز یعنی خلیفہ طریقت بھی تھے۔

مولانا مرحوم نے ساڑھے پینتیس سال کی عمر میں بماہ جمادی الثانی ۱۲۵۲ ہجری بمرض [illegible] گورکھپور میں انتقال فرمایا۔ جسوقت یہ باپ کا سایہ عاطفت حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کے سر سے اٹھا ہے اُس وقت حضرت کی عمر صرف سات برس کی تھی اور اس یتیم نونہال کی پرورش و پرداخت آپکے جد امجد قاضی پیر بخش صاحب کے حوالہ ہوئی۔ مولوی ہدایت احمد صاحب کے دو صاحبزادے اور تھے یعنی ایک حضرت مولانا سے چند سال بڑے اور فارسی کی ابتدائی کتابوں میں حضرت مولانا کے استاد بھی تھے جنکا نام مولوی عنایت احمد تھا اور دوسرے حضرت مولانا سے چھوٹے انکا نام سعید احمد تھا انہوں نے والد صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد عمر نو سال وفات پائی۔ تینوں حقیقی بھائیوں کی دو بہنیں تھیں ایک تو حقیقی بہن بڑی سعادت نشان تھیں اور دوسری بہن علاتی تھیں جنکا نام امۃ الحق تھا۔

طفولیت

بچپن کے مفصل واقعات کا معلوم ہونا کوئی آسان بات نہیں ہے اور سبب یہ ہے کہ کوئی شخص دینی یا دنیاوی حیثیت سے کیسا ہی بڑا کیوں نہ ہو سکے زمانہ طفولیت میں کسی کو کیا خبر ہے کہ آگے چلکر اس نونہال خوبی کی کہاں کہاں شاخیں نکلیں اور کس کس مقام تک اسکی تازگی و شادابی اپنا اثر پہونچائیگی۔ باغ کا وہ پھلدار درخت جسکو ہم نظر بد سے بچانے کی تدبیریں کیجاتی ہوں اگر باغبان سے اُسکے ابتدائی نشو و نما کے ہر خطرہ و ہر حال کی کیفیت دریافت کیجائے تو شاید اس حد تک نہ بتلا سکے جیسا کہ اُسکی موجودہ ترقی معلوم کرنا چاہتی ہے کیونکہ ابتدائی لمحہ میں اس درخت کی پیشانی پر یہ لکھا ہوا تھا کہ کسی زمانہ میں باغیچہ کا سرمایہ ناز بنیگا ہاں اجمالی کیفیت کے درجہ میں صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ "ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات" بزرگان دین و مشاہیر سلف کی سوانح کے ورق اُلٹئے اور صفحات پر نظر ڈالئے تو اس مضمون کی سچائی ظاہر ہو جائیگی کیونکہ نکو نامان عالم اور صفحہ ہستی پر آب زر سے لکھے ہوئے نام والے حضرات کے حالات مصنفین نے شرح و بسط سے لکھے مگر جسوقت ماں کی گود میں ننھے ننھے ہاتھوں کی تھپکیاں کھا کھا کر سونے کے وقت کی حرکات کا حال انہیں مصنفین سے پوچھا جائے تو بجز خاموشی کے اُن کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ اس بات خیالی کی جھلک حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تک کے سوانح میں نظر آتی ہے کیونکہ آپکی جلالت شان و رفعت مکان و علو مرتبت و بلندی منزلت آپ کے حالات طفولیت جس بسط و تفصیل کے ساتھ متقضی ہے مصنفین و سیاحان احوال اُسکا عشر عشیر بلکہ ہزارواں حصہ بھی پورا نہ کر سکے اور اگر نیچے اُتر کر مخصوص صحابہ اور نیچے اُتر کر خاص اصحاب اور پھر نیچے اُتر کر عام خدام و جاں نثاران رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات طفولیت دریافت کیجئے تو بالکل ہی مطلع صاف ہوا جاتا ہے۔ غرض مشیت ایزدی اور عادت اللہ کا مقتضٰی شاید اپنے مقربین کے لئے سدا یہی قائم رہا ہے کہ انکے بچپن کا زمانہ آنے والے زمانہ کے متقابلہ میں ایسا گمنام گذرے کہ نہ دشمنوں کو دشمنی و ایذا رسانی کا موقع ملے اور نہ شفقت و خدمت کرنے والوں کو قبل از وقت اعانت و ہمدردی کا نہیں ہوتا وہ بچوں کی گذران اور غیر مشہور حال کے ساتھ نشو و نما ہو کر بعض ہمعصر و ہم عمر احباب بلکہ مربی و سرپرست بزرگوں کو بھی اس طرف توجہ نہیں دلائی کہ وہ اس زمانہ کے حرکات و سکنات و تفصیلی حکایات کے طور پر یاد رکھیں اور کسی زمانہ میں دریافت کرنے والے مشتاق خادموں کو بتلا سکیں۔

بدیں وجہ حضرت مولانا قدس سرہ کے حالات طفولیت کما حقہ مجھے باوجود کوشش معلوم نہ ہو سکے ہاں مختصراً

"پوت کے پاؤں گہوارے میں معلوم ہوتے ہیں" یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ شانہ نے عالم زمانہ کے مقتدا بننے والے امام کو ابتدا ہی سے عادات حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کے ساتھ سنوارا اور آراستہ فرمایا تھا بچپن ہی میں آپ خداترس و رحمدل عابد خوش خلق متین و سنجیدہ غیور و باحیا صابر و مستقل مزاج حلیم و بردبار مہذب و باادب اور نہایت درجہ سلیم الطبع ثابت ہو چکے تھے۔ آپکو ضد اور اصرار ہٹ دھرمی و شرارت چھچھورپن اور بے تہذیب و غیر تربیت یافتہ بچوں کی عادتوں سے طبعاً نفرت تھی۔ آپ کا چھ سات سال عمر تک نازپروردگی اور لاڈ پیار کا زمانہ ہوا آٹھویں سال یتیمی یعنی سرپرست و مربی کا سایہ سر سے اٹھ جانا جن عادات کو مقتضی ہے اُن خصلتوں کا آپ میں نام بھی نہ تھا۔ آپ نے جسوقت سب سے پہلے استاد میانجی قطب بخش صاحب گنگوہی مرحوم کے سامنے کتاب رکھی ہے تو چند ہی روز میں اُستاد کی زبان سے ذہانت و ذکاوت اور قوت حافظہ و یادداشت کے متعلق تعریفی الفاظ سن لیے۔ میانجی مرحوم چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ننھیال کی طرف سے قریبی رشتہ دار بھی ہوتے تھے اسلئے مہربانی زیادہ فرماتے تھے مگر اسکے ساتھ ہی اُس تشدد سے غافل نہ ہوتے تھے جو اُستادانہ حیثیت سے کرنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ میانجی صاحب مرحوم کی خدانخواستہ بدی نہیں کیجاتی ضمناً و تبعاً اسکے اظہار کی حاجت ہوئی کہ بزرگانہ شفقت و بزرگانہ ملاطفت کی بنا پر بے تکلفی سے اپنے شاگردوں کے منہ سونگھکر معلوم فرماتے کہ کچھ کھاکر آئے ہیں تو دریافت فرماتے کہ کیا کھاکر آیا ہے اور جب شاگرد بتاتا کہ فلاں چیز پکی تھی وہ کھاکر آیا ہوں تو سادگی کے ساتھ فرماتے کہ "واہ میاں خود کھاکر چلے آئے ہمارے لئے لیکر نہ آئے" حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ کے بعد سے یہ معمول ٹھیرالیا تھا کہ جو چیز بھی گھر سے اپنے آپکو ملتی وہ خود نہ کھاتے بلکہ جیب یا دامن میں رکھ لیتے اور مکتب میں آتے ہی اُستاد یعنی میانجی صاحب کی نذر کردیا کرتے تھے۔" اس معمولی قصہ سے اُستاد کی وقعت و عزت اور ایثار و ہمت حرص خدمت و رضا جوئی اساتذہ اور اشارہ پاکر پورے مضمون کے سمجھنے کی فراست و استعداد اور تیسیر عمل کی توفیق و رہبری کے وہ عالی مضامین نکلتے ہیں جنکی بچوں کو تو کیا معنی سمجھدار جوانوں کو بھی پروا نہیں ہوتی اور سب پر طرہ یہ کہ کئی دن تک گھر والوں کو اسکی اطلاع بھی نہ ہوئی کہ صاحبزادے اپنے حصہ اپنے اُستاد کی نذر گزرانتے ہیں مگر چونکہ اس حصہ کے بچانے کو جیب یا دامن کے علاوہ تیسرا ظرف نہیں تھا اسلئے کئی دن کے بعد چکنے کپڑے پاکر متعلقین نے دیکھا اور سبب پوچھا تب قصہ معلوم اور سربستہ راز آشکارا ہوا۔

ایک مرتبہ کسی واقعہ سے سبق حاصل کرلینا اور آئندہ اسکا خیال و لحاظ رکھنا آپکی ابتدا ہی سے عادت ہو گئی تھی آپکی عمر کا چوتھا یا پانچواں سال تھا کہ آپکی والدہ ماجدہ نے آپکو اور آپ کے چچیرے بھائی مولوی عنایت احمد

صاحب کو پینے کے لئے کچھ دودھ بانٹ دیا جس پر حضرت نے بتقاضائے عمر کچھ عجت فرمائی اور زیادتی کے متعلق اصرار کیا
آپ کے بڑے بھائی مولوی عنایت احمد صاحب نے چھوٹے بھائی کی اس عجت و اصرار کو بزرگانہ شفقت کی
نظر سے دیکھا اور اپنا حصہ پینے کے بعد حضرت کا حصہ بھی نوش جان فرما گئے۔ حصہ کا قصہ تو ختم ہو لیا مگر حضرت
مولانا نے اسی عمر میں یہ سبق پا لیا کہ عجت و اصرار و ہٹ یا ضد کرنے کا ثمرہ یا نقصان اور حق کا ضائع
کر دینا ہے چنانچہ پھر مدت العمر کسی چیز پر ضد نہیں کی جو چیز جتنی بھی ملگئی بخوشی لی اور راضی ہو کر قبول فرمالی
بلکہ خود یوں فرمایا بھی کرتے تھے کہ مجھے دودھ کے قصے سے یہ تجربہ حاصل ہو چکا ہے کہ ضد کرنے کا نتیجہ اپنے اصل
حصے سے بھی محروم ہو جانا ہے ؎

ایک تقاضائے جوانمردی ہے تاسیج ترک حرص ۔۔۔ عمر بھر میں ہے دم آب الکفت آ تلوار کو

ایام طفولیت میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بخار میں مبتلا ہوئے اور مرض کو اسقدر امتداد ہوا کہ کامل چار سال تک
بخار نے پیچھا نہ چھوڑا۔ ایام مرض اور اثناء معالجہ میں طبیب نے صرف مونگ کو غذا بنا دیا اور تمام اشیاء سے پرہیز کرا رکھا تھا
چنانچہ حضرت نے اس طویل مدت تک مونگ ہی پر اکتفا فرمایا اور متواتر چار سال مونگ کی دال اور مونگ کی روٹی
یا مونگ کی کھچڑی تناول فرمائی نہ کبھی اکتائے نہ گھبرائے نہ شکایت کی نہ روئی نہ بنائی نہ دوسری چیز کی
خواہش کی ورنہ اس ایک قسم کے کھانے سے جی بے چل اٹھتے قصہ تو معمولی ہے مگر حضرت کی استقامت و
پختگی اور زہد و قناعت صبر و تحمل اور علو ہمت و استقلال کے ان بیش قیمت جواہرات کا پتہ لگتا ہے جو حق سبحانہ نے
آپکے اس جسم خاکی میں ودیعت رکھ چھوڑے تھے جسکو ترویج شریعت نبویہ واحیاء سنن مصطفویہ کی شان مخصوص
میں استقامت و پختگی اور صبر و تحمل برت برت کر ثانی الاسلام ہو جانا تھا ورنہ ایک طعام پر گزران کیسا ہی لذیذ
طعام کیوں نہ ہو جوان بلکہ بوڑھے تجربہ کار مردوں کی ہمت سے بھی خارج ہے مسلمانان بنی اسرائیل کا تیہی لذیذ
غذا یعنی من و سلوی پر بھی اکتفا نہ کر سکنا اور آیت مقدسہ واذ قلتم یا موسیٰ لن نصبر علی طعام واحد فادع لنا
ربک یخرج لنا مما تنبت الارض من بقلها وقثائها وفومها وعدسها وبصلها اس مضمون کو اچھی طرح واضح
کر رہی ہے۔ آپکی عمر شریف کو چھٹا یا ساتواں سال تھا کہ آپکو آپکے چچا زاد بھائی جناب عبد اللہ اور محمد حسن صاحبان
کھیلتے کھیلتے اپنے ہمراہ قصبہ انبہٹہ لیکر جا پہنچے۔ چچا زاد بھائیوں کی ہمراہی اور طفولیت میں کھیل کود کی رغبت
نے پانچ چھ میل کی مسافت تو ہنستے ہوئے قطع کرا دی بچپن کی امنگ اور بچولیوں کی معاشرت کے پاؤں کو پتہ بھی
نہ لگنے دیا کہ گنگوہ گیا اور کسوقت انبہٹہ آیا۔ مگر انبہٹہ پہونچکر حضرت مولانا کے انقباض اور شرم غیرت میں ڈوبا

چار سالہ بخار اور پرہیز میں استقامت

ابتدائی طفولیت

ڈوب جانے کی جو کیفیت ہوئی وہ بیان نہیں ہو سکتی۔ حیا کے باعث پیشانی ہی پر پسینہ نہ تھا بلکہ تمام جسم گویا نہایا ہوا
تھا نظریں جھکی ہوئی اور آنکھیں جھپی ہوئی اُس اندرونی حالت کا پتہ دے رہی تھیں جو ضمیر منیر دروں میں چھپا رکھی
تھی آپ متحیر و سرگرداں قدم اُٹھاتے عزیز بھائیوں کے ساتھ چلے جاتے تھے مگر اس فکر میں مستغرق تھے کہ یہ
دونوں صاحب تو اپنی خالہ کے یہاں جا ٹھیریں گے مگر اے طفیلی مہمان تو کس کے گھر ٹھیر کر کس غیرت کے تقاضے سے
روٹی کھائے اور رات گزارے گا" مگر چونکہ وقت ناوقت ہو چکا تھا اسلئے واپس بھی نہ ہو سکتے تھے نہ پائے رفتن
نہ جائے ماندن مجسّم تشویش و پیچ میں گرفتار تھے آخر تنہا رات کو لوٹ جانے کی ہمت نہ پاکر "قہر درویش بجان درویش"
چچا زاد بھائیوں کے ساتھ شب گزاری اور صبح ہی مکان واپس ہو گئے۔ بلا اطلاع گھر سے باہر رات گزارنے کی
وجہ سے گھر والوں کی جس پریشانی میں رات کٹی ہو گی وہ ظاہر ہے آخر دن نکلنے پر ماں کی آنکھوں کی ٹھنڈک نے
جب مراجعت کی اور آپ سے حال پوچھا گیا تو آپ نے بالکل صحیح صحیح قصہ کہہ سنایا اور بیان کر دیا کہ "میں تو جاتا
نہ تھا بھائی عبداللہ ضد کر کے ساتھ لے گئے اور مجھے دوسرے گھر روٹی کھلائی۔ بلا تعلق مجھے اجنبی جگہ روٹی
کھاتے جیسی شرم آئی ہے میرا ہی دل خوب جانتا ہے میں نے روٹی کیا کھائی روٹی نے مجھے کھایا"

ساڑھے چھ سال کی آپ کی عمر تھی یعنی ساتواں سال کم و بیش آدھا گزر چکا تھا کہ ایک عجیب قصہ پیش آیا
جس میں استقلال و توکل کی کرامت معنویہ کے ساتھ بچپن کے زمانہ کی کرامت حسیہ اور مقبولیت بارگاہ احدیت کا
پتہ چلتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت ابتدا سے نماز کے شوقین اور اس درجہ پابند تھے کہ کیسے ہی کھیل یا بچپن کے
کسی تفریحی مشغلہ میں کیوں نہ مشغول ہوں نماز کے وقت فوراً ترک کرتے اور مسجد میں اکثر با جماعت نماز پڑھا کرتے
تھے۔ گویا آپ لہو و لعب کے موسم ہی میں یہ مضمون سمجھ چکے تھے کہ ذکر فردا روز اول ہی سے دکھانا چاہئے
پیش و پس رہتا جس شخص نے سچا رہ آخر میں ہوا ۔ آپ قصبہ سے باہر نکلے تھے جنگل کی جانب تشریف
لے گئے شام کا سہانا وقت تھا ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے دل کی بند کلیاں کھلا رہے تھے یہاں تک
کہ عالم کو منور کرنے والے آفتاب نے افق مغرب کے قریب ہو کر حق تعالیٰ کو سجدہ کرنے والے بندوں کے دروازہ
دل پر دستک دی اور کہا کہ چلو مسجد کی جانب لپکو کیونکہ مغرب کا وقت قریب ہے" حضرت مولانا گو طفل شش سالہ
تھے مگر اپنے مولیٰ کی یاد میں گویا شیخ عبادت گزار تھے اسلئے فوراً گھر کی جانب چلے عباسی کے پھولوں کی دو چھڑیاں
ہاتھ میں تھیں اور مسجد کی جانب جلد جلد قدم اُٹھ رہے تھے۔ وہ گھر پہنچے اور ماں سے یہ کہکر کہ "اماں جلدی ان
چھڑیوں کو رکھ لیں نماز پڑھنے جاتا ہوں" جھپٹتے ہوئے مسجد میں آ داخل ہوئے۔ باوجود اس عجلت کے یہاں

جماعت کھڑی ہو چکی تھی، وضو کے لئے پانی لینے کنوئیں پر آئے تو لوٹے تھوڑی پاس نہ تھے اس میں دیر ہوئی غرض گھبرا کر
پانی کھینچنے کے لئے ڈول کنوئیں میں ڈالا، دل نماز میں تھا اور ہاتھ ڈول رسی پر، دھیان شرکت جماعت میں تھا اور
لگا ہوا کنوئیں کی من پر ایک پریشان حالت تھی جس میں ہاتھ پاؤں چھوٹے ہوئے تھے کہ رسی پاؤں میں الجھی اور
حضرت مولانا دھم سے کنوئیں میں گر گئے۔

کنوئیں کی من کے اوپر سے گرے کنوئیں پر گئے بیکار ہیجان کیجئے اور حق تعالیٰ کی محافظت و نگہبانی کو دیکھئے کہ اس
یوسف ثانی کا بال بھی بیکا نہ ہوا کیونکہ آپ کنوئیں میں جس وقت گرے ہیں پانی نے اپنی گود پھیلا کر آپ کو لیا اور آہستہ
سے جھکولا دے کر زینہ کی اس جگہ پر بٹھا دیا جو تہ میں جمی اور سطح پر ابھری ہوئی تھی۔

حضرت کے ماموں محمد شفیع صاحب کا یہ بیان ہے کہ چونکہ ڈول رسی آپ کے ساتھ ہی کنوئیں میں گئی
تھی اس لئے قدرت نے ڈول کو الٹا کر کے آپ کو اوپر بٹھا دیا اور آپ آرام سے سطح پر تیرتے رہے جس طرح کسی چھوٹی ڈونگی
کے ملاح کو کہ ڈونگے پر کوئی شخص بیٹھ کر پانی کی سیر کرے۔ بہر حال اختلاف روایت ہمارے اصل مطلب کے لئے مضر
نہیں ہے کیونکہ نتیجہ ہر دو صورت میں یہی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے قدرتی حفاظت کے گہوارہ میں آپ کو جگہ دی
اور ظاہری اسباب کے توسط بغیر آپ کے بدن پر مطلق آنچ نہیں آنے دی۔ جس وقت آپ کے گرنے کی آواز اور
دھماکا ہوا ہے مغرب کی ایک رکعت ہو چکی تھی۔ نمازیوں کو دو رکعت کا پورا کرنا دشوار ہو گیا آخر سلام پھیر کر لوگ
کنوئیں کی جانب لپکے اور حضرت کے دادی صاحبہ کے بھائی سید شفیق علی صاحب نے کہا کہ "یہ گرنے والا تو
رشید احمد معلوم ہوتا ہے۔"

نماز کے بعد کنوئیں کی من پر ایک ٹھٹ لگ گئی اور مجمع ہو گیا لیکن سب ایک دوسرے کا منہ تکتے اور پریشان حال بنا
کھڑے کنوئیں کو جھانک رہے تھے کہ اندر سے آواز آئی "گھبراؤ نہیں میں بہت آرام سے بیٹھا ہوں" غرض
پٹڑا ڈال کر آپ کو جس وقت باہر نکالا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ پاؤں کی چھوٹی انگلی میں خفیف سی خراش کے علاوہ
کسی حصۂ بدن پر مطلق چوٹ نہیں آئی۔ اس قصہ سے مقامات و استقلال اور جمعیت سے نہ گھبرانا، اطمینان
سے بیٹھا رہنا جماعت کے ختم ہونے اور نمازیوں کے سلام پھیرنے کا منتظر رہنا۔ کشائش و فرج من اللہ کا انتظار،
دوسروں کو اطمینان دلانا، خدا پر توکل و اعتماد، اور مقدمات عبادت میں تکالیف کا ایسا تحمل کہ کوئی شکایت زبان
پر نہ آنے وغیرہ وغیرہ امور آفتاب نیم روز کی طرح ظاہر ہو رہے ہیں جن کا علیحدہ علیحدہ پایا جانا بھی مستقل خوش قسمتی پر دال
ہے کیا ان میں معنی "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" کے اندر مضمر ہے "پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آنے کا"۔

اس قصہ کے بعد جب حضرت مولانا کے والد جناب مولوی ہدایت احمد صاحب بتقریب رخصت آٹھ ماہ کلکتہ سے تشریف لائے تو مکتب کے سب بچوں کا امتحان لیا جن میں حضرت مولانا بھی شامل تھے چونکہ یہ سارے بچے ایک میانجی کے شاگرد اور نماز کا قاعدہ سیکھتے تھے اس لئے اسی میں امتحان ہوا اتفاق سے اَلتَّحِیَّات خود میانجی صاحب کو غلط یاد تھی اسلئے بچوں میں جب سب بچے بھی سنانی برکاتہ کو بہ تشدید را بَرَکَّاتُہٗ پڑھا مولانا ہدایت احمد صاحب نے اس کی تصحیح فرمائی اور کہا کہ بَرَکَاتُہٗ پڑھو سوائے حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے باقی سارے بچوں نے بر فور انکار کر دیا اور جواب دیا کہ ہم تو وہی پڑھیں گے جو ہمارے استاد نے پڑھایا ہے ہاں حضرت مولانا نے گردن جھکالی اور فرمایا کہ جو صحیح ہے ہمیں وہی ماننا چاہئے کوئی کیوں نہ بتلائے۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کہ الحکمۃ ضالۃ المؤمن اخذہا حیث وجدہا کا صحیح مفہوم حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی گویا سرشت میں داخل اور گھٹی میں پلایا گیا تھا جس کا نتیجہ یعنی اتباع حق اور تمرد و ضد سے انکار آپ کی طبیعت میں عمر بھر ہمیشہ قائم رہا یعنی تمام زیست حق کی تلاش و جستجو رہی اور جو مضمون ہدایت جس وقت اور جس طرح منکشف ہوا اس کو سر پر رکھ لینے میں کبھی عار نہ آئی۔ مولانا ہدایت احمد صاحب کا یہ سفر دنیا کا آخری سفر اور وطن کا پھیرا زندگی کا آخری پھیرا تھا اس ہشت ماہہ رخصت کے چھ ماہ وطن مالوف یعنی قصبہ گنگوہ میں گزار کر جب مولانا روانہ گورکھپور ہوئے تو صرف چند ہفتہ حیات رہ کر عالم آخرت کی جانب راہی ہوئے گویا عارضی و ناپائدار وطن دنیا ہی سے مراجعت فرماتے ہی آخرت کے لئے سفر کی تیاری فرمادی اور رخصت کے ختم ہونے سے قبل قبل پہنچے اور پائدار گھر اور ہمیشہ ہمیشہ کے اخروی وطن کی جانب متوجہ ہوئے اور دار التکلیف کو مسکن بنا کر گورکھپور ہی میں دفن کئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا قدس سرہ کی والدہ ماجدہ بھی نہایت پارسا اور عابدہ زاہدہ ولیہ خدا تھیں باوجود عورت ذات ہونے کے عورتوں جیسی ضعیف الاعتقادی بال اور بچوں پر دین و ایمان کی بربادی کو پاس بھی نہیں آنے دیا عقائد اسلام میں مضبوط ٹونے ٹوٹکوں سے طبعاً متنفر و مخالف دیندار و پرہیزگار عورت تھیں اور کیوں نہ ہوتیں آخر ایسے قطب وقت کی حاملہ و مرضعہ بننے والی تھیں جس سے لاکھوں مخلوق کو ہدایت و ایقان اور دین میں استحکام و مضبوطی کی تعلیم حاصل ہونی مقدر ہو چکی تھی۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اپنی طفولیت کا یہ واقعہ خود بیان کیا تھا کہ میری والدہ مرحومہ بیان فرمایا کرتی تھیں کہ رشید احمد جب تو بچہ تھا تو تجھ کو ایک شخص جن نظر آیا تھا میں نے دیکھا کہ وہ تیری

چارپائی کے پاس آکر کھڑا ہوگیا اور مجھ سے کہا کہ تو فلاں مزار پر عطر کے پھوئے چڑھا ورنہ میں تیرے لڑکے کو مار ڈالونگا" والدہ فرماتی تھیں کہ میں نے اُس سے کہا کہ اچھا مار ڈال میرے سامنے لیٹا تو ہے" گنگوہ میں شاہ داؤد و شاہ صادق صاحب کا مزار ہے وہاں ایک طاق پر الٰہی بخش کے نام کے چڑھاوے چڑھتے اور عطر کے پھوئے چڑھائے جاتے ہیں والدہ فرماتی تھیں کہ جب کبھی الٰہی بخش نظر آتا اور یہ دھمکیاں دیتا اور ڈراوے دکھاتا تھا میں تو اسکو یہی جواب دیتی تھی کہ میں تو ہرگز بھی نہ چڑھاؤنگی اگر تجھ سے مارا جائے تو مار ڈال اس کو یہ اور صاف جواب پر بھی تیرا بال بیکا نہ کرسکا اور مارتا تو مارنا تجھے کبھی ڈرا بھی نہ سکا۔

حضرت مولانا قدس سرہٗ چونکہ بچپن ہی سے با طبع سلیم القلب و رشیدانہ سنت تھے اسلئے کبھی آپنے اپنے مکان میں کوئی تصویر نہیں رہنے دی حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ساڑھے چار برس چھوٹی آپکی صرف بانی خال علاتی بہن امۃ الحق بچپن میں گڑیاں کھیلتی تھیں حضرت قدس سرہٗ جسوقت باہر سے تشریف لاتے تو گڑیوں کو توڑ مروڑ کر پھینک دیا کرتے تھے۔

غرض حضرت مولانا قدس سرہٗ آخر عمر میں جس درجہ پر پہونچنے والے تھے اُسکے آثار ابتدا ہی سے ایسے واضح تھے کہ صاحب فراست شخص اُسی زمانہ میں بخوبی سمجھ سکتا تھا حضرت نے ایک مرتبہ خود ہی اثناء مواعظ حسنہ میں ارشاد فرمایا کہ میں اپنے آپکو کہتا ہوں حق تعالیٰ نے طفولیت ہی میں مجھے وہ یقین عطا فرمایا تھا کہ لڑکوں کے ساتھ کھیلا کرتا اور جمعہ کا وقت آجاتا تو کھیل کو چھوڑ کر چلا آتا اور لڑکوں سے کہدیتا تھا کہ میں نے اپنے ماموں صاحب سے سنا ہے کہ تین جمعہ کا چھوڑنے والا (جہاں جمعہ فرض ہو) منافق لکھا جاتا ہے لوگوں کو کہتا ہوں آخر مسلمان ہیں خدا رسول پر تو یقین ہوہی گا پھر ایسے غافل کیوں ہیں" مجمع میں سے کسی شخص نے کہا کہ حضرت یہ بھی بزرگی فرمایا کہ نہیں دنیادار آدمیوں کا ذکر ہے" اِس مضمون سے اُس قلبی صلاحیت اور نسبت کی استعداد و قابلیت کا اندازہ کیجئے جسپر تقدیری مخلوق سلطنت لٹانا چاہتی ہے اور پھر حاصل ہونیوالی تھی

سات سال کی عمر میں سب سے پہلا صدمہ آپکو اپنے والد ماجد کا اٹھانا پڑا اور چند ہی سال بعد چھوٹے بھائی سعید احمد مرحوم کا آپ نے فکر اور ہاتھ دونوں کی تنگدستی کو مردانہ وار برداشت کیا اور بالکلیہ ماں کی اطاعت میں ہر وقت لگے رہتے اور ہر دادا کو مربی اور سرپرست سمجھا اور عم بزرگوار یعنی مولوی عبد الغنی کو باپ کی جگہ تصور کیا۔ تعلیم میں ہمت صرف کی اور ذاتی شوق سے بازی کے کھیلنے کے بجائے ڈانٹے ڈپٹے تہذیب نفس اور اصلاح حال میں مشغول رہتے +

تربیت وتکمیل شریعت

حضرت مولانا قدس سرہ کے والد ماجد جناب مولانا ہدایت احمد صاحب مرحوم کا جسوقت گورکھپور میں انتقال ہوا اسوقت حضرتؒ کی عمر چند ماہ اوپر سات برس کی تھی۔ باپ کا سایۂ عاطفت وظل تربیت سر سے اٹھنے کے بعد آپ کے دادا جناب قاضی پیر بخش صاحب نے آپکی پرداخت کی۔ آپکے چار حقیقی ماموں تھے جن میں سب سے بڑے جناب مولانا محمد نقی صاحب جو حضرت کے خسر بھی ہیں اور منجھلے مولوی محمد تقی صاحب اور سنجھلے جناب مولوی عبد الغنی صاحب یعنی مولوی ابو النصر صاحب کے والد اور سب سے چھوٹے مولوی محمد شفیع صاحب جو حضرتؒ سے آٹھ سال بڑے ہیں۔ ان چاروں ماموؤں میں مولوی عبد الغنی صاحب کو اپنے یتیم بھانجہ کے ساتھ بہت ہی محبت تھی گویا یوں سمجھئے کہ مولوی عبد الغنی صاحب کے نزدیک مولوی ابو النصر اور مولانا رشید احمد صاحب میں کوئی فرق نہ تھا۔ اسی تعلق یگانگت نے مولانا مولوی ابو النصر صاحب کے تعلق کو حضرت قدس سرہ کے ساتھ کئی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا کیونکہ ان کے والد نے جو حضرت کے باپ کے قائم مقام تھے اپنے شکستہ دل یتیم بھانجہ کی خاطر عاطر پر کبھی میل نہیں آنے دیا۔ مولوی ابو النصر صاحب جنکو ماموں زاد بھائی ہونے کے علاوہ حضرت کی اہلیہ یعنی حکیم مسعود احمد صاحب کی والدہ مرحومہ کے دودھ شریک بھائی ہونے کا رشتہ بھی تھا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بہت زیادہ اتحاد تھا۔ گو عمر میں مولوی ابو النصر صاحب حضرتؒ سے صرف دو سال چھوٹے ہیں مگر ہر وقت کے انیس وجلیس اور بچپن کے کھیل کود میں رفیق وشفیق یار غار رہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ حضرتؒ بچپن کے زمانہ میں بھی اسی کھیل کے شوقین تھے جس میں شجاعت ومردانگی پائی جائے لہو ولعب سے طبعاً متنفر تھے۔ محمد ابراہیم صاحب مرحوم جو اس زمانہ طفولیت میں حضرتؒ کے یار تھے فرمایا کرتے تھے کہ "میاں مولانا رشید احمد اب جو کچھ ہیں اسکے لئے تو چشم بصیرت درکار ہے ابتدا عمر میں بھی انکی یہ کیفیت تھی کہ جو کلام کرتے وہ متانت وسنجیدگی کے ساتھ کرتے تھے اور مجھے کبھی یاد نہیں پڑتا کہ مولوی صاحب کسی کھیل یا تماشہ میں شریک ہوئے ہوں اور اگر ہمجولیوں کے اصرار سے کبھی ساتھ بھی ہو لئے تو ایک طرف بیٹھ جاتے اور یوں کہدیا کرتے تھے کہ بھئی تم سب کھیلو میں تمہارے کپڑوں کی حفاظت کرونگا" علاوہ ازیں ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ بچوں کی طرح کبھی کھیل کھلا کر ہنستے ہوں یا قہقہہ مارا ہو اگرچہ مولوی صاحب ہمارے ہم سن تھے مگر ہم سب اہل جلسہ پر انکا رعب تھا جیسا کسی حاکم کا اپنے ماتحتوں پر ہوتا ہے یہانتک کہ اگر ہم کبھی کسی واہیات یا بیہودہ کھیل میں

مصروف ہوتے اور مولانا آجاتے تھے تو سارے جلسہ کو وہ شغل چھوڑ کر مؤدب ہو بیٹھنا پڑتا تھا۔"

آپ بچپن میں بھی نہایت خوش الحان تھے مگر واہیات اشعار کے پڑھنے یا بچوں کی طرح گلی کوچوں میں گاتے پھرنے کے کبھی روادار نہیں ہوئے آپکی خوش الحانی کی وجہ سے آپ کے رفقاء و احباب کی آپ سے فرمائشیں ہوا کرتی تھیں کہ کچھ پڑھکر سُناؤ مگر آپ اکثر گریز فرماتے تھے ہاں جب اصرار زیادہ ہوتا تو کوئی نظم حضور اقدس ﷺ کی نعت یا قصہ ابراہیم بن ادہم خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے اور جلسہ کو محظوظ فرمایا کرتے تھے۔ آپکے ان اشعار پڑھنے سے اہل جلسہ کی حالت غیر ہو جاتی اور رقت طاری ہو کر بچوں اور گریہ کے غلبہ سے مدہوش و بیتاب بن جاتے تھے۔

اس نو عمری ہی کے زمانہ میں حضرت قدس سرہ نے فارسی کرنال میں اپنے منجھلے ماموں مولوی محمد تقی صاحب مرحوم سے پڑھی جو فارسی میں مسلم الثبوت اُستاد تھے پس مولوی محمد تقی صاحب ماموں ہونے کے علاوہ چونکہ اُستاد بھی تھے اسلئے حضرت انکا بہت ہی لحاظ و ادب ملحوظ رکھتے تھے ادھر مولانا محمد تقی صاحب آپکی ذہانت و ذکاوت کی تعریف اور فطانت و فہم کی توصیف میں رطب اللسان رہتے تھے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے فارسی کا کچھ حصہ مولوی محمد غوث صاحب سے بھی پڑھا ہے۔

علم فارسی سے فارغ ہونے کے بعد آپکو عربی کا شوق ہوا اور آپ نے ابتدائی صرف و نحو کی کتابیں جناب مولوی محمد بخش صاحب رامپوری سے پڑھیں۔

(ابتدائی تعلیم عربی)

رامپور چونکہ حضرت قدس سرہٗ کی دادھیال اور آپ کے دادا قاضی پیر بخش صاحب کا اصل مسکن تھا اسلئے روحانی تربیت کا سلسلہ اُدھر منتقل ہوا۔ مولوی محمد بخش صاحب رامپوری حضرت کے نہایت ہی شفیق اُستاد تھے حضرت کو حزب البحر کی اجازت اقرب طرق سے یقیناً اور دلائل الخیرات کی غالباً ان ہی مولوی محمد بخش صاحب سے ملی ہے۔ ابتدائی کتب نحو و صرف پڑھانے کے بعد مولوی محمد بخش صاحب نے حضرت کو ترغیب دی کہ علم عربی کا کمال اور دینیات کی تحصیل کے لئے چونکہ وطن سے ہجرت ضروری ہے اسلئے بسم اللہ کر کے دہلی چلئے اور وہاں درسیات پوری کیجئے یہ قصہ ۱۲۶۱ھ ہجری کا ہے جبکہ حضرت کو دنیا میں تشریف لائے سترھواں سال تھا اسوقت آپ ہدایۃ النحو پڑھتے تھے چنانچہ آپ نے دہلی کا سفر کیا اور مولوی قاضی احمد الدین صاحب پنجابی جہلمی سے سبق شروع کیا۔ ہندوستان کا دارالخلافت شہر دہلی اس زمانہ میں معدن علم و کمال تھا حجۃ اللہ البالغہ حضرت شیخ الشیوخ شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے لگائے ہوئے شاداب باغ اور درخت اپنی بہار پر تھے حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کے سچے جانشین

اور نواسے یعنی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور مولوی محمد اسحٰق صاحب مرجع خلائق بنے ہوئے تھے کہ یکایک دونوں حضرات نے ۱۲۵۸ھ ہجری میں ہجرت کا عزم فرمایا اور غالباً ماہ ذی قعدہ میں روانہ ہو گئے دہلی میں اندھیرا چھا گیا اور آپ صاحبوں کے ساتھ ایک بہت بڑا قافلہ عرب کو روانہ ہوا۔

اب اس دہلوی خانقاہ کی یادگار میں شاہ عبدالغنی صاحب و شاہ احمد سعید صاحب کے علاوہ صرف ایک شخص یعنی جناب مولانا مملوک العلی صاحب کا دم رہ گیا جو اجمیری دروازہ عربک ہائی اسکول کے مدرس اول تھے۔ مولانا مملوک العلی صاحب کو ان مہاجرین کا ساتھ چھوڑنا نہایت شاق تھا چنانچہ خفیہ تدبیر اور کوشش سے ایک سال کی رخصت حاصل کی گو رعیت نہ ہو سکی آخر جب ۱۲۵۹ھ ہجری میں وطن سے روانہ ہوئے اور یکم ذی الحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے زیارت حرمین شریفین سے فارغ ہو کر برس دن میں پھر دہلی پہنچے اس وقت یہ سفر جلد طے ہونے میں عجیب سمجھا گیا۔ مولانا شاہ مملوک العلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ رخصت یکسالہ بوضع نصف تنخواہ حاصل ہوئی اور تازیست اسی مدرسہ میں درس دیا۔

مولانا مملوک العلی صاحب کی حجاز سے واپسی ایسے تنگ وقت پر ہوئی کہ رخصت کے دن پورے ہو چکے تھے اسلئے وطن نہ آسکے سیدھے دہلی پہنچے جب سالانہ چھٹی ماہ ذی الحجہ میں ہوئی تو وطن یعنی نانوتہ ضلع سہارنپور میں تشریف لائے اور ایام تعطیل ختم ہونے کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو پڑھانے کے لئے اپنے ہمراہ دہلی لے گئے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے مشہور استاذ یہی استاد الکل حضرت مولانا مملوک العلی صاحب ہیں جنکی خدمت میں ہر دو شمس و قمر کو ایک زمانہ میں مدت تک حاضر رہنے اور گلستان علم کی خوشہ چینی کا اتفاق رہا۔ حضرت مولانا قاسم العلوم تو ۱۲۶۰ھ ہجری ہی میں استاد الکل رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ دہلی آ گئے تھے مگر حضرت امام ربانی قدس سرہ کو ۱۲۶۱ھ ہجری میں دہلی پہنچنے کا اتفاق پیش آیا۔ آپ اول ادھر ادھر چند علماء کے درس میں جاتے اور طبیعت کا اطمینان فرماتے رہے کہ کہاں تسکین بخش جواب ملتے ہیں اور کس جگہ دل کو تسلی و اطمینان حاصل ہوتا ہے مگر چونکہ قدرت کو یکجان دو قالب بزرگوں کو عمر بھر کا زندگی میں اور نیز تا ابد زمانہ کا آخرت میں رفیق بنانا منظور تھا اسلئے کہیں آپ کا دل نہ لگا کسی استاد کی تقریر میں اختصار مخل پایا اور کہیں تطویل ممل۔ کسی جگہ شبہات کے جوابات کافی نہ تھے اور کہیں اپنا ہی دل نہ لگا اور خود بخود طبیعت اُچاٹ ہوئی آخر اسی ردو بدل اور دیکھ بھال میں پھر مولانا مملوک العلی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا اور آپ سبق میں شریک ہوئے۔ یہاں پہنچنا تھا کہ دل لگ گیا اسلئے کہ آپکی تیز طبیعت اور خداداد

سمجھ جس درجہ کے تھے پس اُستاد کی تمنی تھی وہ آپ کے ہاتھ لگ گئے۔ قابل اُستاد کا قاعدہ ہے کہ ذکی طالبعلم ڈھونڈھتا ہے اور ہمہ دار طالبعلم کا دستور ہے کہ قابل اُستاد کی ٹوہ لگاتا ہے اسلئے ہر دو جانب سے دلی راحت کے سامان پیدا ہو گئے اور مولانا محمد قاسم صاحب و مولانا رشید احمد صاحب رضی اللہ عنہما چند روز کے بعد ایسے ہم سبق بنے کہ آخرت میں بھی ساتھ نہ چھوڑا۔

اُس زمانہ کے دیکھنے والے متفق اللسان اس بات کے قائل ہیں کہ حق تعالیٰ نے فلک علم کے نیرین کو وہ ذکاوت عطا فرمائی تھی کہ میر زاہد۔ قاضی۔ صدرا۔ شمس بازغہ ایسا پڑھا کرتے تھے جیسے حافظ منزل سناتا ہے جہیں کوئی لفظ دریافت کرنا ہوتا تو دریافت کر لیتے تھے باقی ترجمہ تک بھی نہیں کرتے تھے۔ مولانا کے دوسرے شاگردوں کو یوں خیال ہوتا تھا کہ کچھ سمجھتے سمجھاتے نہیں یوں ہی ورق گردانی کرتے اور کتابوں کے ختم کر لینے کا نام چاہتے ہیں چنانچہ کسی نے حضرت مولانا سے کہہ بھی دیا مگر مولانا مملوک العلی صاحب نے یہ جواب دیا کہ "میاں میرے سامنے طالب علم بے سمجھے چل نہیں سکتا" اور واقعی اُستاد الکل حضرت مولانا مرحوم کے سامنے بے سمجھے طالب علم کا چلنا مشکل بھی تھا کیونکہ مولانا طرزِ عبارت سے سمجھ لیتے تھے کہ اسے مطلب سمجھا ہوا ہے یا نہیں ؟

حضرت قدس سرہ اپنے ہم عمروں اور ہم سبقوں میں ہمیشہ سب سے زیادہ ممتاز اور سر برآوردہ رہے آپکی ذہانت و صلاحیت خداداد کے باعث ہر اُستاد کی آپ پر نظر عنایت و شفقت رہی یہانتک کہ اگر کبھی کسی عذر کے باعث آپ درس میں تشریف نہ لاتے تو شفیق اُستاد قیامگاہ پر جاتے اور بیمار ہوتے تو عیادت فرمایا کرتے تھے۔ غرض چند سال دہلی میں رہکر آپ نے سب علوم درسیہ کی تکمیل کر چہ اکثر کی دہلی میں علوم عقلیہ کے اندر آپکے دوسرے اُستاد جناب مفتی صدر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ البتہ حدیث آپنے قدوۃ العلماء زبدۃ الفضلاء حضرت مولانا المولوی شاہ عبد الغنی صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ العزیز سے پڑھی۔ شاہ صاحب بڑے پایہ کے شخص تھے علم ظاہری و باطنی میں شہرۂ آفاق۔ علماء و صلحاء میں زبدۂ خلاصہ مشہور فقیہ اور معروف محدث تھے۔ صحاح میں ابن ماجہ کا حاشیہ بنام انجاح الحاجہ شاہ صاحب ممدوح ہی کا ہے آپ نے وصال سے چند سال قبل غدر کے قضیہ میں ہندوستان سے ہجرت فرما کر مدینۃ العزاز کو جا کے قیام بنایا اور اکثر حرم اطہر میں مستغرق و مراقب رہتے تھے تاد نیا خالف و ترسان روضۂ اطہر سے کچھ فاصلہ پر بیٹھتے اور زائرین کے شور غل مچاتے تو یکدم کانپ اُٹھتے اور نہایت آہستہ آواز میں یوں فرمایا کرتے " صاحبو شور نہ کرو دیکھو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں "مدینۃ الغراء" میں آپ درس بھی دیتے اور حدیث پڑھاتے تھے حجازی
علماء اور اطراف عالم کے محدثین نے آپکے علمی پایہ اور فن حدیث کے تبحر و علو مرتبت کو مان لیا تھا آخر ہو اور سول میں
بتاریخ ۶ - محرم الحرام ۱۲۹۶ عمر ساٹھ سال انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں قبہ عثمانی کے متصل مدفون ہوئے رحمۃ اللہ علیہ

شاہ عبد الغنی صاحب قدس سرہٗ سلسلہ طریقت میں اپنے جد بزرگوار مجدد الف ثانی حضرت سید احمد
سرہندی قدس سرہ کے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کے متمسک اور اپنے والد ماجد حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہ سے
مرید تھے۔ آپکا سلسلۂ نسب وراثت و سلوک و اخذ طریقت آٹھویں پشت پر حضرت مجدد الف ثانی سے ملتا ہے
شیخ عبد الغنی بن ابی سعید بن صفی القدر بن عزیز القدر بن محمد عیسیٰ بن سیف الدین بن محمد معصوم بن احمد العمری
السرہندی قدس اللہ اسرارہم اور یہ سلسلۂ نسب مختصر حضرت امام الطریقۃ المجددیہ رحمۃ اللہ علیہ کا یوں ہے شیخ احمد بن عبد الاحد
بن زین العابدین بن الشیخ عبد الحی بن الشیخ محمد ۔ الی ناصر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پس شاہ
صاحب کو اس نجابت و شرافت نسبی پر کہ عمری فاروقی ہیں جو کچھ بھی ابناء زمان پر شرف حاصل تھا وہ ظاہر ہے ۔

حدیث بھی آپنے زیادہ تر اپنے والد ماجد روحانی مربی پیر طریقت شیخ وقت حضرت ابو سعید دہلوی قدس سرہ سے
پڑھی ہے آپکی اسناد متعدد طرق سے بالتفصیل یانع الجنی میں درج ہے مختصراً عرض کرتا ہوں ۔ موطا امام مالک
صحیح مسلم ۔ ابو داؤد ۔ ترمذی ۔ نسائی ۔ ابن ماجہ بالاستیعاب والد ماجد سے پڑھی اور بخاری شریف قرأۃً و سماعاً شاہ
اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شاہ اسحاق صاحب اور آپ کے والد شاہ ابو سعید صاحب دونوں
شاگرد ہیں شاہ عبد العزیز بن الشاہ ولی اللہ بن الشاہ عبد الرحیم العمری قدس اللہ اسرارہم کے ہر دو سلسلہ سے
آپکی اسناد حدیث تیسری پشت پر حجۃ اللہ البالغہ پر جا ملتی ہے۔

مشکوٰۃ آپ نے شاہ رفیع الدین صاحب بن الشاہ ولی اللہ کے صاحبزادہ حضرت مخصوص اللہ
رحمۃ اللہ علیہ کو پڑھکر سنائی تھی ۔ مدینۃ الغراء میں آپنے بخاری شریف کا کچھ حصہ تبرکاً الشیخ الحافظ الحاج
محمد عابد الانصاری السندی ثم المدنی کو پڑھکر سنایا اور حافظ صاحب نے جملہ صحاح کی اجازت آپکو عطا فرمائی اور
اپنے ہاتھ سے سند لکھکر دی تھی ۔ مقدس مدینۃ الرسول ہی میں شیخ اسمٰعیل بن ادریس الرومی نے آپکو اپنی طرف
سے روایت احادیث صحاح کی اجازت کلیہ عطا کی ۔ پس معلوم ہوا کہ علم حدیث میں آپکے اساتذہ و مشائخ
پانچ حضرات ہیں یعنی آپکے والد حضرت ابو سعید شاہ عبد العزیز کے نواسے شاہ محمد اسحٰق شاہ رفیع الدین
صاحب کے صاحبزادہ شاہ مخصوص اللہ ۔ انصاری النسل مہاجر حافظ محمد عابد اور پانچویں شیخ اسمٰعیل بن ادریس

رومی رحمہ اللہ جو مدینہ کے باشندہ تھے اپنے زمانہ کے علامہ تھے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

اسی سلسلہ اسناد میں حضرت امام ربانی کا وہ سلسلہ ڈال دیا جائے اور شاہ ولی اللہ فاروقی قدس سرہ کی اسناد والی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جو مشہور و معروف اور ہندوستان کے ہر مولوی کو معلوم ہے شامل کر لیجئے تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کے تلامذہ کی اسناد حدیث مکمل ہو جائیگی۔

شاہ صاحب کے درس میں بھی ذکاوت طبع کے اعتبار سے دونوں نونہال چمنستان دین خلاصہ جماعت تھے۔ یہ بات مشہور ہے کہ شاہ صاحب کو اپنے شاگردوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا نانوتوی کے ساتھ تھی اور مریدوں میں مورد عنایات خاصہ حضرت مولانا المولوی شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندی مہتمم مدرسہ عالیہ اسلامیہ تھے رحمۃ اللہ علیہم۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا قدس سرہ سخت عارضہ میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ دو تین روز سبق میں بھی نہ جا سکے شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ خبر پا کر عیادت کو تشریف لائے اور آپ کی تکلیف دیکھ کر رونے لگے۔ اس قصہ سے اساتذہ کی اس مہربانی و محبت کا اندازہ ہو سکتا ہے جو ان کو حضرت مولانا کے ساتھ زمانہ طالب علمی میں تھی۔ یہ طالب علمی کا سارا زمانہ گنگوہی و نانوتوی آفتاب و ماہتاب کا قریب قریب یکجا اور ایک جیسی کے ساتھ گزرا کبھی کسی مسئلہ میں دونوں حضرات کی باہم بحث بھی ہو جاتی اور گھنٹوں تک رہا کرتی تھی۔ ان دونوں مشہور طالب العلموں کا مباحثہ کچھ ایسا ہوتا تھا جسکو دلچسپی کی نظر سے نہ دیکھا جاتا اساتذہ بھی شوق اور تعجب سے اس بحث کو سنتے اور سراپا گوش ہو کر اس جانب متوجہ ہو جاتے تھے کبھی لوگوں کے وقت تنگ ہو جاتے اور خاص و عام کا مجمع ہو جایا کرتا تھا۔ جانبین سے وہ وہ نکتہ سنجیاں اور باریک بینیاں ہوتی تھیں کہ باید و شاید ایک بار ایک استاد نے دونوں کی گفتگو سنکر یوں فیصلہ فرمایا کہ قاسم ذہین آدمی ہے اپنی ذہانت سے قابو میں نہیں آتا ورنہ اس مسئلہ میں رشید احمد حق پر ہے۔

حضرت مولانا قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ابتداءً ہم دہلی میں دوسرے اساتذہ سے پڑھتے تھے لیکن تسکین نہیں ہوتی تھی کیونکہ سبق تھوڑا ہوتا تھا اور شبہات کا جواب نہ ملتا تھا مگر جب مولانا مملوک العلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے تو اطمینان ہو گیا اور بہت تھوڑے عرصہ میں کتابیں ختم کر لیں گویا استاد نے گھول کر پلا دیا فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں اچھے اچھے استاد دہلی میں موجود تھے مگر ہم استاد کے مطلب پوری طرح اُن کے قابو میں تھا اور القاء عجلت سے تقریر کر کے شاگرد کے ذہن نشین کر دیں

ایک ہمارے اُستاد مولانا مملوک العلی صاحب اور دوسرے ہمارے اُستاد مفتی صدر الدین صاحب تھے رحمۃ اللہ علیہما۔

حضرت مولانا قدس سرہ کو حضرت شاہ احمد سعید صاحب قدس سرہ سے بھی تلمذ کا شرف حاصل تھا چنانچہ حضرت اکثر دہلی کے قصے بیان فرماتے اور بارہا متعدد تذکروں سے حاضرین جلسہ کو محظوظ فرمایا کرتے تھے ایک مرتبہ مولوی ولایت علی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت شاہ احمد سعید صاحب نے مائۃ مسائل مولانا اسحٰق صاحب کا رد لکھا ہے اور وہ چھپ گیا ہے اس پر حضرت نے فرمایا کہ شاہ صاحب سے تو بعید معلوم ہوتا ہے کہ وہ جواب لکھیں ہاں ممکن ہے کہ مائۃ مسائل کے دو چار مسئلوں سے انکو خلاف ہو مگر یہ کہ سب سے خلاف ہو اور رد لکھیں سمجھ میں نہیں آتا انکو حلقہ وغیرہ سے کب فرصت تھی اسی لیے سبق بھی اُن کے یہاں کم ہوتے تھے۔ استغراق کا یہ حال تھا کہ ایک شخص ماشاءاللہ خاں نامی بوڑھا آدمی ہمیشہ سے اُن کے ساتھ رہا اور اُنکی مجلس میں حاضر ہوا کرتا تھا مگر داڑھی منڈی رکھتا تھا کسی شخص نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ ماشاءاللہ خاں داڑھی منڈواتا ہے اور برابر آپکی مجلس میں آیا کرتا ہے شاہ صاحب نے تعجب سے فرمایا کہ "اچھا وہ ایسا کرتے ہیں اب آئیں گے تو منع کرونگا" تھوڑی دیر کے بعد خانصاحب جو حاضر ہوئے تو شاہ صاحب نے اُن سے پوچھا کہ کیا خانصاحب تم داڑھی منڈاتے ہو؟ خانصاحب نے جواب دیا کہ حضرت میری داڑھی ابھی نکلی کہاں ہے؟ شاہ صاحب کو خود ابتسم آگیا اور فرمایا ہاں سچ ہے اور شکایت کرنے والوں سے کہا کہ یہاں ابھی اسکے داڑھی نکلی ہی کہاں ہے" ایک مرتبہ کسی بدعتی نے شاہ صاحب سے جا کر کہا کہ ان وہابیوں نے تو سخت فتنہ مچا رکھا ہے ذرا بیٹھیے دیکھیے ہم ان لوگوں کو بلا کر حضور کے سامنے مناظرہ کراتے ہیں آپ خود سن لینگے کہ یہ لوگ کیسی کیسی واہیات باتیں کرتے ہیں اسکے بعد وہ شخص شاہ احمد سعید صاحب اور چند دیگر علماء مخالف وہابیوں کے پاس آیا اور وقت مقررہ پر قلعہ میں پہنچنے کو کہہ گیا شاہ صاحب نے بھی چلنے کا وعدہ کر لیا اور اس قصہ کی آپکے چھوٹے بھائی حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کو کچھ خبر نہیں بالغرض جب شاہ احمد سعید صاحب نے سواری منگوائی آئی تو اسوقت شاہ عبدالغنی صاحب نے فرمایا کہ حضرت آپ کیا قلعہ میں تشریف لیجاتے ہیں؟ قلعہ میں تو آج تک اس خانقاہ سے کوئی صاحب نہیں تشریف لے گئے بلکہ خود سلاطین حاضر ہوتے رہے ہیں" حضرت احمد سعید صاحب نے فرمایا اچھا نہ جاؤنگا اور سواری واپس کر دی۔

اُس زمانہ میں دہلی کے اندر وہابیوں کے بڑے جھگڑے پڑے تھے ان ہی دنوں جناب مفتی صدر الدین صاحب مرحوم ایک مضمون جواز قیام کا لکھکر شاہ احمد سعید صاحب کی خدمت میں لائے اور پڑھکر سنایا

شاہ صاحب نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے اتفاق سے جلسہ میں شاہ عبد الغنی صاحب بھی موجود تھے مفتی صاحب
انکی طرف بھی مخاطب ہوئے گویا ان سے بھی داد لینا چاہتے تھے تب شاہ عبد الغنی صاحب نے فرمایا کہ ان باتوں کو
کون منع کرتا ہے کہ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر نہیں جائز۔ انکار تو اس پر ہے کہ اگر قیام سے تعظیم مقصود
ہے تو پھر اسکی کیا وجہ کہ فقط ذکر ولادت شریف کے وقت قیام ہو اور وقت نہو بلکہ ذکر ولادت شریف بھی اگر مجلس
مولود کے علاوہ دوسری جگہ ہو تو کوئی کھڑا نہو آپ ان باتوں کی دلیل لکھیں جنکا انکار ہے" اس تقریر پر بھی شاہ
احمد سعید صاحب نے یہی فرمایا کہ ہاں ٹھیک تو کہتے ہیں آخر مفتی صاحب ہکا بکا رہ گئے اور اپنی تحریر لیکر چلے گئے
اسکے بعد حضرت مولانا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں دونوں صاحبوں شاہ احمد سعید صاحب اور مفتی صاحب کا
شاگرد ہوں مفتی صاحب نے اس تحریر کو ایسا بند کر کے رکھا کہ پھر کبھی نہیں ظاہر کیا۔

اساتذہ کی حضرت مولانا قدس سرہٗ پر جس درجہ عنایات اور شفقتیں تھیں اُسکے ظاہر کرنیکو ایک قصہ نقل کرتا ہوں
غدر کے بعد حضرتؒ کو دہلی تشریف لانے کا اتفاق ہوا تو مفتی صدر الدین صاحبؒ سے ملنے تشریف لیگئے
مفتی صاحب نہایت ہی شفقت و محبت سے ملے اور سب حالات پوچھنے لگے چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ
کو پوچھا کہ میاں قاسم کیا کرتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا کہ مطبع میں تصحیح کرتے ہیں آٹھ یا دس روپے تنخواہ ہے
تو مفتی صاحب بڑی نہایت تعجب کے ساتھ ران پر ہاتھ مار کر فرمانے لگے کہ "قاسم ایسا ستا قاسم
ایسا سستا" پھر فرمایا کہ "فقیر ہو گئے فقیر ہو گئے" ان باتوں کے بعد نہایت محبت سے فرمانے لگے
کہ "میاں رشید یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اور تم کھانا ایک جگہ کھا ویں" حضرت مولانا نے مناسب طرز پر
جواب دیا اور آخر مفتی صاحب کے اصرار سے کھانا وہیں تناول فرمایا۔ مفتی صاحب فرمانے لگے کہ "میاں
رشید تم ہی اچھے ہو کہ تارک دنیا ہو گئے ہماری نوکری جائز نہیں تھی اور ہم خوب سمجھتے تھے کہ جائز نہیں مگر
بزور علم اُس کو جائز کرتے تھے"

ایک مرتبہ مولانا عبد الرحیم صاحب نے حضرت شاہ احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدہ کی بابت
دریافت کیا تو وہی سابق قصہ مفتی صاحب کا بیان فرمایا اور یہ بھی کہا کہ ایک بار شاہ صاحب نے مولود کیا تھا پیچھے
میں بھی اُس میں شریک ہو گیا تھا اُسکی حقیقت یہ تھی کہ مسجد میں جو بوریہ پر بیٹھے تھے جو ہمیشہ بچھا رہتا تھا نہ
فرش تھا نہ مٹھائی نہ خوشبو نہ اور تکلفات پھر کوئی کتاب کھولکر کچھ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھا
اور اُٹھ کھڑے ہوئے یہ تو مولود کی حقیقت تھی مگر اس میں بھی شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہیں شریک

ہوئے جنکی نسبت آجکل لوگ کہتے ہیں کہ شاہ عبدالغنی صاحب مولود کیا کرتے تھے۔

ایک شخص شاہ احمد سعید صاحب کی خدمت میں حدیث کی اجازت لینے گئے اور اطراف سنانے بیٹھے یہ شخص قاری تھے اور قاریوں کا دستور ہے کہ ہلکی آواز سے پڑھتے ہیں کیونکہ اس میں حروف اچھی طرح ادا ہوتے ہیں اُس وقت ان قاری صاحب کے پاس میں بھی بیٹھا ہوا تھا مگر وہ اسقدر آہستہ آواز سے پڑھتے تھے کہ میری بھی کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا شاہ احمد سعید صاحب تو کیا سنتے ہونگے ادھر یہ صاحب اپنے پڑھنے میں مشغول تھے اُدھر شاہ صاحب بھی کوئی دوسری کتاب کھولکر دیکھنے لگے یہ بھی نہ فرمایا کہ اطراف سنانے آئے ہو اور پڑھتے ایسا ہو کہ خود ہی سنتے ہوگے غرض یہ تو اطراف پڑھکر روانہ ہوگئے اور شاہ صاحب نے کچھ نہ کہا۔

شاہ صاحب کا حکم ایسا تھا کہ ایک مرتبہ آپ سے ایک شخص نے جلالین کی اجازت چاہی اسکے بعد انکو وسوسہ ہوا کہ معلوم شاہ صاحب کو خود بھی اجازت ہے یا نہیں پس رقعہ لکھکر شاہ صاحب سے اس بات کو دریافت کیا شاہ صاحب نے لکھ بھیجا کہ فقیر نے جلالین شاہ اسحق صاحب سے پڑھی ہے اور ان ہی سے اجازت ہے۔

ایک دفعہ نواب قطب الدین خاں صاحب کے پاس شاہ صاحب کا لکھا ہوا کوئی مسئلہ گیا نواب صاحب نے اسکو شاہ صاحب کے پاس لوٹا دیا اور لکھا کہ یہ مسئلہ غلط لکھا گیا ہے میں تو ادب کی وجہ سے اسکو قلمزد کر نہیں سکتا آپ خود ہی اسکو مٹا دیں غرض جب وہ مسئلہ اور رقعہ شاہ صاحب کے یہاں پہنچا تو شاہ صاحب نے بے چون و چرا اسکو چاک کر دیا ان نقلوں کے بعد حضرت مولانا قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ بڑے مقدس لوگ تھے ایسے لوگ کبھی چاہے انہیں بدعتی بکے یا وہابی شاہ احمد سعید صاحب تو کسی کو رنجیدہ کرنا جانتے ہی نہ تھے ہو سکتا ہے کہ کہا ہو اُس سوال کسی نے کچھ لکھکر پیش کیا ہو اور آپ کا نام اُسپر درج کرنے کو کہا ہو اور آپ نے ہاں کر دیا ہو اور پھر تحریر حضرت کے نام سے مشہور کر دی گئی ہو تو تعجب نہیں ہے۔

حضرت قطب العالم قدس سرہ کو اپنے جملہ اساتذہ کے ساتھ ایک خاص انس اور تادب ملحوظ تھا اکثر اپنے اساتذہ کے مناقب اور محاسن بیان فرمایا کرتے اور آنکھوں میں آنسو بھر بھر لایا کرتے تھے۔ شاہ احمد سعید صاحب پر ایک حالت کا غلبہ تھا جس میں شاہ صاحب معذور تھے حسن ظن۔ دلداری۔ مروت اور سب سے زیادہ استغراق و محویت اسدرجہ بڑھی ہوئی تھی کہ مبتدعین کو بھی فی الجملہ کچھ کاربراری کا موقع مل جاتا تھا البتہ شاہ عبدالغنی صاحب کمال درجہ محتاط و ورع متقی اور متین و سنجیدہ غیر مغلوب الحال شیخ تھے اسی وجہ شاہ عبدالغنی صاحب کے ساتھ حضرت مولانا کو بہت ہی زیادہ تعلق تھا اور اتباع و ارادت میں شاہ صاحب ممدوح

ہی کے حرکات و سکنات آپکو زیادہ پسند تھے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ شاہ احمد سعید صاحب کے یہاں جیسا کہ صوفیوں کا حال ہے کچی پکی سب طرح کی باتیں تھیں مگر شاہ عبدالغنی صاحب کا طریقہ نہایت صاف تھا۔ شاہ احمد سعید صاحب کے یہاں ختم تراویح میں کچھ بٹا کرتی تھی سنئے شاہ عبدالغنی صاحب آخر کی دو رکعتوں میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ ایک بار حرام و حلال کا کچھ تذکرہ تھا حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ "شاہ عبدالغنی صاحب حالانکہ بڑے ہی محتاط شخص تھے مگر اسپر بھی یوں فرمایا کرتے تھے کہ بچا نہیں جاتا" حضرت شاہ صاحب کے احتیاط و تقوی کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ مفتی صدرالدین صاحب نے ایک کتاب شاہ صاحب کے یہاں سے منگوائی اور چونکہ اس کتاب کی جلد بوسیدگی کے باعث خراب ہو گئی تھی اسلئے مفتی صاحب نے اسکی نئی جلد بندھوا کر شاہ صاحب کے پاس کتاب کو واپس کیا اور بیجانے والے سے کہدیا کہ شاہ صاحب سے عرض کر دینا کہ موروثی دوکانوں کے کرایہ سے جلد بندی کی اجرت دی گئی ہے تنخواہ میں سے نہیں دی گئی (مفتی صدرالدین صاحب سرکاری ملازم بعہدہ صدر الصدور مامور تھے اور انکی تنخواہ فقہ سے ناجائز ہے) اسوقت تو شاہ عبدالغنی صاحب نے کتاب رکھ لی مگر دوسرے دن جلد توڑ کر علیحدہ کر دی۔ ایک دن حضرت مولانا نے مفتی صدرالدین صاحب کا تذکرہ فرمایا کہ مرض الموت میں جب مفتی صاحب پر فالج گرا تو حسرت انکی اسقدر غالب ہوا کہ برابر رویا کرتے اور جب کوئی شخص عیادت کیلئے پاس جاتا تو فرمایا کرتے تھے کہ "بھائی تمام عمر میری حرام خوری میں گزری گرچہ میں علم کے زور سے لوگوں کو منوادیتا تھا بھلا پھر نجات کی صورت کہاں؟" یہ الفاظ فرماتے اور بے اختیار روتے تھے اگر کوئی شخص تسکین وتشفی کی غرض سے کوئی آیت بشارت سناتا تو فرماتے کہ ہاں یہ میں بھی جانتا ہوں مگر اسکے مقابلہ پر آیات وعید بھی تو بہت ہیں۔"

چونکہ اس مقام پر حضرت کے اساتذہ رحمہم اللہ کی سوانح لکھنی مقصود نہیں صرف سوانح رشیدیہ کا جزو بنانے کے لئے حضرت کے بعض اساتذہ زمانہ دکھانا مطلوب ہے جس سے نظر آجائے گا کہ آپ نے اپنی ذکاوت طبعی و سعادت قلبی کے باعث تمام اساتذہ کو اپنا دلدادہ عاشق بنا لیا تھا اور قدرت نے خود انتخاب فرما کر آپکو ایسے پاک نفوس کی خدمتوں میں پہونچا دیا تھا جنکا علم و ہنر اور فضل و کمال میں کوئی ہمسر نہ تھا ہر ایک جدا جدا اپنے فن میں چیدۂ روزگار اور یگانۂ زمانہ تھا۔ مختصر یہ کہ آپنے کم و بیش چار سال دارالخلافہ دہلی میں دینیات شرعیہ اور درسیات نظامیہ کی تکمیل کی اور مشائخ زمانہ کی خدمت کا شرف حاصل فرمایا معقول کے ہر فن میں پوری

دسترس پاکر لاثانی ہو گئے اور منقول کے ہر علم میں کامل رسوخ حاصل فرما کر بے نظیر عالم بنے۔ چونکہ آپکا صفائے منزل دل اولیا جیسا قلب و حق پر نصب فطری طور پر تحصیل طریقت کا شائق تھا اس لئے آپ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب نقشبندی مجددی قدس سرہ کی طرف زیادہ جھکتے اور بیعت کا بڑا شوق پیدا ہوا چاہتے تھے مگر کاتب ازل نے آپ کا حصہ وافر دوسری جگہ تجویز فرمایا تھا اسلئے آپکو کامیابی نہ ہو سکی اور قدرتی موانع آپکے اس قصد اور انکی کامیابی میں آڑے آئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحاح ستہ کے علاوہ معقولات میں منطق و فلسفہ۔ ادب و عربیت وغیرہ اور منقول میں تفسیر و اصول، فقہ و معانی وغیرہ کی اکثر کتابیں آپ نے مولانا شیخ مملوک العلی صاحب سے پڑھیں اور صحاح ستہ قریب قریب کل حرفاً حرفاً حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا۔ باقی کتابوں میں کافی حصہ آپکو دیگر علماء سے تلمذ رہا انہیں علماء اخیر میں مولانا مفتی صدرالدین صاحب اور قاضی احمد الدین صاحب پنجابی ہیں رحمہم اللہ والطاف ثراہم اجمعین۔

آخر اسوقت جبکہ آپکی عمر شریف تخمیناً اکیس سال کی تھی آپ کا زمانہ طالب علمی ختم ہو گیا اور آپ نے اپنے وطن مالوف کی جانب مراجعت فرمائی۔

دہلی میں یہ زمانہ طالب علمی جتنا بھی آپکو قیام کرنا پڑا اسکی مدت کو دیکھئے کہ بمشکل چار سال ہوتی ہے وہ اور اس میں مع علم و استعداد کو ملاحظہ فرمائیے جسکا مخالفین کو بھی اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں دونوں پر نظر ڈالکر بہت ہی تعجب ہوتا ہے کہ اتنے تھوڑے ایام میں یہ سمندر کیونکر پار کیا گیا۔ اسمیں شک نہیں کہ آپ اعلیٰ درجہ کے ذکی اور مغلق مضمون کے جلد سمجھنے والے طالبعلم تھے اور اسکے ساتھ ہی شوقین اور محنتی اس درجہ کہ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں شاید سات آٹھ گھنٹہ بمشکل سونے کھانے اور دیگر ضروریات شرعیہ و طبعیہ میں خرچ ہوتے ہونگے اور اسکے علاوہ سارا وقت ایسی حالت سے گزرتا تھا کہ کتاب نظر کے سامنے ہے اور خیال مضمون کی تہ میں ڈوبا جاتا ہے۔ مطالعہ میں آپ اس درجہ محو ہوتے تھے کہ پاس رکھا ہوا کھانا کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا تو آپکو خبر نہ ہوتی۔ بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ کتاب دیکھتے دیکھتے آپ سو گئے اور صبح کو معلوم ہوا کہ رات کھانا نہیں کھایا تھا۔ مدرسہ کو آتے جاتے آپ کبھی ادھر ادھر نہ دیکھتے تھے سیدھے پڑھنے جاتے اور نیچی نگاہ کئے ہوئے آتے تھے ایک مرتبہ خود ہی ارشاد فرماتے تھے کہ مدرسہ کے راستہ میں ایک مجذوب بیٹھا رہتا اور آتے جاتے آنکھیں ملا کرتا تھا۔ ہم دور سے سلام تو کر لیتے تھے مگر پاس نہ جاتے تھے بیچارے بہت حسرت کی نظر سے ہمیں دیکھتے اور پاس بلایا کرتے تھے مگر ہمیں اپنے کام سے کہاں فرصت تھی اور یہ بھی ڈر لگتا تھا کہ کہیں مجذوب

ہو جائیں۔ سو پڑھنے کے رہیں نہ کھانے کے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ہمیں دو امرود دیئے جنکے اندر سے ڈنٹھے لے
تو لیئے کہ کھالے تھے انہوں نے کئی مرتبہ کہا بھی کہ کھالے بچے مگر ہم نے اپنے ہاتھوں میں دبا لیئے اور وہاں سے چلدیئے
گھر آکر طاق میں ڈالدیئے اُن میں سے ایک امرود ایک شخص نے کھالیا تھا وہ تو بیچارہ سب ہو گیا دوسرا اون کی
سو کھ کر گیا اسکے بعد ہم نے وہ راستہ ہی چھوڑ دیا گو کہ پھیر پڑتا مگر دوسری گلی سے نکل جاتے تھے۔

ایام طالبعلمی میں آپ نے اپنی خورد و نوش کا دہلی میں کسی پر بار نہ ڈالا تین روپیہ ماہوار آپکے ماموں بھیجا کرتے تھے اُسی میں روٹی سو کبھی روٹی اور دال یا ترکاری وقت پر جو کچھ آسانی سے ملگیا آپنے کھالی اور اسی تین روپیہ میں کپڑے سے دھلائی اصلاح خط یا جو کچھ بھی ضروریات پیش آئیں رفع کیں۔ دہلی میں آکر کوئی کیمیاگر وغیرہ بھی ملے اور انہوں نے آپکی روش اور انداز کو دیکھکر نہایت محبت سے آکر کیمیا کا بنانا سکھانا بھی چاہا مگر آپکی زاہد اور قناعت پسند طبیعت نے خود طمع یا حرص کرنی تو درکنار اسکا سیکھنا بھی گوارا نہ فرمایا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں کئی شخص کیمیا بنانے والے ملے دہلی میں ایک شخص نے بناکر دکھلا بھی دی۔ ایک شخص نے ہمیں ایک نسخہ زیادہ میری ترمذی میں پڑا ہے مگر ہم نے کبھی دھیان بھی نہیں کیا طالبعلمی میں تو کیا بعد میں بھی کبھی وسوسہ آیا کہ لاؤ دیکھوں تو سہی صحیح ہے یا نہیں۔ گنگوہ میں جب اتفاق سے کتابیں میں وہ نسخہ نکل آیا ایک شخص کا نام لیکر فرمایا وہ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے نسخہ کی نقل مانگی انہیں اُس کی ضرورت تھی انکو نقل کرا دیا اور اصل کو اُسی وقت پھاڑ ڈالا اسکے بعد غالباً حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے جنگل اٹھا۔

طالبعلمی کے زمانہ میں جمعہ کے دن اگر وعظ ہوتا تو آپ اسکو سنتے بھی تھے لیکن اگر خلاف شرع یا بیہودہ اثر ڈالنے والا ہوتا تو فوراً گھر سے چلے جاتے اور ہمیشہ کے لیئے اُس واعظ سے متنفر اور وعظ سے خائف و کبیدہ ہو جاتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ آپنے فرمایا کہ طالبعلمی کے زمانہ میں مولوی فضل الرسول دہلی آئے اُن کے وعظ میں ہم بھی گئے وہ بیان کر رہے تھے کہ "لوگ بزرگوں کے نام کے جانوروں کو حرام کہتے ہیں حالانکہ اس فعل سے اُس جانور کی جنس یا فصل کو نسی چیز بدلگئی جسکی وجہ سے اُسکی ماہیت میں فرق آگیا اور حرام ہو گیا۔ اور سو جب لغیر اللہ کے نام سے نامزد ہونے سے حرام ہوتا ہے تو جسکی عبادت کیجائے وہ تو بدرجہ اولیٰ حرام ہونا چاہیے سو اب گنگا کا پانی بھی حرام ہونا چاہیے" حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا کہ ہمیں تو یہ باتیں اور عجیب دلیلیں سنکر اُنکی تقریر سے نفرت ہو گئی اٹھکر چلے آئے اور پھر کبھی اُن کے پاس نہیں گئے ہاں ہمارے ہم سبق ایک قاضی صاحب تھے وہ اُن کے معتقد ہو گئے مگر تھے بیچارے بہت بھولے بے وقوف ایک مرتبہ شاہ عبدالغنی صاحب

درس میں فرمایا کہ لوگ زیارات کے بال غلافوں میں بند کرتے ہیں اور سامنے چھوڑ دیتے ہیں برا کرتے ہیں جس جگہ کے بال کا بحالت اتصال جسد دیکھنا حرام ہے بعد انفصال بھی دیکھنا حرام ہوگا" اسپر قاضی صاحب بولے "مگر بزرگوں کا" انکی بات پر سب لوگ حتی کہ شاہ صاحب بھی ہنس پڑے۔

زمانہ طالبعلمی میں حضرت مولانا اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کے پڑھانے کی طرف بھی شوق ظاہر فرمایا کرتے تھے مگر اُسوقت جبکہ اپنے کام سے فارغ ہو جائیں اور کچھ حرج واقع نہ ہو چنانچہ سب سے پہلی جماعت جسکو حضرت نے دہلی میں سبق شروع کرایا وہ ہے جس میں مُلّا محمود دیوبندی شامل تھے اور ان کے بعد آپکی شاگردی کا فخر آپ کے ماموں زاد بھائی مولوی ابو النصر اور دوسرے ماموں زاد بھائی یعنی حکیم محمود احمد صاحب کے حقیقی ماموں مولوی ابو القاسم صاحب کو حاصل ہوا جو بعد میں بعہدہ انسپکٹری پولیس ریاست مامور ہوئے۔ گنگوہ میں اول التلامذہ جناب سید مومن علی صاحب ہیں ۔

نکاح

ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت قدس سرہٗ کے چار حقیقی ماموں تھے جن میں بڑے ماموں مولانا محمد تقی صاحب کی صاحبزادی سماۃ خدیجہ خاتون سے آپکا رشتہ قرار پایا تھا۔ مولوی محمد تقی صاحب خاندان قادریہ میں شاہ سیف اللہ صاحب نارنولی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت اور مجاز تھے۔ نہایت پابند شرع اور عاشق سنت شیخ تھے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات میں اتباع کرنے کا گویا جنون تھا عادات میں متابعت کا اس درجہ خیال تھا کہ رفتار و گفتار میں بھی نبوی طرز کی ٹوہ لگی رہتی تھی۔ مولوی محمد تقی صاحبؒ کی یہ بات مشہور ہے کہ آپکو جس چیز کے متعلق یہ معلوم ہو گیا کہ فلاں چیز پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس چیز کی طرف رغبت تھی حضرت مولانا بلا تامل اس چیز کا تناول اپنا معمول ٹھیرا لیتے اور چاہے شیرینی کیوں نہ پڑے مگر اسی پر مداومت فرمایا کرتے تھے مولانا ممدوح جھجر کی ریاست میں فوجی ملازم تھے اور آقا کے جان نثار خیر خواہ۔ ایام غدر میں آپ مفسدین کے ساتھ تھے بلکہ اُس جماعت میں تھے جسکے غنیم سے لڑنے کی غرض سے دو حصہ کر دیئے گئے تھے کہ ایک دستہ آج میدان جنگ میں جائے تو کل کو دوسرا۔ آپ بلحاظ تقسیم ایک گروہ میں منقسم ہوئے تھے مگر شوق شہادت اور سرکار کی جان نثاری میں مقتول ہو جانے کی تمنا آپ پر اس درجہ غالب تھی کہ ہر دو گروہ میں شریک ہوتے اور روزانہ میدان جنگ میں پہنچ جاتے

کرتے تھے۔ دل اشتیاقِ وصال میں بیتاب ہوتا تھا اور قلب انتظارِ حصولِ لقاء میں بے چین۔ دن بھر اسی جستجو میں تلوار کے قبضہ پر قبضہ کئے گھوڑے پر سوار بھاگتے دوڑتے باغیوں کو مارتے گزر جاتا اور شام کو بے نیلِ مرام خیمہ گاہ پر واپس آتے تو افسوس کرتے اور بعض وقت رو بھی دیتے تھے کہ ہائے یہ ناکارہ جان منظوریٔ محبوب کے قابل نہیں ہے۔ آخر جس دن جنگ کا خاتمہ اور قصہ نزاع کا آخری فیصلہ تھا اس روز مولانا محمد تقی صاحب نے زرہی لباس پہنا ہتھیار زیب تن کئے اور عجز و ادا سے یہ فرمایا کہ "آہ ایک وہ خوش قسمت بندگانِ خدا ہیں جو اپنے آقا کی نذر ہو رہے ہیں اور میوۂ آخرت کو تناول کر رہے ہیں اور ایک ہم حسرت زدہ ہیں کہ بدن پر ایک زخم بھی نہ آیا" اس کلام کے بعد جب میدان کی طرف رخ کیا اور لڑائی میں چلنے لگے تو اپنے وفادار نوکر کو بلایا جس کا نام بندو تھا (یہ شخص گنگوہ کا رہنے والا اور مولانا کا قدیمی نوکر اور ہمراہی تھا) کہ "میاں بندو اب تو مجھے امید نہیں کہ یہ عزت مجھے حاصل ہوگی مگر شاید میں آج کی لڑائی میں مارا جاؤں پس اگر مرتے مرتے میں کچھ بولوں اور بات کروں تو مجھے غسل دینا اور نعش کو نہلا کر دفن کر دینا اور اگر فوراً میرا دم نکل جائے تو انہیں خون آلودہ کپڑوں میں مجھے دفنا دینا جس میں میرا دم نکلے" یہ آخری وصیت فرما کر مولانا رحمۃ اللہ علیہ روانہ ہوئے۔ بڑے زور سے جنگ کے ہولناک منظر کی طرف لپکے اور وار پر وار شروع کئے۔ چہرہ پر بجائے گھبراہٹ و سراسیمگی کے سکون و طمانیت اور بجائے وحشت و پریشانی کے مسکراہٹ و بشاشت تھی بجلی کی طرح کوندتے اور چھری کے ساتھ ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر نکل جاتے تھے یکے بعد دیگرے دو باغیوں کو قتل کیا اور تیسرے کے چہرہ پر تیر سے کا نشانہ لگایا۔ بندوق کا فیر ہوا اور گولی کا نکلنا تھا کہ خود بھی چل بسے اور سفرِ آخرت کا تہیہ کر دیا۔

بندو کا بیان ہے کہ میاں کی آواز پر جس وقت میں لپکا اور میدانِ جنگ سے اٹھا کر لایا ہوں تو بدن سے خون کے فوارے جاری تھے اور جوش کے ساتھ ابل ابل کر زخم سے بہہ رہا تھا مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ خون تھا یا مشک کیونکہ جیسی خوشبو میں نے اس روز خون میں سونگھی آج تک ایسی خوشبو سونگھنے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا۔ مولانا شہید کا مزار پُرانوار بمقام تھانہ بھون قلعہ پرانی شہری مسجد کے شمالی جانب میلو میں ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی عمر شریف اکیس سال کی تھی کہ آپ کے دادا جو بچپنے سے مرحوم باپ کے بجائے تربیت و سرپرستی فرماتے تھے اور نانا اور دادی جن کا سایۂ عاطفت آپ کے سر پر قائم تھا ماموؤں کو تقاضا ہوا کہ نکاح ہو جائے پس چونکہ خطبہ یعنی منگنی اور نسبت کی تجویز پہلے ہی پختہ ہو چکی تھی اس لئے دہلی سے واپس

آنے پر آپ کے نکاح کی تاریخ مقرر ہوگئی۔

نکاح کے دن جس وقت حضرت مولانا شادی کے سرخ کپڑے پہنا کر گھر میں لائے گئے تو اتفاق سے ایک میراسن آنکھوں سے نابینا مجمع میں موجود تھی جسکا نام چندریا تھا۔ اُس بیچاری نے دنیا کی رسم کے موافق اپنی بھونڈی آواز میں گیت گانے کا ارادہ کیا اور پہلے ہی مصرعہ "گزند والدی مالن بیہا" زبان سے نکالا ہی واہیات فقرہ کو سُننے کی حضرت میں کہاں تاب تھی بے اختیار آپکے اُٹھکے ایک دھول رسید فرمائی۔

میراسن پر دھول کا لگنا تھا کہ اُسکا تو مُنہ بند ہوگیا گویا سانپ سونگھ گیا ہے اور گھر کے چھوٹے بڑے سب دولھا کو بھونک بیٹھنے والی چندریا کی طرف جھک پڑے اور لگے پیسوں کی نچھاور کرنے اور پھر سامنے چندریا پر انگلیوں پر ٹھٹے پڑنے اور چاروں طرف سے خوشامدیں ہونے لگیں کہ خدا کے واسطے تو دولھا کو سیوت جو ہونا تھا سو ہوا اب بدشگونی کا کوئی لفظ زبان سے نہ نکلے۔

مردانہ جلسہ نکاح میں جب تشریف لائے تو قاضی نے خطبہ پڑھا اور پانچہزار سکہ چہرہ شاہی کی مقدار مہر کا تذکرہ ہوا حضرت نے اُس مجمع میں جہاں دولھا بنے بیٹھے تھے صاف انکار فرمادیا اور کہہ دیا کہ میں اسقدر بوجھ کا تحمل نہ ہو سکوں گا۔

حضرت کے خسر جناب مولوی محمد تقی صاحب اتفاق سے وقت نکاح موجود نہ تھے رشتہ داروں کیطرف سے ردوکد ہوئی آخر بڑے بوڑھوں کے اصرار پر آپکو ماننا پڑا اور پانچہزار مہر پر بساعت سعید نکاح ہوگیا۔

نکاح کے بعد متصل ہی حضرت مولانا کی اہلیہ نے جب دلی رضا و رغبت خود معاف فرمادیا اُس وقت آپکے صفائی کیش قلب کو کلی راحت حاصل ہوئی۔ حضرت قدس سرہ کی اہلیہ حکیم صاحب کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کی عمر نکاح کے وقت پندرہ سال کی تھی کیونکہ حضرت سے چھ سال چھوٹی تھیں۔

نکاح کے بعد حضرت مولانا قدس سرہ کو کلام مجید حفظ کرنے کا شوق ہوا اور اس درجہ بڑھا کہ آپنے بلا کسی اُستاد بنائے خود حفظ شروع کردیا اور اُس زمانہ میں جسکو اہل دنیا یوں کہہ دیتے ہیں کہ پڑھنا بالائے طاق رکھدیا جاتا ہے آپ حافظ قرآن ہوگئے۔

حضرت کے جدی مکان میں جس جگہ اس وقت باورچیخانہ اور زینہ ہے (مغرب رویہ) اُسوقت جنوب رویہ ایک کوٹھری تھی جسکے آگے ایک مختصر سا چھپر پڑا ہوا تھا اسی میں تمام دن آپ بیٹھے قرآن شریف پڑھتے رہتے تھے نماز کے وقت کلام مجید پر رومال ڈالکر اٹھ کھڑے ہوتے اور مسجد میں آکر باجماعت نماز

نماز ادا فرماتے تھے اور فارغ ہوتے ہی حجرہ میں بیٹھکر کلام اللہ یاد کرنا شروع کر دیتے تھے آخر اس لازوال دولت سے مالا مال ہوئے اور مبارک ماہ رمضان کی تراویح میں امام جماعت بنکر محراب سنائی ۔

چونکہ خدا طلبی کا شوق ازلی قلب مبارک میں جوش مارتا تھا اسلئے آپکو بیعت ہونے کے لئے شیخ کامل کی تلاش ہوئی اور مقلوب کو نور کی طرف لانے والے پاک خدا نے آپکی رہبری فرمائی۔ اس غیبی نصرت اور خدائی امداد سے آپ نے تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کیجانب رخ کیا اور اُس پامال نعمت سے دامنوں کو بھرپور کیا جسکی طلب میں سلاطین نے دنیا کو تخت و تاج چھوڑنا اور ملک و مال کو خیرباد کہنا آسان معلوم ہوا ہے ۔

سلوک و تحصیل طریقت

بازار عشق و شوق محبت کے جان فروش　　لیکیں کہ چل چلاؤ ہے دُنیائے دُون کا
سیکھیں طریق عشق و لقاء خدائے پاک　　دل بیچکر خریدلیں سودا جنون کا

حضرت امام ربانی مولانا گنگوہی قدس سرہ کو قاسم العلوم زبدۃ الافاضل مولانا المولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ساتھ طالبعلمی کے زمانہ میں چار سال تک مرافقت و معیت اور ہمسبقی و یکجہتی کے سبب اس درجہ تعلق بڑھ گیا تھا کہ فلک علم کے دونوں شمس و قمر گویا جسم و روح یا گل و بو کا علاقہ رکھتے اور یک جان و دو قالب کا مظہر بنے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا قاسم العلوم کو جناب شیخ المشائخ قدوۃ العارفین حضرت حاجی امداد اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ نسب بھی تھا کیونکہ اعلیحضرت کی نانہال قصبہ نانوتہ اور مولانا مرحوم کے خاندان میں تھی حضرت حاجی صاحب کی بہن بھی نانوتہ ہی میں بیاہی تھیں اسلئے حضرت اکثر نانوتہ تشریف لاتے اور مولانا محمد قاسم صاحب و مولانا محمد یعقوب صاحب نونہال حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اعلیحضرت کو ان دونوں نونہالان چمنستان علم و عمل کے ساتھ بچپن ہی سے نہایت شفقت اور نہایت محبت و اخلاص کا برتاؤ تھا۔ کتاب کی جزبندی دونوں حضرات کو اعلیحضرت ہی نے سکھائی تھی جسکے بعد دونوں صاحبوں نے اپنی لکھی کتابوں کی جلدیں خود ہی باندھیں۔ اس تعلق یگانگت اور ازلی ارتباط قلبی کے باعث حضرت مولانا قاسم العلوم نے وطن سے دہلی آتے اور دہلی سے وطن جاتے تھانہ بھون کی حاضری اور اعلیحضرت کی زیارت کا اپنا معمول بنا رکھا تھا اعلیحضرت بھی جب دہلی تشریف لاتے تو حضرت مولانا مملوک العلی

صاحب کے پاس قیام فرماتے اور استاذ الکل کے رشید شاگرد بھی زیارت سے بہرہ یاب ہوتے تھے۔
حضرت مولانا قاسم العلوم اپنے ہم جماعت طلبہ میں اعلیٰحضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات علمیہ و عملیہ کا تذکرہ فرماتے اور خوارق و کرامات کے اظہار و بیان سے آستانہ علیہ کی طرف ترغیب دلایا کرتے تھے خصوصاً امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ سے چونکہ جلوت وخلوت کی شرکت تھی بہت ہی خصوصیت کا ذکر ہوتا بلکہ آپکی کوشش تھی کہ حضرت مولانا بھی اس مقدس بارگاہ پہنچتا ہوں۔

امام ربانی قدس سرہ چونکہ پیدائشی اسلئے ہوئے تھے کہ قطب وقت اور شیخ زمن بنیں اسلئے شروع ہی سے خدا طلبی اور اصلاح نفس یعنی تصوف و سلوک کے حاصل کرنے کا شوق آپ کے قلب میں جاگزیں تھا اور آپ چاہتے تھے کہ کسی صاحب قلب سلیم باطن کا دامن پکڑیں مگر چونکہ آپکی فطری استقامت و استقلال نے آپکو شوق میں اس درجہ مغلوب نہ ہونے دیا تھا کہ طبع کے اطمینان کلی حاصل ہوئے بغیر کسی کے ہاتھ پر رجوع ہوجاتے اس لئے آپ اعلیٰحضرت کے محامد و صفات اور مناقب و فضائل سنکر خاموش ہوجاتے اور قلب کو ٹٹولا کرتے تھے کہ اندرون کس طرف میلان کرتا ہے۔

اعلیٰحضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے پہلی زیارت جو حضرت مولانا کو حاصل ہوئی اسکا تذکرہ خود حضرت امام ربانی نے بارہا فرمایا کہ جب میں اور مولوی محمد قاسم صاحب دہلی میں استاذ رحمہ اللہ سے پڑھتے تھے ہمارا ارادہ مسلم شروع کرنے کا ہوا لیکن مولانا کو فرصت نہ تھی اسلئے انکار فرماتے تھے بالآخر ہم نے عرض کیا کہ حضرت ہفتہ میں دو بار صرف پیر اور جمعرات (یا جمعہ) کو پڑھا دیا کیجئے خیر منظور ہوگیا اور ہفتہ میں دو سبق ہونے لگے تو اس سبق کی ہمیں بڑی قدر تھی ایک روز یہی سبق ہورہا تھا کہ ایک شخص تیلی لنگی کندھے پر ڈالے ہوئے آنکلے اور انکو دیکھکر حضرت مولوی صاحب مع تمام مجمع کے کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ لو بھائی حاجی صاحب آگئے حاجی صاحب تشریف لے گئے اور حضرت مولانا نے مجھے مخاطب ہوکر فرمایا لو بھائی رشید اب سبق پھر ہوگا۔ مجھے سبق کا بہت افسوس ہوا اور میں نے مولوی محمد قاسم صاحب سے کہا کہ "بھئی یہ اچھا حاجی آیا ہمارا سبق ہی گیا" مولوی محمد قاسم صاحب نے کہا ہاں ہاں ایسا مت کہو یہ بزرگ ہیں اور ایسے ویسے نہیں "ہمیں کیا خبر تھی کہ یہی حاجی ہمیں مونڈ لیں گے" اول زیارت یہ تھی جو اس وقت ہوئی تھی اسکے بعد سے حضرت حاجی صاحب ہم ہم دونوں کا حال دریافت فرمایا کرتے اور یوں کہا کرتے تھے کہ سارے طالبعلموں میں یہ دو طالبعلم (مولانا گنگوہی اور مولانا نانوتوی رحمہما اللہ) ہوشیار معلوم ہوتے ہیں اور بس۔

الحق گو حضرت مولانا اعلیٰحضرت کی زیارت کر چکے تھے مگر چونکہ شیخ الہند حضرت حاجی شاہ عبدالغنی
صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت امام ربانی نے صحاح بھی پڑھی اور علم شریعت کی تکمیل کیا تھا آپکو حاضری کا
ابھی اس گھر بار دربار میں زیادہ اتفاق نہ ہوا اسلئے آپ کا دل بیعت کے لئے بھی ادھر ہی جھکتا اور یوں ہی
راضی ہوتا تھا کہ طریقت میں بھی اسی شفیق استاذ کا دامن پکڑا جائے جسکے جامع بین الشریعت والطریقت
ہونے میں شبہ نہیں ہے لیکن چونکہ مشیت ازلی آپ کے لئے دوسری تجویز قرار دے چکی تھی اس لئے
آپ مجبور تھے چنانچہ آپکو اس ارادہ میں اس درجہ پختگی ہی نہ آئی کہ درخواست و سعی کی نوبت پہونچ پاتی
ایک مرتبہ آپکو اسی زمانہ طالبعلمی میں مولانا قاسم العلوم اور چند دیگر احباب کے ساتھ تھانہ بھون جانے
کا اتفاق ہوا اور سارے مجمع نے مسجد میں قیام کیا اتفاق سے آپکا جوتہ بدلا گیا اور کوئی صاحب اپنا جوتہ
چھوڑ کر آپ کے نعلین پہن گئے عشا کا وقت تھا آپ اور آپ کے احباب جوتہ کی تلاش میں تھے کہ
اعلیٰحضرت حاجی صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ "بدلا ہوا جوتہ ہمیں دکھاؤ" چنانچہ حضرت مولانا گنگوہی
خود ہی اس جوتہ کو اٹھا کر اعلیٰحضرت کے پاس لے گئے اعلیٰحضرت نے چراغ کے سامنے دیکھ کر فرمایا "یہ تو
حبیب حسن کا ہے" حبیب حسن حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے ساتھیوں میں ایک لڑکا تھا لیکن اس درجہ
اجنبی تھا کہ اعلیٰحضرت کو اس سے مطلق کبھی تعارف نہ ہوا تھا۔ یہ اعلیٰحضرت کی پہلی کرامت تھی جسکو مولانا نے
اول مرتبہ دیکھا اور عقیدت کے ساتھ دلی کشش کا باعث ہوا گویا ساٹھ سال تک تعمیر ہونے والے عالیشان
محل کی اسوقت بنیاد رکھی گئی اور عمر بھر کی بیع و شرا کا اس بات میں سودا شروع ہوا

یہ اور اس قسم کے دیگر خوارق عادات اور کشف و کرامات کے دیکھنے سننے سے حضرت مولانا کی عقیدت
و محبت اور ارادت اعلیٰحضرت کے ساتھ بڑھتی گئی مگر آپ کے تجسس قلب اور بصیر و نقاد نظر نے فارغ التحصیل
ہونے تک شریعت و علم دین کے تکملہ تک کوئی فیصلہ نہ کیا کہ کہاں جانا اور کسکی غلامی اختیار کرنی چاہئے یہانتک
کہ آپ گنگوہ تشریف لائے اور حق تعالیٰ شانہ کیطرف سے ظفر و حصول مقصود کے اسباب خود بخود مہیا ہونے
کے متمنی و منتظر رہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ نے ایک مرتبہ خود یہ تذکرہ فرمایا کہ جب میں دہلی سے پڑھکر فارغ ہو آیا ایک دن
مسجد میں بیٹھا ہوا کچھ لکھ رہا تھا کہ ایک بزرگ تشریف لائے اور میرے پاس ہی آ ٹھہرے بیٹھے میں
لکھتے لکھتے نظر اوپر اٹھائی تو ایک نورانی صورت پر نگاہ پڑی قلم تو ہاتھ سے رکھ دیا اور دریافت کیا کہ

حضرت آپ کون ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں ہوں امداد اللہ۔ میں یہ سنکر (چونکہ اخلاق حمیدہ سُن چکا اور دہلی میں پہلی مرتبہ اور تھانہ میں شب کے وقت دوسری دفعہ سرسری زیارت بھی کر چکا تھا گو صورت ذہن میں منقش نہ تھی) اُسی وقت اُٹھا اور مصافحہ کیا۔ جیسا میں ادب اور تعظیم سے پیش آیا اُس سے زیادہ اعلیحضرت خلق وکرم اور تواضع ومحبت سے ملے۔

امام ربانی قدس سرہ کی غالبًا اعلیحضرت سے تیسری ملاقات تھی اس زمانہ میں اعلیحضرت جب گنگوہ بالقصد آتے یا نانوتہ جاتے ہوئے راستہ میں قیام فرماتے تو شہر میں مولوی سراج الدین صاحب کے مکان پر قیام فرمایا کرتے جو حضرت امام ربانی کے سمدھی یعنی آپکی صاحبزادی والدہ حافظ محمد یعقوب کے خسر تھے۔ مولوی سراج الدین صاحب نہایت نیک اور متقی وپارسا شخص تھے جنکی یہ بات مشہور ہے کہ ابتدار ملازمت سے انتہا لعمر تک کبھی ایک پیسہ رشوت کا نہیں لیا اور ہمیشہ نیک چلنی ومیانہ روی کے ساتھ حلال کمائی سے گزران کی مولانا ممدوح کو حضرت امام ربانی کے ساتھ نہایت درجہ محبت تھی اور ہمیشہ سے عقیدت کے ساتھ ملا کرتے اور باوجود عمر میں بڑے ہونے کے حضرت قدس سرہ کی تعظیم کیا کرتے تھے۔

حضرت مولانا قدس سرہٗ تعلّم سے فارغ ہونے کے بعد تعلیم وتدریس کے شایق ہوئے خالی بیٹھے آپکا جی گھبراتا اور گو خود کتابیں دیکھتے یا تحریر میں مصروف رہتے تھے مگر جی چاہتا تھا پڑہانے کو اس لئے قدرت نے آپکے پاس طالبعلم بھیجا اور آپ نے دروازہ تدریس کھولا۔ مولوی سید مومن علی صاحب ایک شخص نکوڑ کی تحصیل میں ملازم تھے انکو ابتدا ہی سے دینیات کی تحصیل اور عربی پڑہنے کا شوق تھا مگر زمانہ نے مہلت نہ دی اور ارادہ پورا نہ کر سکے۔ ب جبکہ حضرت قدس سرہ کا دہلی سے فرغ ہوکر گنگوہ واپس آنا مشہور ہوا تو انکے دل میں پھر پرانا ولولہ خیال اُبھرا اور وہ نوکری چھوڑ چھاڑ گنگوہ حضرت کی خدمت میں پونچے۔ دونوں جانب حصول تمنا کا یہ غیبی سامان چونکہ دونوں کے لئے انعام خداوندی تھا اس لئے حضرت مولانا نے سبق شروع کرانے میں کچھ بھی تامل نہیں فرمایا اور مولوی مومن علی صاحب کو شرح جامی پڑہانے لگے۔

انہیں ایام میں یہ اتفاق پیش آیا کہ کسی بحث میں مولانا شیخ محمد صاحب کی ایک تحریر حضرت کے پاس کسی شخص نے بھیجی جس میں مولانا شیخ محمد صاحب نے اسپر زور دیا تھا کہ روضہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں جو جگہ ایک قبر کے لئے چھوٹی ہوئی ہے اُس میں حضرت عیسی علیہ السلام مدفون ہونگے اور یہ امر قطعی ہے اسکا منکر

ایسا ہے اور ویسا ہے۔ حضرت مولانا نے اُسپر بجائے تصدیق وتصویب کے تحریر فرمادیا کہ سارا ثبوت با حادیث و

اخبار آحاد ہیں۔ اسلئے علم ظنی حاصل ہوگا قطعیت کا ثبوت دشوار ہے" حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر سے جو یہ تحریر گزری تو جوش غضب میں بیتاب ہوگئے کہ طفل کو تیرے سپرد کرنا چاہا اُسی حالت غیظ میں اپنے مطلب کی تائید میں ایک رسالہ کا رسالہ لکھ دیا اور حضرت مولانا کے پاس بھیجدیا۔ مولانا نے اسکو اچھی طرح دیکھا مگر چونکہ سوائے اُن احادیث و آثار کے ذکر اور اسناد کی تفصیل کے جن میں یہ مضمون وارد ہے اور کچھ بھی نہ تھا حالانکہ مولانا خود ہی تحریر فرما چکے تھے کہ یہ احادیث اخبار آحاد ہیں۔ اسلئے مثبت علم ظنی ہیں پس اُس رسالہ کی پشت پر تحریر فرما دیا کہ "میں نے نہ احادیث کا انکار کیا نہ اسکا دعویٰ کہ یہ مضمون ثابت نہیں ہاں یہ میں نے لکھا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ زیر بحث کی جملہ اخبار وارد آحاد ہیں ان سے مضمون کی قطعیت کیونکر ثابت ہو جائیگی یہی میرا شبہ ہے اسکا رسالہ میں جواب نہیں اور جو احادیث مذکور ہیں اُن کا میں منکر نہیں" اس کے بعد یہ شعر تھا ؎

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

حضرت مولانا شیخ محمد صاحب اپنے زمانہ کے بزرگ و صالح شخص اعلیحضرت حاجی صاحب کے پیر بھائی یعنی میانجی صاحب قدس سرہ کے خلیفہ مجاز تھے مگر علم کا غلبہ تھا اور علم کے لئے تقدس لازم نہیں غلطی و خطا سے معصومیت ضروری نہیں اسلئے حقیقت میں اس مسئلہ کے اندر چوک اور لغزش کھائی ادھر حضرت مولانا قدس سرہ ذکی الطبع ذہین۔ فارغ التحصیل ہو کر نامور ہو گئے کے علاوہ صداقت کو تحریر و تقریر میں بیباک جوان طبیعت تازہ علم اور سب پر طرہ یہ کہ حق بات کے اندر مناظرہ و مباحثہ میں دلیر و نڈر اسلئے آپ کا قلم نڈر کا اور جو لکھنا تھا صاف صاف لکھدیا حضرت مولانا شیخ محمد صاحب نے اصل مسئلہ کا تو جواب چونکہ حق کے خلاف تھا اسلئے نہ دیسکے مگر مولانا کا لکھا ہوا شعر چونکہ زیادہ ناگوار گزرا اسلئے خفا ہوئے اور جو کچھ زبان پر آیا کہا چند جگہ پر شکایت بھی کی کہ "میرے سامنے کا پیدا ہوا بچہ مجھے طفل کہتا ہے" حضرت امام ربانی قدس سرہ نے مولانا کی یہ تقریر سنکر جواب دیا کہ میں نے انکو طفل نہیں کہا بلکہ اپنے آپکو لکھا ہے اُن کو شعر میں بطور تعریف کے شہسوار کہا ہے جن سے لغزش ہو گئی گستاخی کا الزام تو مجھ پر عاید نہیں ہاں اصل مسئلہ میں آپکے ساتھ میں موافق نہیں ہوا پھر آپ جو کچھ بھی فرمادیں وہ سر آنکھوں پر" لیکن مولانا شیخ محمد صاحب کا دل میں چھپا ہوا غصہ یونہی نہ گیا آخر حضرت امام ربانی کا ابتدائی عالمانہ جوش یا پیرزادہ مولویانہ غلطی زور جسکو حمیت دین کہئے یا اصلاح نفس کا مقدمہ اسکا محرک ہوا کہ آپ خود تھانہ بھون جائیں اور مسئلہ کی زبانی تقریر سے فیصلہ فرمادیں

اتفاق سے کسی برات کی شرکت میں آپ کو رامپور جانا تھا اسی سفر کو سفر با حشمت بنانے کی نیت سے آپ ساتھ ہمراہ لے اور آپ آئے
اور وہاں سے فارغ ہو کر مکان واپس آنے سے بلا اطلاع گھر کے بغیر تھانہ بھون روانہ ہو گئے اور چونکہ چند گھنٹہ کا کام سمجھے ہوئے
تھے اسلئے جو کپڑے پہنے ہوئے تھے بس وہی سامان سفر تھا البتہ ایک جوڑہ پارچہ بھی ہمراہ نہ تھا۔

چونکہ دین کے اخذ اور رضائے حق تعالیٰ کے حاصل کرنے میں فرمان بردار ضعیف بندہ مسلم کو حتی الوسع کوشش
کرنی چاہیئے حضرت مولانا گنگوہی نے اس سے غفلت نہیں فرمائی تھی غور و خوض بھی کیا تھا قوت
فکریہ سے بھی کام لیا تھا گھنٹوں تفکر و تدبیر میں مستغرق رہے طبیعت کو جانچا پرتالا دل کو ٹٹولا اور دیکھا بھالا
تھا آخر متعدد مرتبہ مسنون استخارہ فرمانے کے بعد تھانہ بھون کو کار برآری کی جگہ سمجھ چکے تھے اس لئے
اس سفر ساطرہ میں یہ بھی دھیان تھا کہ اعلیٰحضرت کی زیارت بھی ہو جائیگی اور موقع ہوا تو غلامی کا شوق
ظاہر کروں گا ؏ گر قبول افتد زہے عز و شرف +

اعلیٰحضرت فاروقی نسب حنفی المذہب حقیقت آگاہ معرفت دستگاہ موفق کتاب و سنت سید السادات العظام
افتخار المشائخ الاعلام مرکز الخواص والعوام منبع البرکات القدسیہ مظہر الفیوضات المرضیہ معدن المعارف
الالٰہیہ مخزن الحقائق مجمع الدقائق سراج قرانہ قدوۃ اہل زمانہ سلطان العارفین ملک التارکین غوث
الکاملین غیاث الطالبین سلاسل اربعہ میں مشائخ اعلام سے بیعت چمنستان حب الٰہی کے پھول گو
ظاہری علم شریعت میں علامہ وقت اور مشہور زمان مولوی نہ تھے مگر علم لدنی کے جامہ تیر شاہ سے
آراستہ اور زیور عرفان و ایقان کے زیورات سے سرتاپا پیراستہ شیخ وقت قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر
جیسے انوار و برکات اور مطلع فیوض و تجلیات بنے ہوئے تھے ۔ خلقۃً ضعیف و نحیف نحیف الجسم آپ پر
مجاہدات و ریاضات اور تقلیل طعام و منام اور سب سے بڑھ کر عشق حسن ازلی جو استخوان تک کو گھلا دیتا
ہے جسکے باعث آخر میں کروٹ تک بدلنا دشوار تھا آپ کا دل عشق منزل ہر وقت نشہ لقا میں سرشار
تھا ایام غدر میں قصبہ … البغاوت کے زمانہ میں مکہ معظمہ ہجرت فرما ہوئے اور کل چوراسی سال
تین مہینہ تین روز گوشہ … عالم دنیا کو مستور فرما کر بارہ یا تیرہ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ ہجری بروز چہارشنبہ
بوقت اذان صبح اپنے محبوب حقیقی سے واصل ہوئے اور جنت معلیٰ (مقبرہ مکہ معظمہ) میں مولوی رحمت اللہ
کی قبر کے متصل مدفون ہوئے ۔ اطاب اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ ۔

اعلیٰحضرت گھر سے خوشحال اور موروثی جائداد کا معقول حصہ پانے ہوئے تھے جو بخیال الفعال گذران

معیشت کے لئے کافی و وافی سامان تھا مگر آپ کا قلب سلیم چونکہ بالطبع زہد و توکل کا شیدا تھا اس لئے آپنے اپنی ساری جائداد سکنی و زمینی اپنے بھائی کے نام منتقل کردی اور مسجد کے حجرہ کو مسکن بنا لیا تھا۔

اعلیٰحضرت چونکہ زاویہ خمول کی زیست اور گمنامی کے ساتھ ایام گزاری کی جانب بہت راغب تھے اسلئے ہمیشہ اپنے آپکو چھپایا اور تفرد کی و یکسوئی کو اخفاء و کتمان حال کا سبب بنایا مگر "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" اپنے چھپانے کب چھپ سکتے تھے خدائی مخلوق نے جبہ سائی کو فخر سمجھا اور جیسا کہ دین کا اہتمام ولادت سے حال رہا ہے غرباء و مساکین اور عوام الناس طالب دین نیک بندوں کی آمد شروع ہوئی مجبوراً امتثالاً للامر آپ طالبین کو بیعت فرماتے اور اللہ کا نام سیکھنے کیلئے آنے والی خلقت کی دستگیری فرماتے تھے۔ غرض طالبین کا ہجوم دن بدن بڑھتا گیا اور آپ اسی توکل کے وسیع خوان پر مہمانوں کی بخوشی ضیافت فرماتے رہے یہاں تک کہ آپکی بھاوج نے آپکے پاس پیغام بھیجا کہ موروثی جائداد آپ منتقل فرما چکے تو خود توکل پر بمسرت و فقر گزران ہے پھر آپ پر مہمانوں کی کثرت اور نو وارد مسافروں کی زیادتی گو آپکو بار نہ معلوم ہو مگر میری غیرت تقاضہ نہیں کرتی کہ اس خدمت سے چشم پوشی کروں۔ اسلئے آج سے جتنے مہمان آئیں انکی اطلاع غریب خانہ پر فرما دیں انکا کھانا دونوں وقت یہاں سے آئیگا۔ اول تو اعلیٰحضرت نے انکار فرمایا کہ نہیں یہ سب مہمان ہیں انکی خدمت مجھ ہی پر حق ہے مگر آخر بھاوج صاحبہ کے اصرار کے سبب جو محض اخلاص کے ساتھ تھا آپ نے قبول فرما لیا اور اس روز سے مہمانوں کا کھانا دونوں وقت وہاں سے آنے لگا۔

اعلیٰحضرت کی بھاوج کا حسن اعتقاد اور مقتضائے برتاؤ تھا کہ مہمانوں کا کھانا خود پکاتی تھیں اور کسی مہمان کے ناوقت آنے سے بھی کبھی تنگ دل نہ ہوتی تھیں۔ ایک دن اعلیٰحضرت نے خواب دیکھا کہ آپکی بھاوج آپ کے مہمانوں کا کھانا پکا رہی ہیں کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپکی بھاوج سے فرمایا کہ "اٹھو تو اس قابل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکائے اس کے مہمان علماء ہیں انکے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا"۔

اعلیٰحضرت کی اس مبارک خواب کی تعبیر حضرت امام ربانی محدث گنگوہی قدس سرہ سے شروع ہوئی اسلئے کہ علماء دین آپ ہی پہلے عالم ہیں جو اعلیٰحضرت حاجی صاحب [illegible] بیعت ہوئے آپ کے بعد چاروں دانگ عالم سے جوق جوق علماء کی آمد شروع ہوئی یا اعلیٰحضرت کو علماء کا شیخ و رہبر بننے

میں وہ رتبہ علیا حاصل ہوا کہ جسکی نظیر دنیا میں سلفاً و خلفاً شاید ایک دو مل سکے۔ اِس رویائے صالحہ ہی کا ثمرہ تھا کہ تخمیناً سات آٹھ سو علماء سے زیادہ اعلیٰحضرت کے مرید ہیں وذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء واللّٰہ ذو الفضل العظیم (بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰحضرت کی بھاوج شیعہ مذہب تھیں واللّٰہ اعلم)

غرض امام ربانی قطب صمدانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ تھانہ بھون میں داخل ہوتے ہی اول پیر محمد والی مسجد میں پہونچے دیکھا کہ ظہر کی نماز ہو چکی ہے اور اعلیٰحضرت اپنی سہ دری میں بیٹھے ہوئے تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہیں۔ حضرت مولانا حاضر خدمت ہوئے اور ختم تلاوت پر سلام مسنون عرض کرکے بیٹھ گئے۔ اِس سے قبل غالباً ایک مرتبہ دہلی اور دو مرتبہ گنگوہ اور ایک مرتبہ گنگوہ وطن بنا کر شب کے وقت تھوڑی دیر کے لئے تھانہ بھون اعلیٰحضرت کی زیارت ہوئی تھی یہ پانچویں ملاقات تھی گویا کہ اِس وقت میں اعلیٰحضرت کا معاملہ بہ حضوری کا عمر بھر میں آپکو پہلا اتفاق تھا اعلیٰحضرت نہایت ہی کریمانہ اخلاق سے پیش آئے اور نہایت درجہ خاطر و مدارات فرمائی اور دریافت فرمایا کیسے آئے؟ حضرت امام ربانی نے مناظرہ کا قصد ظاہر کیا اعلیٰحضرت نے جواب دیا کہ بابا ایسا ارادہ نہ کرنا میاں ہم تو بچارے مرید ہیں پڑھے نہیں بس مباحثہ کا تو اِسی جگہ فیصلہ ہو گیا اور حضرت یہ کہکر خاموش ہو گئے کہ حضرت آپ کے شبہ میں تو ہم سے بھی بڑے ہیں۔ اسکے بعد ادھر اُدھر کی باتیں رہیں اور آپ نے موقع پاکر بالفاظ مناسب بیعت ہونے کی درخواست کی۔ اعلیٰحضرت اطال اللّٰہ ثراہ نے عادت شریفہ کے موافق بیعت میں تامل ہی نہیں فرمایا بلکہ طالب صادق کو امتحان کی کسوٹی پر کسنے اور اعتقاد و شوق بڑھانے کے لئے صورۃً انکار کے لفظ زبان پر لائے۔ یہاں سوائے اخلاص و شوق کے کیا تھا قطبیت کا جامہ پہننے والا ایک جسم تھا جو سر تا پا طلب بنا ہوا تھا نخوت علم و تکبر مولویت نام کو بھی نہ تھی اور جو کچھ تھی وہ پہلی ہی گفتگو پر نکل چکی تھی۔ پس نتیجہ امتحان یہ تھا کہ جتنا اُدھر سے انکار تھا اُسی قدر ادھر سے اصرار اور جسقدر اُس جانب سے استغنا کا برتاؤ تھا اُتنا ہی اِس طرف سے احتیاج و افتقار کا اظہار۔ چونکہ پیران عظام ہمیشہ طالب صادق اور جویندہ کی تلاش میں رہتے ہیں اسلئے انہیں امتحان والے دو تین رات میں حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللّٰہ علیہ نے اچھی طرح سے آپکو اپنی طرف مائل کرنا چاہا مگر "ما جعل اللّٰہ لرجل من قلبین فی جوفہ" صاحبدل کا ایک دل چونکہ ایک کا ہو لیا تھا اسلئے نہ پھرنا تھا نہ پھرا اور ثابت قدم کوہ استقلال کے جیسے ایک گھر میں آستانہ کی جانب ایک چلے اور امداد دیہ دربار گھر بار میں جم چکے تھے اسلئے نہ ڈگے تھے نہ ڈگے چنانچہ آپ

اثنا میں حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ آپ سے آنے کا سبب اور حال دل پوچھنے
لگے تو آپ نے بے اختیار فرمایا کہ "جدھر دل کا میلان ہے وہ قبول نہیں کرتے دوسرے اپنی طرف کھینچتے
ہیں عجیب قصہ ہے" جناب حافظ صاحب نے دلاسا دیا اور فرمایا کہ "ابھی جلدی کیا ہے چند روز ٹھیرو یہاں
کے حالات دیکھو" آخر جب آپ کی تشنگی ہر طرح ظاہر ہوگئی تو جناب حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ
نے اعلیٰحضرت کی خدمت میں سفارش کا اجر حاصل فرمایا اور تھانہ کی حاضری سے دو تین روز کے بعد آپ کو
سلاسل اربعہ میں اعلیٰحضرت حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت حاصل ہوئی۔

حضرت مولانا قدس سرہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب اعلیٰحضرت کے دست مبارک پر بیعت ہونے کا وقت
آیا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے ذکر شغل اور محنت و مجاہدہ کچھ نہیں ہو سکتا اور نہ رات کو اٹھا جاوے
اعلیٰحضرت نے تبسم کے ساتھ فرمایا "اچھا کیا مضائقہ ہے" اس تذکرہ پر کسی خادم نے دریافت کیا کہ حضرت
پھر کیا ہوا؟ تو آپ نے جواب دیا اور عجیب ہی جواب دیا کہ "پھر تو مرتا"

القصہ حضرت مولانا قدس سرہ منظوری شرط کے بعد بیعت ہوئے اور اعلیٰحضرت نے آپ کو بارہ تسبیح
تلقین فرمادیں۔ شب کے وقت اعلیٰحضرت نے وہ چارپائی جس پر آپ استراحت فرماتے تھے اپنے پلنگ
کے پاس بچھوائی اور آرام فرمایا۔ آخر شب میں جب اعلیٰحضرت حسب معمول اُٹھے تو حضرت مولانا کی بھی آنکھ
کھل گئی مگر چونکہ بیعت کے وقت شرط ہوچکی تھی اسلئے اعلیٰحضرت نے کچھ نہ فرمایا کہ اُٹھو یا بتلائی ہوئی
دوازدہ تسبیح کا ذکر کرلو لیکن قدسی نفس شیخ کا جگا دینے اور کام کرالینے والا سریع النفوذ فیضان پہلے
ہی اپنا اثر کرچکا تھا اُدھر موثر قوی التاثیر ادھر متاثر کمال درجہ کا قابل تاثر اور دونوں باتوں پر طرّہ محبت
و اتصال بھلا کسطرح ممکن تھا کہ حضرت مخدوم قدس سرہ بستر پر لیٹے رہتے یا نیند آجاتی۔ دو چار کروٹیں
آپ نے ضرور بدلیں اور کسی درجہ میں چاہا بھی کہ نیند آجائے مگر حق تعالیٰ کو آپ سے جو کام چندہی روز بعد
لینا منظور تھا اسکے اسباب قریبہ اسی پہلی رات سے پیدا ہونے مقدر تھے پس نہ آپ کی آنکھ لگی اور نہ آپ
اس ناگوار و مضطرب حالت اضطجاع و تقلب کے متحمل ہوسکتا مجبوراً خود ہی اُٹھے وضو کیا اور مسجد میں تشریف
لائے۔ ایک گوشہ میں اعلیٰحضرت اپنے کام میں مشغول تھے دوسرے گوشہ میں آپ جا بیٹھے اور
بہ نیت تہجد نوافل ادا کئے اور ذکر نفی و اثبات بالجہر شروع کردیا۔

حضرت قدس سرہ نے جس وقت اس قصہ کا خود تذکرہ فرمایا تو یہ بھی ارشاد فرمایا کہ آخر کار میں نے ذکر

بالجہر شروع کیا گیا اچھا تھا بدن میں تو ستی تھی صبح کو جب حاضر خدمت ہوا تو حضرت فرمانے لگے کہ تم نے تو ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا مشاق کرنے والا ہو" اُس دن سے ذکر جہر کے ساتھ محبت ہوگئی پھر کبھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہا اور نہ کوئی وجہ شرعی اُسکی مخالفت کی معلوم ہوئی۔

یہ پہلا اصلہ تھا جو شیخ کی زبان سے اتفاقاً ایک غیبی بشارت بنکر آیا ہو ایک شب کی قلیل محنت پر عطا ہوا جسکا اولیٰ ثمرہ یہ تھا کہ تا وصال حضرت مولانا قدس سرہ بارہ تسبیح منجملہ دیگر مراقبہ و مشاغل کے اپنی ہلکی آواز کے ساتھ ذکر فرماتے رہے کہ جسکو حجرہ کے پاس بیٹھنے والا سُن سکتا تھا بمقتضائے احب الاعمال ادوم علیہ الحدیث خدا کے نزدیک اس ذکر بالجہر کی کس درجہ محبوبیت پسندیدگی ہوگی جسکی ہوا ابتدائی گھڑی سے انتہائی ساعت تک رہی ہو؟

ناظرین! حضرت قطب العالم قدس اللہ سرہ کے اُس وقیع الشان فقرہ کو دوبارہ ملاحظہ فرمائیں جو خادم کے دریافت کرنے پر آپکی زبان سے ظاہر ہوا کہ "پھر تو مرتا" صفحہ ہستی پر آب زر سے لکھنے اور لوح دل پر قلم اذعان سے کندہ کرنے کے لائق ہے حقیقت میں حضرت مولانا نے بعد مرشد کے آپ نے اپنے نفس کو بار ردی ہوا اور نفس کو ضائع کردیا جس پاک نام سینے کا قصد کیا تھا اس میں لپٹ گئے فنائیت حاصل کی اور اسیر اکتفا نہ کیا بلکہ فناء عن الفناء پر پہنچے کہ اپنی فنائیت سے بھی بے خبر اور فانی محض بنگئے آپکے معشوق دل عشق منزل کا تیز پرواز پرندہ آستانہ امدادیہ پر جب آکر کا ایسا مقید و گرفتار ہوا جیسا لاسہ کا پکڑا ہوا اسیر یا قفس میں بند ہوا جانور کہ باوجود دیگر کے تقاضوں اور اقارب کے بار بار بلاوے پر کے آپ تھانہ سے باہر نہ نکل سکے اور گو حاضری کے وقت قیام کا مطلق قصد یا خیال نہ تھا مگر دل کے ہاتھوں مجبور اور قدرت کے دست تقدیر سے معذور جلد ہوا کہ پڑا اور روز یہی رہا کہ آج نہیں کل چلا جاؤنگا اور کل نہیں پرسوں چلا جاؤنگا۔ اگر کبھی ادھر سے اجازت کی طلب ہوئی تو اعلیحضرت کا یہ جواب تھا کہ اچھے جانا آج نہیں کل سہی اور اگر کسی وقت اُدھر سے استفسار ہوا کہ کب جاؤ گے تو حضرت کی طرف سے یہ جواب تھا کہ آج نہیں کل چلا جاؤنگا۔ خدا کیا جانے کو جی چاہتا ہے نہ انکا بھیجنے کو دل چاہے۔

الفت کا جب مزا ہے کہ ہوں وہ بھی دردمند — دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی
عشق اول در دل معشوق پیدا میشود — گر نسوزد شمع کے پروانہ شیدا میشود

یہاں تک کہ پورے بیعت ہو گئے اور ذکر بالجہر کرتے ایک ہفتہ گزرا تھا کہ آٹھویں دن اعلیحضرت شیخ العرب والعجم

کیجانب سے دوسرا عصا عطا ہوا اور واقع ہونے والی غیبی بشارت بایں الفاظ صادر ہوئی کہ "میاں مولوی رشید احمد جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپکو دیدی آیندہ اسکو بڑھانا آپکا کام ہے"

حضرت قطب العالم قدس سرہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں اسوقت بہت ہی متعجب ہوا کہ حضرت کیا فرماتے ہیں وہ کونسی چیز ہے جو اعلیٰحضرت کو حق تعالیٰ نے دی تھی اور مجھے عطا ہوئی آخر پندرہ برس کے بعد معلوم ہوا کہ کیا تھا؟ یہ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ حضرت مولانا کا یہ سفر زیادہ تر بہ نیت مباحثہ مسئلہ فقہیہ تھا اور آپ جن دو کپڑوں کو پہنے ہوئے تھے انہیں میں تھانہ بھون چلے آئے تھے نہ دوسرا جوڑا ساتھ تھا اور نہ قیام کی نیت تھی کہ نیا بنوالیں محض بلا قصد و ارادہ ٹھہرنا پڑ گیا اور چالیس دن اسلئے جب کپڑے زیادہ میلے ہوگئے تو انکو خود ہی دھو لیا ورنہ میلے ہی پہنے رہے آخر اسی فیضان صحبت و شغل ذکر میں چالیس دن پورے ہوئے اور حضرت قطب العالم قدس سرہ بخار میں مبتلا ہوگئے۔ ادھر علالت کے باعث یہ خیال کہ اعلیٰحضرت پر تیمارداری و خدمت مریض کا بار ڈالنا خلاف ادب ہے اور ادھر گھر والوں کے شدید تقاضوں پر تقاضے کیونکہ جو دن گزرتا تھا متعلقین کا فکر بڑھتا اور خدا جانے کیا کیا وسوسے پیدا ہوتے تھے کہ بیٹھے بٹھائے بلا سامان سفر و زاد راہ ایک دن کو تھانہ گئے تھے سبب کیا کہ ہفتے لگا دیئے اور گھر کا نام نہیں لیتے اس لئے حضرت امام ربانی نے اعلیٰحضرت سے رخصت چاہی اور اعلیٰحضرت نے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی چنانچہ پورے چالیس روز ختم فرما کر حضرت مولانا تھانہ بھون سے روانہ ہوئے اور اعلیٰحضرت بہ نفس نفیس معہ دیگر متعلقین کے ایک جم غفیر میں بغرض مشایعت مسنونہ ہمراہ ہوئے اور تھوڑی دور تک ہونہار مسافر جوان کے ساتھ ساتھ تشریف لے چلے حضرت مولانا کا اصرار تھا کہ آپ تکلیف نہ فرماویں مجھے آپکی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے اور اعلیٰحضرت کا دل یہ چاہے کہ جہاں تک بھی طاقت یاری دے ساتھ چلیں آخر دونوں خادم و مخدوم معہ دیگر ہمراہی احباب و بعض اصحاب کے پاپیادہ روانہ ہوئے اور سواری کی بہل خالی کبھی پیچھے اور کبھی آگے چلتی رہی۔ اعلیٰحضرت کی پدرانہ شفقت اور سادگی کے ساتھ بے تکلف مربیانہ محبت کا یہ اقتضا کہ مولانا سواری میں سوار ہوجائیں کیونکہ عشق کی اندرونی حرارت کے ساتھ بخار زدہ بدن کا ضعف راحت کا طالب ہے اور سعید و رشید مولانا کے غایت تادب و تکریم اور عجز و انکسار کے ساتھ خودروانہ توقیر و تعظیم کا یہ مقتضیٰ کہ گویا اعلیٰحضرت کا قدم قدم سرچشمہ وصل و آب حیات

ہونے کی وجہ سے ذریعہ فلاح دین و دنیا ہے مگر اسکے ساتھ ہی یہ قدوم میمنت لزوم بجائے زمین کے گویا آپ کے دل محزون پر چل رہے تھے اور عزت کے ساتھ کلفت کا سبب ہو رہے تھے اسلئے کچھ عجب یہ خیال تھا کہ نہ امام ربانی حضرت مولانا قدس سرہ غایت ادب کے باعث سواری پر سوار ہو سکتے ہیں اور نہ اعلیحضرت اپنے لاڈلے روحانی بیٹے کی درخواست پوری فرما کر واپس ہوتے ہیں یہاں تک کہ اعلیحضرت ہی بایں خیال کہ بیماری کی حالت میں پاپیادہ چلنا مبادا چہیتے دینی بیٹے کی کلفت و ماندگی اور زیادتِ مرض کا باعث ہو ٹھٹھکے اور مجمع کو وہیں کھڑا کر کے حضرت مولانا کا ہاتھ پکڑ کر ایک جانب علیحدہ لے گئے اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ "اگر تم سے کوئی بیعت کی درخواست کرے تو اسکو بیعت کر لینا" حضرت امام ربانی فرماتے تھے کہ میں نے عرض کیا "مجھ سے کون درخواست کریگا" اعلیحضرت نے فرمایا "تمہیں کیا جو کہتا ہوں وہ کرنا"

یہ تیسرا انعام تھا جو اس پہلے سفر کی آخری ملاقات کے وقت حضرت مولانا قدس سرہ کو عطا ہوا یہی وہ عطیہ ہے جسکے حاصل کرنے کی غرض سے آستانے ڈھونڈے جاتے اور برسوں پیران عظام کی جوتیاں سیدھی کی جاتی ہیں۔

الحمد للہ کہ امام ربانی جس نیت و قصد کے ساتھ گنگوہ سے آئے تھے وہ تو بھول بھلیاں ہو گئی اور ذکر و استخارہ کے بعد جو امر ذہن نشین ہوا اور مولانا قاسم العلوم کی تمنا تھی اُس سے مالا مال و خاطرخواہ فائز المرام ہو کر تینتالیسویں دن واپس وطن ہوئے۔ کیا خدا کی دین ہے کہ جس جلسہ میں بیعت ہوئے اُسی جلسہ میں صاحبِ نسبت بے خلیفہ ہوئے اور چلتے چلتے اصرار و تقاضہ کے ساتھ اعلیحضرت کی زبان سے یہ مبارک حکم و ارشاد سُنا کہ "دیکھو جو درخواست کرے اسکو ضرور بیعت کر لینا" یہی سفر بیعت کا تھا اور یہی سفر حصول خلافت بھی قلیل زمانہ ہی کا تھا اور یہی چند ایام ایام ظفر و کامیابی روانہ ہوئے تھے مولانا شیخ محمد صاحب سے مباحثہ کرنے اور متعلمانہ انجان و ناواقف بنکر اللہ کا نام سیکھنے کے لئے اور آئے پڑھنے لگے عالم طریقت مجاز حقیقت شیخ عصر بنکر دوسروں کو اللہ کا نام سکھانے اور گنگوہ کو مہبط انوار و مرجع خلائق بنانے کو ؎

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال | کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

بیعت کی اجازت بلکہ تاکیدی حکم فرما کر اعلیحضرت نے رخصتی مصافحہ کیا اور گنگوہ کی جانب

مراجعت فرمائی ادھر حضرت امام ربانی شیخ کی مفارقت ہجرانی میں سراپا حزن وملال احباب سے رخصت ہو کر جنگل میں سوار گنگوہ آئے وطن پہنچ کر جس کیفیت و ذوق اور شغل میں حال میں گزری اب اسکا کیا پوچھنا کسی میں کچھ اور بیان کرنے کی تاب ہے نہ معلوم کرنے اور دریافت ہوسکنے کی لیاقت حضرت امام ربانی کے ماموں زاد بھائی اور طفولیت کے ہمراہ رفیق و غمگسار شفیق جناب مولوی ابو النصر صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ تھانہ بھون سے واپس ہو کر حضرت اقدس کا قیام میرے مکان پر تھا نصف شب کو جب آپ اٹھتے اور سیدھے مسجد کی جانب رخ فرماتے تو پیچھے پیچھے میں بھی لگا ہوا چلا آتا تھا جس وقت حضرت مخدوم بالجہر ذکر شروع فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری مسجد کانپ رہی ہے خود پر جو حالت گزرتی ہوگی اسکی تو کسی کو کیا خبر؟

تھانہ بھون میں مراد پر آشنا ہونے سے جو بات حاصل ہوئی تھی اُس نے نہ کھانے کا رکھا نہ پینے کا۔ ہر وقت تفکر و استغراق سے کام تھا اور رونا سبب راحت و آرام اکثر تمام تمام شب روتے گزر جاتی اور سارا سارا دن کسی گوشہ فکر میں غرق ہوتے تمام ہو جاتا تھا آپکی والدہ ماجدہ نے ایک رضائی نیلے رنگ کی آپ کے لئے تیار کی تھی کہ شب کو مسجد میں آتے جاتے سردی سے محفوظ رکھے اور تھوڑی ہی مدت میں راحت پہونچا نگی آپ کے رونے اور آنسوؤں کے اُسی رضائی سے پونچھنے کی وجہ سے اسکا رنگ کبھی کچھ کا کچھ ہو گیا اور ہیئت ہی دوسری بدل گئی تھی۔

چونکہ شب کا آخری نصف حصہ حضرت مولانا کا مسجد میں بالجہر ذکر کرتے اور اپنے آقا تعالیٰ شانہ کی یاد میں گزرتا تھا اس سے آپ کے اہل وطن کو آگاہی ہوئی اور سمجھے کہ آپ تھانہ بھون مرید ہونیکو گئے تھے ورنہ اس سے قبل کسی کو اطلاع بھی نہ تھی کہ آپ کے سفر تھانہ کی غایت کیا تھی غرض لوگوں میں اسکا چرچا شروع ہوا اور شدہ شدہ وہ مضمون جسکو آپ نے عمر بھر چھپا رکھنے کی خواہش کی تھی بجنسہ خود مردوں اور عورتوں یگانوں اور بیگانوں پر ظاہر ہونے لگا اور خوشبوئے مشک کی طرح بستی کے چاروں کونوں میں پھیل گیا حضرت امام ربانی قدس سرہ کو حقیقت میں کسی طالب کے بیعت کرنے کا شوق اور اپنے آپکو اس لائق سمجھنے کا واہمہ بھلا کیا ہوتا آپ کا اعلیٰحضرت کی طرف سے خلافت و اجازت عطا ہوتے وقت عاجزی کے ساتھ یہ عرض کرنا کہ "مجھ سے کون بیعت کی درخواست کریگا" وظیفہ اندرونی مضمون اور واقعی سچے دل کا مشورہ تھا جس میں نام کو بھی تکلف و تصنع کا دخل نہ تھا اور حقیقت میں

اپنی ناقابلیتی کا قلبی اعتراف ہی وہ قابلیت تامہ ہے جس پر اجازت اور حق تعالیٰ کی طرف سے سعادت و برکت شامل حال ہوتی ہے پس گو آپ اس امر سے خالی الذہن تھے کہ آپ شیخ سمجھے جائیں گے اور آپ سے مرید ہونے کی تمنا کی جائیگی " مگر اعلیحضرت کی راست گو زبان جو حقیقت میں قرآن رحمٰن کی ترجمان تھی یوں کہہ چکی تھی کہ "کوئی بیعت کرنا چاہے تو ضرور بیعت کر لینا" اس لئے ابھی کوئی سال پورا ہونے بھی نہ پایا اور آپکو وطن واپس ہوئے چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک ضعیفہ نیک دل عورت نے آپ سے بیعت کی درخواست کی اور عرض کیا کہ "مجھے مرید کر لیجئے"

یہ ایک عجیب سماں تھا کہ جو قدسی نفس اللہ کا بندہ اپنے آپکو یوں سمجھتا ہو کہ دنیا ایسی بے وقوف کیوں ہونے لگی کہ مجھ نااہل و بیکار محض کو بھی کچھ سمجھے گی اُس سے وطن ہی کی ایک عورت بیعت کرنے کی درخواست کرے پس امام ربانی نے خداداد حیا کے باعث گردن جھکالی اور کسر نفسی و طبعی تواضع کے سبب درخواست نامنظور فرمادی اور خوبصورتی کے ساتھ ٹالدیا۔ خدا کی شان ہے کہ جوں جوں ادہر سے انکار تھا توں توں اُدہر سے اصرار تھا یہانتک کہ اعلیحضرت نانوتہ تشریف لیجانیکی نیت سے روانہ ہوئے اور اسی سفر میں گنگوہ حضرت مولانا قدس سرہ کے پاس قیام فرمایا یہ پہلا موقع ہے کہ امام ربانی کو میزبان اور اعلیحضرت کو مہمان بننے کا اتفاق ہوا اسوقت آپنے اپنی خوش نصیبی پر جتنا بھی فخر کیا ہو بجا ہے اور احسان خداوندی کا جسقدر بھی شکریہ ادا کیا ہو زیبا ہے ابھی چند روز ہوئے آپ تھانہ میں اعلیحضرت کے مہمان تھے اور آج اپنے دین و دنیا کے آقا و سرتاج کو اپنے خانۂ بے تکلف پر سایہ افگن پاتے ہیں اُسوقت آپکی زبان حال یہ شعر پڑہ رہی تھی ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے کبھی ہم انکو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

صاحب نصیب عورت کو اپنے درد کا درمان حاصل کرنے کے لئے اس سے بہتر موقع کہاں مل سکتا تھا کہ پیر کی بے اعتنائی کا گلہ دادا سے کیا جائے اور باپ کی شکایت ہو تو جد بزرگوار سے ہو پس اعلیحضرت کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ دیکھئے حضرت میں مرید ہونا چاہتی ہوں اور مولانا بیعت قبول نہیں فرماتے اب کیا تھا اعلیحضرت کے لطافت آمیز سوال تھے کہ "کیوں صاحب سائل کی درخواست کیوں منظور نہیں ہوتی" اور حضرت مولانا شرم سے پسینہ پسینہ ہوئے جاتے تھے اگر جواب تھا تو یہی کہ حضرت "ایسی اس قابل نہیں" یا اس طرح کہ آقا کے روبرو تشریف فرما ہوتے غلام کی کیا طاقت کہ کسی کا آقا

ہے مگر اعلیٰحضرت بار بار یہی فرماتے تھے کہ "جب کسی کو تم ہی سے عقیدت ہو تو وہ میرا مرید ہو کر کیا نفع اٹھائیگا" خلاصہ یہ کہ اعلیٰحضرت اٹھے اور امام ربانی کو اپنے ہمراہ درخواست کنندہ عورت کے مکان پر لائے اور فرمایا تو میرے سامنے بیعت کر دو۔

اللہ اللہ کیا خوش نصیب عورت تھی جسکا سوال گھر بیٹھے پورا ہوا اور جسکے روحانی امراض کا معالجہ کرنے اور اللہ کا نام سکھانے کو دو دو حاذق طبیبوں کے خود مریضہ کے در تک آنیکی نوبت آئی۔ ادھر سائلہ کی مسرت بے اندازہ کا نظارہ کیجئے جسکو بیٹھے بٹھائے بلا حساب دولت دی جا رہی تھی اور ادھر امام ربانی کی حیا و شرم اور اطاعت و فرمانبرداری پر نظر ڈالئے جو اعلیٰحضرت کے ساتھ نیچی گردن جھکائے اُس عورت کو بیعت کرنے اُسکے دروازہ پر جا رہے ہیں جسکا سوال رد فرما چکے تھے اور اسکے ساتھ اعلیٰحضرت روحی فداہ کی عزت افزائی و کرم نمائی ملاحظہ کیجئے جو اپنے لاڈلے رشید کو شیخ بنانے کے لئے گنگوہ کے گلی کوچے قطع فرما رہے تھے یہی وہ پہلا موقع تھا جس میں امتثال امر کی سعادتمندی کو عمر بھر کے لئے حضرت قدس سرہٗ نے پلہ باندھا اور وصیت رکھ لیا تھا چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ مجکو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سخت تاکید بیعت کرنے کی ہے اسلئے کر لیتا ہوں ورنہ جی اندر سے نہیں چاہتا۔ آہ اپنے شیخ کے سعادتمند پیارے رشید پیارے سعادت و اطاعت مخالف کا بہتان باندھنے والوں کا قیامت کے دن کیا حال ہوگا جبکہ دونوں روحانی باپ بیٹے جوار رحمت خداوندی میں ہمکنار ہوں گے اور اعمال نامہ کے صفحات پر جلی حرفوں میں لکھا ہوا یہ ابتدائی واقعہ جس میں عورت کو بیعت لینے اور دلوانے کے لئے مسافت لزوم قدوم سے راستہ قطع کیا تھا عالم آشکارا مخلوق کے سامنے لا کر رکھا جائیگا۔ الغرض اعلیٰحضرت اُس عورت کے مکان پر پہونچے اور اپنے روبرو حکم حضرت مولانا رشید احمد قدس سرہ سے اس عورت کو بیعت کرایا اور نانوتہ تشریف لے گئے۔

حضرت مولانا قدس سرہ بیعت کرنے اور مجاز ہونے کے بعد جب گنگوہ واپس ہوئے تو تھانہ بھون کی آمد و رفت اور دربار امدادیہ کی حاضری کا یوں سلسلہ قائم رکھا کہ آٹھ دن گنگوہ رہے تو دس دن کے لئے تھانہ بھون چلے گئے اور کبھی بارہ دن تھانہ بھون رہے تو پندرہ دن گنگوہ قیام فرمایا غرض ہر پندرھواڑے اور ہر مہینے بلکہ بعض دفعہ ہر ہفتہ اعلیٰحضرت کی زیارت اور شرف حضوری کو ضروری سمجھا

آپکی طالبعلمی کا زمانہ نہیں کہ جسکے ذمہ دار بقدر وسعت خدمت کرنی اپنا فرض سمجھے تھے گذر چکا تھا

کئی مہینے ہوئے آپ متاہل بن چکے اور تنگی ج ہو لیا تھا آپکی سلیم فطرت اور طبعی غیرت اسکو گوارا نہ کرتی تھی کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں اور دوسروں کی روٹیوں پر گزارا کریں اور اسکے ساتھ ہی آپکی متوکل ذات کسی شغلہ معاش کو گوارا نہ کرتی تھی یوں چاہتے تھے کہ کنبہ اور اقارب کا سارا جھتہ مجکو میرے حال پر چھوڑ دے اور فقر ہو یا فاقہ کسی حال کی باز پرس یا دیکھ بھال نہ ہو مگر کنبہ میں خصوصًا ماموں سے کب ممکن تھا کہ انکو خبر تھیکری رکھیں اور بے باپ والے لاڈلے بھانجے کے خبر گیراں نہ ہوں آخر اسی اثنا میں قرآن مجید کا ترجمہ پڑھانے کی ایک جگہ سے نوکری آئی جسکی تنخواہ سات روپیہ ماہوار تھی۔ آپ نے اعلیٰحضرت سے دریافت کیا اور منظوری چاہی وہاں سے یہ جواب آیا کہ "اسکو منظور نہ کرو اور زیادہ کی آویگی" چنانچہ آپ نے بلانے والے کو انکار لکھدیا اور وہاں نہ گئے۔ چند ہی دن گزرے تھے کہ سہارنپور کے مشہور رئیس اعظم نواب شائستہ خان نے اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے آپکو بلایا اور دس روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کی حضرت امام ربانی گو اہل بصیرت حضرات کے نزدیک بڑے بیش قیمت تھے مگر اپنے نفس کے نزدیک بہت ہی ارزاں اور سستے تھے اسلئے آپ نے ہر مہینہ میں دس روپیہ کو گزارے کے لئے کافی اور اپنی حیثیت قابلیت سے زیادہ سمجھکر منعم ورزاق خدا کا احسان سمجھا اور منظور فرمالیا۔ اعلیٰحضرت کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو فرمایا "اگر صبر کرتے تو اور زیادہ کی نوکری آتی" مگر چونکہ امام ربانی کو حقیقت میں نوکری کرنی منظور ہی نہ تھی صرف ایک تدبیر تھی جس سے آپ کنبہ کیطرف سے اپنے حال پر چھوڑ دئے جائیں اور اسکے ساتھ ہی دنیا طلبی یا کسب شغل معیشت میں زیادہ کی حرص نہ تھی اسلئے یہ عجلت آپ کے دینی مدارج کی ترقی کا سبب بنی چنانچہ آپ نے کم و بیش کل چھ ماہ نوکری کی اور اسکے بعد وہ توکل تام اختیار فرمایا جسکی نظیر صفحۂ عالم پر بہت ہی کم نظر آئیگی۔

آپ نے اپنی عملی حالت سے تعلیم پر اجرت لینے کا مسئلہ متاخرین اپنے ضعفاء متوسلین کے لئے باعث تسکین اور سبب راحت وتسلی بنادیا۔ بچوں کی تربیت وتعلیم کا پیشہ بھی اختیار کیا درجۂ محبوبیت میں کسب معاش کے حکم کی تعمیل بھی کی اپنا ضعف اور افتقار الی نعمۃ اللہ اپنے خدا کے سامنے ظاہر کیا۔ دس روپیہ کو ریاضت کی کمائی اور اس عطیہ خداوندی تلک عشرۃ کاملۃ کو کسب حلال سمجھکر نہایت شکر گزاری کے ساتھ گود میں رکھا۔ ماں کی خدمت کی بی بی کا نفقہ ادا کیا اور سارے کنبہ کو خوش کیا۔ طعنہ زن اصحاب کو یہ الزام رفع ہوا کہ کمانے کی ملاؤں میں قابلیت نہیں۔ آخر ان مراحل کو طے فرماکر آپ نے اپنی دکان لیا

مشغول رہنے کی حالت غالب آئی جسکے لئے آپ پیدا ہوئے تھے اسلئے مستعفی ہوئے اور سہارنپور سے نوکری چھوڑ کر گنگوہ پہونچے۔ گنگوہ پہونچکر آپ نے اپنے سچے آقا خداوند تعالیٰ شانہٗ کا قرب حاصل کرنے میں پوری ہمت صرف کردی۔ محنت و مجاہدہ۔ ریاضت و جفاکشی کو غذائے روحانی سمجھکر جتنی بھی کثرت ہوسکی بطوع و رغبت بڑھاتے رہے یہانتک کہ جب آپکی زبان سے ایک مرتبہ نکلا تھا کہ "پھر تو مرمٹا" حقیقت میں سچ تھا آپ مرہی مٹے یہانتک کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی اور آپ بسا اوقات پہچانے نہ پڑتے تھے بعض دفعہ آپکی ایسی حالت ہوگئی ہے کہ لوگوں کو آپ کے کسی مہلک مرض میں مبتلا اور اندرونی سخت بیماری میں گرفتار ہونے کا خیال غالب تھا۔ اس دل کی لگی اور تقلیل الطعام و کلام و منام کے ساتھ لوگوں کے طعن و تشنیع حقارت آوازے گویا اس مصیبت کا سامنا تھا جسکا تحمل شریف النفس شخص کے لئے پہاڑ کے بوجھ سے زیادہ دشوار ہے کوئی کہتا تھا کہ "میاں تھانہ گئے تھے مرید ہو آئے انکو خوب ہو حق مچتی ہے" کسی کی زبان سے نکلتا تھا "بس ہوگئے ہاتھ پاؤں توڑ کے معذور مسجد کے ملانے" کسی کا طعن تھا کہ "بی بی بچوں کی بڑی مصیبت" کوئی آوازہ کستا تھا کہ "کمانے کے قابل ہوتے تو ورد کرتے کیا" کسی کی رائے تھی کہ "کھانے کو مت دو اپنے آپ تنگ آکر کمانے کی سوجھیگی" غرض جتنے منہ اتنی باتیں آپ جس دھن میں لگے ہوئے تھے وہ ایسی محو کن اور رقابت سے متنفر و کنارہ کش تھی کہ دوسری طرف ہٹانا چاہتی ہی نہ تھی آپ کوہ استقلال اور سر استقامت بنکر شب و روز اپنے کام میں مصروف رہے اور گویا پہلے ہی دن دنیا کو خیرباد کہکر عالم کو بالائے طاق رکھکر یہ سوچ لیا تھا کہ ؎

جس گل کو دل دیا ہے جس پھول پر فدا ہوں — یا وہ بغل میں آئے یا جاں قفس سے چھوٹے

آپ گو بالکل خاموش تھے مگر آپکی زبان حال پکار رہی تھی کہ ؎

لعن و طعن و سب و شتم و شنعت زیر قفا — ہم نے بسمل جان پہ سب کچھ سہا
کیا گلہ محبوب سے اُس خون کا — دل رہا ہو جس کا ہر دن خوں بہا

تھانہ بھون کے بازار جاں فروشی میں بثمن بیعت اپنا قیمتی دل بیچکر جو سودا آپ خرید چکے تھے اسکے فرط عشق میں سودائی و مجنون بنکر اس درجہ محو و مستغرق تھے کہ وارفتگی و استغراق سے بھی محویت تھی اعلیٰ حضرت کے ارشاد سراپا رشاد کے بموجب آٹھویں رات جو خدائی نعمت آپکو حاصل ہوچکی تھی اسکو اجمال تشکری میں اس درجہ شغف تھا کہ آپ کا رواں رواں بول رہا تھا ؎

تیر و تفنگ و نیزہ و شمشیر آبدار سب کچھ سہی پہ ایک نہیں کی نہیں سہی

دنیا کی مصیبتیں کھانے پینے کی تکالیف آپکو لذیذ و شیریں معلوم ہوتی تھیں اور لوگوں کی دشنام دہی اور آوارگی کے خطاب میں آپ اپنی عزت سمجھے ہوئے تھے۔ آپ کا وہ دل جو ایک کا پابند ہو چکا تھا نوکری یا کسب دنیا کے ہر علاقہ کو پاؤں کی بیڑی اور ہاتھ کی کڑی سمجھتا تھا مشاغل معاش کا ہر سلسلہ آپکو گلے کا طوق نظر آتا اور ہر جیہ روزہ دنیا کے ایام گزاری کا ہر طریق ایسا وحشتناک راستہ محسوس ہوتا تھا جس میں قدم دھرنا حقیقت میں گویا دم بلا کو راہ زنوں کا لقمہ بننا ہے۔ عالم دنیا کو آپ جیلخانہ سمجھ چکے تھے آپ پر خلقت سے تنفر اور خلوت سے توحش کا وہ رنگ طاری ہو گیا تھا جس کا مقتضے یہ تھا کہ آج نہ امام ربانی سے کوئی انسان بصورت واقف ہوتا نہ آپ کسی آدمی سے آگاہ ہوتے۔ اپنے استاذ مولانا عبد المومن صاحب کی زبانی میں نے سنا تھا کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے اعلحضرت کی خدمت میں شکایت کی تھی کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب میں باوجود عالم ہونے کے خلق نہیں پایا جاتا۔ اعلحضرت نے یوں جواب دیا تھا کہ "میاں غنیمت سمجھو کہ مولانا آبادی میں ہیں ورنہ رشید تو درجہ ملکوتیت پر پورنچ لیا تھا اگر حق تعالیٰ کو اصلاح خلق کا کام لینا نہ ہوتا تو آج خدا جانے کس پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھا ہوتا۔ علمی خدمت اور خداوند تعالیٰ کو ایک بڑا کام لینا منظور تھا اسلئے کمر پکڑ کر نیچے اتار لیا اور بستی میں رکھا گیا ہے" او کما قال۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ دنیا طلبی سے بالطبع متنفر ہو چکے اور محبت زر و مال سے آپ کا قلب صاف بالکلیہ خالی اور پاک ہو لیا تھا چنانچہ وہ واقعہ جو پچیس سال کی عمر میں آپکو پیش آیا اس طبعی حالت کو ظاہر کر رہا ہے آپ کے والد جناب مولانا ہدایت احمد صاحب جہاں ملازمت لیتی گورکھپور سے جو کچھ کماتے اور ضروری اخراجات سے پس انداز ہوتا اسکو اپنے والد جناب قاضی پیر بخش صاحب کے پاس بھیجدیا کرتے تھے اور چونکہ دیندار عالم تھے اسلئے ساتھ ہی ادب کے ساتھ لکھ بھیجا کرتے تھے کہ مکان یا دوکان جو چاہیئے خریدئے لیکن رہن کسی کی جائداد ہرگز نہ کیجیں۔ قاضی پیر بخش صاحب مرحوم اس درجہ متشرع نہ تھے جیسا آپکو قطب العالم کا جد امجد بننے کے لئے سزاوار تھا عوام دنیا داروں کی طرح منفعت عاجلہ کی لوٹ میں رہتے تھے اور یہی حالت سلیقہ سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنے صاحبزادہ کی اس درخواست کو نہ مانا اور متعدد قطعات اراضی رہن رکھے۔

جسوقت پچیس سال کی عمر میں حضرت امام ربانی خود مختار اور وارث با اختیار ہوئے تو آپ نے تمام رہن ناموں کو نکالا اور آمدنی و وصولیابی کے کاغذات سے دستاویزوں کو سیلان کیا محاسبہ میں جتنی رقم منافعہ راس المال کے مساوی ہو گئی انکو بیباقی میں ڈالکر چاک کر دیا اور جتنی دوچار باقی رہ گئے تھے وہ انکو

معاف کر دیے اور جن دستاویزات میں بنا قصداس المال سے زائد نکلا انکو وہ رقم واپس فرمائی اس حد تک کہ جن میں سو سو روپیہ جو نقد تھا وہ دیا گیا اور گھر والی کا اکثر زیور فروخت ہو گیا۔ اس طرح پر تمام مدیون قرضدار اصحاب باغ مکان و زمیدار ہی گئی ہوئی زمینوں کے دوبارہ مالک ہو گئے اور امام ربانی کی دیانت کے طفیل قرض سے سبکدوش ہو کر از سر نو زمیندار قرار پائے۔

یہ قصہ بظاہر سرسری و معمولی ہے اور پڑھنے یا سننے والوں کو گزشتہ کہانی معلوم ہوتی ہے مگر جب گہری محققانہ نظر سے دیکھا جائے تو اس کمال اتباع سنت مرضیہ کا پتہ دے رہی ہے جس میں امتحان کی وقت بڑے بڑے مولویوں اور دیندار اشخاصوں کو پسپا اور عاجز ہوتے دیکھا ہے خصوصاً جبکہ کھائی اور پی ہوئی رقم کے واپس کرنے کو گھر کا اثاثہ بیچنا اور چند سال کی بیاہی دلہن بیوی کو کہنا پڑے کہ پاؤں کے چھا اور کڑے ہاتھ کی چوڑیاں اور جوشن اور کانوں کی بالیاں بیچنے کیلئے دے تاکہ اسکو فروخت کر کے اُن قرضداروں کو جو واقع میں غرض خواہ ہیں بقدر دین دیدیا جائے اور دنیا کے زیور کا معاوضہ بہشتی زیور حاصل کیا جائے۔

اس واقعہ سے قبل آپکی استعداد امر بالمعروف کا یہ نمونہ پیش آچکا تھا کہ آپ کے حقیقی چچا میاں علی حسن صاحب کے یہاں بعد پیرزادگی وہ ظروف گلی اور گھڑے اور دو کو بیاں آیا کرتی تھیں جو الہ بخش کے نام پر چڑھائی جاتی تھیں حضرت امام ربانی کو جسوقت بھی اسکی اطلاع ہوتی وہاں جاتے اور لکڑی ہاتھ میں لے سب کو توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا کرتے تھے ہر چند کہ عورتیں آپکو اس سے روکتی اور کہتی تھیں کہ تو ڈوست ایسا ہی تو بھنگن یا کسی چوڑی چماری کو دیدینگے اپنے کام میں لائیں گے مگر آپ ایک نہ سنتے اور جب تک بالکلیہ فراغت نہ ہو جاتی وہاں سے واپس نہ ہوتے تھے۔

اس واقعہ نے آپ کے اُن رشتہ داروں کے کان کھڑے کر دیئے تھے جو پیرزادے کہلاتے تھے کیونکہ انکو حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کی خانقاہ سے بعد پیرزادگی بہتیری منفعتیں تھیں اور بظاہر اُن کے خیال میں جو کچھ بھی انکی عزت تھی اس مجلس عرس و سماع اور محفل سرود و مزامار کی بدولت تھی اس لئے اندیشہ تھا کہ "آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا" اور حقیقت میں اُن کا یہ اندیشہ سچا تھا کیونکہ حضرت امام ربانی کسی درجہ میں بھی ان حرکات کو پسند نہ فرما سکتے تھے چنانچہ چند ہی روز بعد سے اسکا ظہور شروع ہو گیا کہ آپ نے وعظ فرمایا نصیحتیں کیں وہ تنبیہ شریعت بتائے و جو بھی تدابیر فرما سکتے تھے اُن میں کوتاہی نہ کی۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ میں پختگی و استقلال۔ ہمت و دلیری۔ مروت و شجاعت۔ ایثار و تحمل

تواضع و انکسار اور صاف گوئی و حق گفتاری کے جو اوصاف قدرت نے پہلے ہی سے ودیعت رکھے تھے وہ اب بڑھتے جاتے اور اپنا اپنا موقع پا اثر دکھاتے جاتے تھے آنحضرت سے بیعت کے بعد چونکہ طبیعت کا رنگ دوسرا ہو گیا تھا اسلئے ان خصائل کو مطہر پاک شریعت کے وہ احکام مل گئے تھے جنکی تکمیل تئیس سال میں بطحائی پیغمبر کے ہاتھوں ریگستان عرب میں کی گئی تھی آپ حق کی فرمانبرداری میں کبھی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ فرماتے تھے اور امیر ہو یا غریب قریبی ہو یا اجنبی معمولی حالت والا ہو یا بوڑھا ہو یا جوان بڑا ہو یا چھوٹا شرع کا حکم سنا دینے اور مناسب وقت و حال نصیحت کرنے میں مداہنت تو کیا معنی تاخیر و تامل بھی نہیں فرماتے تھے مخلوق کو کسی ایذا یا دکھ سے دیتے نہ تھے اور عسرت یا فقر کی حالت سے کبھی تنگدل نہ ہوتے تھے ریاضت و مجاہدہ کی یہ حالت تھی کہ دیکھنے والے کو رحم آتا اور ترس کھایا کرتے تھے چنانچہ اس پیرانہ سالی میں جبکہ آپ ستر سال کی عمر سے تجاوز ہو لئے تھے کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ دن بھر کا روزہ اور بعد مغرب چھ کی جگہ بیس رکعت صلوٰۃ اوابین پڑھا کرتے تھے جس میں تخمیناً دو پارہ قرآن مجید سے کم کی تلاوت نہ ہوتی تھی پھر اسکے ساتھ رکوع و سجدہ اتنا طویل کہ دیکھنے والے کو سہو کا گمان ہو نماز سے فارغ ہو کر مکان تک جانے اور کھانا کھانے کے لئے مکان پر ٹھیرنے کی مدت میں کئی پارے کلام مجید ختم کرتے تھے پھر تھوڑی دیر بعد نماز عشاء اور صلوٰۃ تراویح جس میں گھنٹے سوا گھنٹے سے کم خرچ نہ ہوتے تھے تراویح سے فارغ ہو کر ساڑھے دس گیارہ بجے آرام فرماتے اور دو ڈھائی بجے ضروریات سے فارغ ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے تھے بلکہ بعض دفعہ خدام نے ایک ہی بجے آپکو وضو کرتے پایا اسوقت سے ڈھائی تین گھنٹے تک تہجد میں مشغولیت رہتی تھی بعض مرتبہ سحر کھلانے کے لئے کسی خادم کو دیر ہو جانے کا اتفاق ہوا تو آپکو تحریمہ ہی باندھے پایا صلوٰۃ فجر کے بعد آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک وظائف و اوراد اور مراقبہ ملاحظہ میں مصروفیت رہتی پھر اشراق پڑھتے اور چند ساعات استراحت فرماتے تھے ڈاک آجاتی تو خطوط کے جوابات اور فتاوے لکھواتے اور چاشت کی نماز سے فارغ ہو کر قیلولہ فرماتے تھے ظہر کے بعد حجرہ شریف بند ہو جاتا اور تا عصر کلام اللہ کی تلاوت میں مصروف رہتے تھے باوجودیکہ اس رمضان میں جسکا تذکرہ لکھا گیا ہے پیرانہ سالی وا نقاہت کے ساتھ وجع الورک کی تکلیف شدید کا یہ عالم تھا کہ استنجا گاہ سے حجرہ تک تشریف لانے میں حالانکہ پندرہ سولہ قدم کا فاصلہ ہے مگر راہ میں بیٹھنے کی نوبت آتی تھی اس حالت پر فرائض تو فرائض نوافل بھی کبھی بیٹھکر نہیں پڑھتے اور آٹھ آٹھ گھنٹوں کھڑا رہنا یار ہا خدام نے عرض کیا کہ آج تراویح بیٹھکر ادا فرمادیں تو مناسب ہے مگر جب آپ کا جواب تھا یہی تھا نہیں جی یہ کم ہمتی کی بات ہے" اللہ رے ہمت آخر افلا اکون عبدا شکورا کے

قابل کی نیابت کوئی سہل نہ تھی جو اس ہمت کے بغیر حاصل ہو جاتی۔

یوں تو ماہ رمضان المبارک میں آپکی ہر عبادت میں بڑھوتری ہوتی تھی مگر تلاوت کلام اللہ کا شغل خصوصیت کے ساتھ اس درجہ بڑھتا تھا کہ مکان تک آتے جاتے میں کوئی بات نہ فرماتے تھے نمازوں میں اور نمازوں کے بعد تخمیناً نصف ختم قرآن مجید کا یومیہ معمول قرار پایا تھا جس شب کی صبح کو پہلا روزہ ہوتا آپ حضار جلسہ سے فرمادیا کرتے تھے کہ "آج سے گھڑی برکات رمضان کو بھی آدمی ضائع کرے تو افسوس کی بات ہے" اس مجاہدہ پر غذا کی یہ حالت تھی کہ کل رمضان بھر کی خوراک پانچ سیر اناج تک پہونچنی دشوار تھی۔

اب اگر کوئی بڑا بوڑھا اس زمانہ کا بھولی محرم راز آپ کے حالات کا مترقب صاحب حافظہ زندہ ہو تو اس سے دریافت کیا جائے کہ اسوقت امام ربانی کے مجاہدہ کی کیا حالت تھی جبکہ جسم میں طاقت تھی اور بدن میں زور جوانی کا موسم تھا اور شباب کا عالم دل میں امنگ تھی اور ہمت کے ساتھ قوت سو اسکا پتہ چلنا دشوار بلکہ قریب قریب محال ہو نا ممکن۔ اس کام کے اہل بڑے بوڑھوں میں ایک مولانا ابو النصر صاحب کا دم باقی ہے سو صدمات و حوادث سے اس درجہ سقیم کہ کل گذشتہ کی بات کا آج بھی یاد رکھنا مشکل ضعف دماغ کے باعث قرآن کے حفظ میں بھی فرق آگیا بچپن کے وقائع کی یادداشت کا تو کیا ذکر۔ الغرض شغل عبادت و طاعت میں مصروف رہنے کیلئے آپنے ابوسعید کا وہ حجرہ انتخاب فرمالیا جسمیں آپکے اصلی خلوتخانہ تھی قدوسی حجرہ میں سکونت منتقل فرمانیکے بعد اگرچہ ہمیشہ مسجد کا موذن رہا اور اسی نام سے وہ اب مشہور ہے۔ (خلوتخانہ)

الغرض امام ربانی کی وہ عالی اور بلند ہمت جو خدائی خزانہ عامرہ سے فطرۃً آپکو عطا ہوئی تھی سر تاپا تمام و کمال تحصیل قرب الٰہی میں صرف ہونے لگی اور آپکی عمر عزیز کا لحظہ لحظہ جو حق تعالیٰ نے تجارات آخرت کے لئے جواہرات بنا کر راس المال قرار دیا ہے بڑا منفعت کے کسب میں گذرنے لگا رات کی سنسان گھڑیوں میں آپ اپنے نجات دہندہ معبود کو پکارا کرتے اندھیری شب کی سیاہ چادر اوڑھ کر اپنے پرورش کنندہ خالق کو سجدے کرتے اس کے دربار میں حاضر ہو کر ناک رگڑتے گڑگڑاتے اور روتے روتے بیتاب ہو جایا کرتے تھے۔ لوگوں کے پاس بیٹھنے سے آپکا جی گھبراتا اور تنگدل ہوا کرتے تھے جنگل کے درختوں کی سنسناہٹ آپکو پسند آتی اور ویران خالی گھروں کے گوشوں سے آپکو انس حاصل ہوتا تھا۔ برادری کی کسی تقریب یا جلسہ میں آپ مدعو ہوتے تو آپکی زبان حال یہ شعر پڑھتی ؎

در محفل خود راہ مدہ ہمچو منے را | افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

اور کوئی غیر آباد گوشہ یا شکستہ و ہریت خوردہ مکان آپکو نظر آتا تو بے اختیار آپکی حالت بگڑتی ہے

دیوانہ کو ویرانہ سے کیوں لطف نہ آئے — آخر تو ہر اک شخص کا انجام یہی ہے
سب دھندے ہیں دنیا کے جو تج جائینگے اک آن — خلوت میں خدا ڈھونڈئیے بس کام یہی ہے

آخر آپکی متلاشی خلوت طبیعت اور تنہائی کی جویاں و طلبگار حالت نے اپنے مقصود کی ٹوہ میں مکان مسکونہ کے متصل اُس خراب و ویران حجرہ پر نظر ڈالی جو آپ کے جد امجد اور دینی و دنیوی مورث اعلیٰ یعنی شیخ عبدالقدوس قدس سرہ کا کسی زمانہ میں سالہا سال تک معبد و خلوتخانہ رہا اور اب انقلاب زمانہ کی وجہ سے گدھوں گھوڑوں کا اصطبل بنا ہوا تھا تو آپ بیچین ہو گئے۔ روضہ کے متصل مسجد کی پشت پر واقع ہونے والی اِس خانقاہ قدوسی کی سوانح اور گردش فلک کا سماں آپکی نظر کے سامنے پھرا تو آپکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ رو دیے کبھی منقلب الافلاک خدا کی بے نیازی کا نقشہ آپکی نظروں میں تھا جس نے آسمان سے باتیں کرنے والے سیکڑوں قلعے خاک زمین میں گمنام و بے نشان بنا دیے اور کبھی فنائیت عالم اور ناپائداری حال کی حالت آپ پر طاری ہوتی جسکی بدولت ہزار ہا گلاب کے تختوں سے بھرے ہوئے حدائق و باغات نجاست کی کوٹھریاں اور انبار غلاظت کے ڈھیر بنگئے۔ امام ربانی کا عہد حاضر ہونے والا رقیق قلب و رااللہ والوں کے نشان قدم پر جان نثار کرنے والا دل بھر آیا جبکہ آپ نے قدوسی یادگار کی زیارت گاہ خانقاہ میں قدم رکھا آپ شان کبریائی کا نظارہ کر رہے تھے کہ آہ وہ قطب العالم کی پاک عبادت گاہ جس میں رحمت خداوندی ابر نیسان کی طرح رات دن برسا کرتی تھی جہاں شیخ الشیوخ کی اپنے جل و علیٰ شانہ کے سامنے ناک اور پیشانی رگڑی جاتی تھی آج کس درجہ کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہے۔ یہاں کسی زمانہ میں ہو حق کے نعرے اور ذکر کی دل آویز آوازوں سے دیواریں اور چھتیں گونجا کرتی تھیں اور آج سوائے جھینگر اور پستو یا مکڑ اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ کے کچھ بھی سنائی نہیں دیتا اور گرد کے حجرے جہاں شیخ کے متوسل اور سچے طالب بیٹھے بوریے بچھا کر اللہ کا نام سیکھنے کو راتوں ذکر و شغل میں مشغول رہتے تھے اُن میں اسوقت سوائے سانپ بچھو یا کیڑے مکوڑوں کے کوئی رہنے والا نہیں ہے جس جگہ واصل باللہ سید المشایخ کا دلنوازی مصلےٰ بچھا کرتا تھا جسکو ہاتھ لگ جانا بھی دنیا اپنے لئے نجات کا سبب سمجھتی تھی آج وہاں گدھا بندھا ہوا بیٹھک رہا اور اپنے بول و براز سے اُس پاک زمین کو نجس بنا رہا ہے جس لطیف الطبع غوث وقت کی نظافت کا یہ اقتضا تھا کہ مسواک کئے بغیر نماز نہ پڑھی جاتی تھی اُس قدسی نفس کے مسکن میں جگہ جگہ لید اور گوبر کے ڈھیر اور بو دیے نظر آتے تھے۔ اِس عجیب حیرتناک منظر پر آپ کبھی روتے اور کبھی افسوس کرتے کبھی انقلاب دہر و فنائیت عالم کا اذعان حاصل فرماتے اور کبھی اپنے قادر مطلق پروردگار کی قدرت جلیلہ کے علم سے قلب کو اطمینان

دلاتے غرض یہ نظارہ حیرت افزا آپ کے لئے ازدیاد ایمان و اذعان اور عروج و ترقی روحانیت ہی کا سبب بنا اور آپکا
وہ حسی میراث بھی جو تین سو برس کے بعد خلف الصدق کو حاصل ہونے والی تھی اور جسکے ساتھ ہی وہ کوٹھڑی
اور حجرہ جو شیخ کا دنیاوی ترکہ تھا وہ بھی قدرت سے آپ ہی تک پہنچنے کے لئے ودیعت رکھا اور باوجود یہ باقی
و بربادی نے بہت صدمہ پہنچایا اسکی محافظت فرمائی تھی کہ اچھی جگہ ہونے کے باعث نا اہل دنیاداروں کی رال ٹپکی
اور حصہ اُس حجرہ کا کسی کی بیٹھک یا مسکونہ مکان قرار دیا جاتا۔ آخر کو ذریت میں پہنچے ہوئے اس بیبہا لعل کا
قدردان جوہری جس طرح اور حالت رشد کو پہنچ گیا اور نجاست آلود خاک میں دبے ہوئے مشک کا مرتبہ
پہچانتے والا طبیب اس خوشبو سے عالم کو دماغ معطر کردینے کے لائق بن گیا اس لئے ملکوتی صفات شیخ کی
یہ میراث بھی اُسکے خلف الرشید سراپا نور نواسے یعنی مولانا رشید احمد صاحب کے قبضہ و تصرف میں دیدی گئی۔

امام ربانی اٹھے اور گدھے گھوڑوں کی لید بنفس نفیس ٹوکرے میں بھر بھر کر اور جھنگی توڑا کرکٹ جو جمع ہو کر
کوڑی اور کھات کا انبار بنگیا تھا پھاوڑے سے صاف کیا اور کھرپے سے کھود کر زمین کو ہموار بنایا ستھری مٹی
پانی میں بھگوئی اور جنگل سے نیچے اوپر زمین اور دیواروں کو لیپا۔ چھت پر برسات کی گھاس اُگی ہوئی کئی
ہاتھ اونچا کوڑا ہو گیا تھا اُسکو درانتی سے کاٹا اور کھرپے سے صاف کرکے مثل قلوب صافیہ آئینہ بنایا مٹی کی
سوراخ بند کئے اور شکست و ریخت کی اپنے ہی ہاتھوں بخوبی خاصی درست کرلی۔ زمین میں بوریے کا فرش کیا گوشوں
میں لوبان کی دھونی دی عطر بکھیرا خوشبو چھڑکی اور اس مقدس حجرہ کو از سر نو آباد فرما کر اپنا خلوتخانہ قرار دیا
جسکے سوا تین سو برس بعد آج دن پھرے مشہور مثل تو یہ ہے کہ بارہ برس میں کوڑی کے دن پھرتے ہیں مگر
جسکا نام دل تھا یعنی بیٹھے ہی جان کا تقرر آجاتا ہے اُسکے لئے تو تین سو برس بھی جلدی ہی میں داخل ہیں۔

مطب

بہتر ہے وہی خلق میں جو خلق خدا کو　　پہونچائے نفع عام۔ یہ جان کا ہو کہ تن کا
بس علم تو دو ہی ہیں بحکم شہ لولاک　　اک علم رہ دین دوم علم بدن کا

ادھر زمانہ جس میں حضرت مولانا قدس سرہ کا دل عشق منزل اپنے خالق جل شانہ کا قرب حاصل کرنے کی جستجو میں
ہر وقت کوشاں تھا حق تعالیٰ کی طرف سے اپنی مخلوق کو عام نفع رسانی کا بلند درجہ آپکو عطا ہوا اور قدرت
کی طرف سے وہ اسباب پیدا ہوئے جنھوں نے امام ربانی کو طب جسمانی کی طرف متوجہ کیا کیونکہ روحانی معالجہ

جیسے کہ آپ نائب رسول بنا کر دنیا میں بھیجے گئے تھے بدنی امراض کے معالجہ کی روح تھی جس مقتضائے
حکمت خداوندی نے آپ کو دست شفا عطا فرما کر خلقت پر ترحم و شفقت سکھائی بیمار پرسی اور مریض کی تیمارداری کی
تعلیم فرمائی خلق اللہ کے ساتھ احسان و سلوک کا خوگر بنایا ضعفاء و مایوسین کے سوال پر ترس کھانے کی
عادت ڈالی عامۃ الناس کے حقوق کی محافظت کا راستہ بتلایا اور دنیاوی زندگی سے ناامید ہو جانیوالے
اور حیات عاجلہ کی تباہی و بربادی سے گھبرا جانیوالے لوگوں کے سروں پر آپ کا ہاتھ رکھوایا۔

حضرت امام ربانی نے اپنے خالق کی پیدا کی ہوئی مخلوق کے ساتھ اس خدمت مخدومانہ کا جو حق ادا
فرمایا اسکی نظیر فن طبابت کے مشاہیر اطباء میں بھی ملنی دشوار ہے وہی حجرہ بوسیدہ جسکو آپ نے اپنا خلوتخانہ
بنایا تھا آپ کا مطب تھا اور وہیں ہندو مسلمان مریض چھوٹے بڑے نئے پرانے بیماروں کا جمگھٹ رہتا تھا
جسکی جزئیات کے متعلق میری سائلانہ درخواست پر مخدومنا و مولانا صاحبزادہ حکیم حافظ مولوی مسعود احمد صاحب
دام مجدہ کی جو تحریر آئی ہے چونکہ مناسبت فن کے باعث وقیع و مستند ہونے کے علاوہ لفظی و معنوی حیثیت
سے بھی قابل شرف و احترام ہے اسلئے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں وھو ہذا۔

حضرت مولانا کے متعلق طب کے عنوان میں جو کچھ بھی لکھا جائیگا اسکو نمونہ کہنا بھی سوء ادب ہے مگر عجیب بات
قابل ذکر یہ ہے کہ حضرت کو اسطرف توجہ کیونکر ہوئی اور تاریخ اس فن کے شروع کی کیسی عجیب و غریب ہے
"حضرت مولانا قدس سرہ کے ماموں مولوی محمد تقی صاحب طبیب تھے انہوں نے دہلی کے معزز طبی گھرانوں
میں سے کسی جگہ پڑھا تھا وہ گنگوہ میں مطب کرتے تھے اور ان کا مطب آس پاس بزمانہ قحط الاطباء میں اچھا سمجھا جاتا
تھا۔ ایک بار حضرت مولانا قدس سرہ کی والدہ کی خالہ بیمار ہوئیں اور سخت تکلیف کا سامنا ہوا۔ دست قے کچھ
نہ تھے صرف اسفل معدہ میں درد تھا جس نے بے چین کر رکھا تھا۔ حکیم مولوی محمد تقی صاحب اپنی خالہ کے معالج
تھے دوائیں بدلاتے تدبیریں کرتے کئی روز گزر گئے مگر مریضہ کو کوئی نفع محسوس نہ ہوا حضرت مولانا کی عمر
شریف اسوقت کم و بیش ۲۲ سال تھی نانی نے آپ سے شکایت کی کہ "تیرے محمد تقی کی دوا سے فائدہ نہیں
ہوتا بیٹے تو بھی تو پڑھا عالم فاضل ہے تو ہی کچھ کر اور کوئی دوا ایسی بتا جس سے میری تکلیف رفع ہو" حضرت
مولانا قدس سرہ نے اسوقت سکوت فرمایا اور کچھ جواب نہ دیا مگر نانی کی شدید تکلیف پر دل میں خیال ضرور پیدا
ہو گیا کہ اسطرف توجہ کروں چنانچہ آپ وہاں سے اٹھے اور میزان الطب میں امراض معدہ کی بحث نکال کر
مطالعہ شروع فرمایا۔

اس طبی علم کی کتاب کے مطالعہ سے نانی صاحبہ کے مرض پر اپنی رائے قائم کرنے کے بعد آپ اپنے ماموں کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ کیا مرض ہے نانی صاحبہ کو؟ مولوی محمد تقی صاحب نے فرمایا کہ بند ہیضہ ہے نافاضل بھانجے نے سوال کیا کہ بند ہیضہ کی کونسی نوع ہے؟ اسپر معالج کو تامل کرکے جواب دینا پڑا کوئی تشفی

حضرت امام ربانی نے فرمایا کہ نانی صاحبہ کو میرے خیال میں ورم معدہ ہے۔ مولوی محمد تقی صاحب آخر طبیب تھے اور بھانجہ کی ذکاوت طبع سے اچھی طرح واقف و آگاہ اسلئے ذرا غور فرمایا اور آخر آپکی اس تشخیص پر تحسین و مسرت ظاہر فرمائی نیز حکماً یوں فرمایا کہ رشید احمد اپنی نانی کا تم معالجہ کرو اور بالضرور اس فن پر نظر ڈالو کہ خلق خدا کو نفع پہنچے۔ یہ اول معالجہ تھا جس میں کامیابی نے دست بستہ حاضری کو اپنا فخر سمجھا اور شیخ وقت کی دست بوسی کی۔

نانی صاحبہ کا حضرت امام ربانی نے معالجہ کیا اور بحمد اللہ وہ جلد شفایاب ہو گئیں انکو صحت کا حاصل ہونا تھا کہ مستورات میں اسکا چرچا ہونے لگا اور پاس پڑوس کے مریض ٹوٹ پڑے۔ اُس زمانہ میں قصبہ گنگوہ کے اندر مولوی محمد تقی صاحب کے علاوہ اور بھی دو ایک شخص طبیب تھے لیکن حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ پر اس وہبی شفا اور غیبی عطا کے باعث بیمار خلقت کا رجوع اس درجہ بڑھا کہ قریب قریب سب کے سب اس خدمت سے فارغ البال ہو گئے۔ اسکے بعد حضرت کا معمول تھا کہ حسب ضرورت میزان طب پر نظر ڈالتے تھے اور غور و خوض کے بعد جو تدبیر آپ کے ذہن میں قرار پاتی اُسکو عمل میں لاتے تھے چنانچہ جن ایام میں اس فن کو شغل مستقل شروع کیا ہے کسی مذاکرہ کے ذیل میں حضرت نے ارشاد فرمایا تھا کہ "بھائی میں ایسا طبیب ہوں کہ بالاستیعاب ساری میزان طب بھی نہیں دیکھی جب سے اکسیر اعظم میرے پاس آگئی تھی اُسکو حسب ضرورت دیکھ لیتا ہوں ورنہ وہی میزان طب تھی جس سے کام لیا۔"

باایں ہمہ حضرت مولانا قدس سرہ کے معالجات اور تشخیصات ایسے عجیب و نادر اونچے پیمانہ پر بکثرت دیکھے گئے ہیں کہ ناواقفوں کا تو ذکر ہی کیا اچھے اچھے واقفین فن بھی متحیر ہو جاتے تھے۔ آپ کے معالجات عموماً نہایت مختصر اور سہل الحصول ادویہ مفردہ سے ہوتے تھے اسلئے کہ پہلے گنگوہ میں جیسے معمولی طبیب معالج تھے ایسے ہی ادویہ بھی نہایت معمولی اور بوسیدہ ملتی تھیں بلکہ حضرت مولانا اکثر جڑی بوٹیوں اور جنگل کے درختوں کی چھال اور پتوں سے معالجہ فرماتے تھے مرکبات بنانا گنگوہ کے عطار گویا جانتے ہی نہ تھے مولانا ہی نے جب مرکبات سے حسب ضرورت کام لیا تو مرکب ادویہ کا بنانا لوگوں کو معلوم ہوا۔ فہمیدہ عطار پیر جیو محمد جان آپنے

طب [illegible]

ایک رشتہ دار کو بتلایا یا سکھلایا ہوا پایا اور استعمال کیں۔

حضرت کو دیہاتی اَن پڑھ جاہلوں سے بکثرت واسطہ پڑتا تھا اور وہ اپنی طبیعت و عادت کے موافق ترکیب استعمال وغیرہ کے سمجھانے میں اُلجھتے اور موقع و بے موقع انداز سے بار بار ایک بات کو کریدا کرتے تھے حضرت امام ربانی اُن کے لب ولہجہ اور زبان میں انکو سمجھاتے اور کبھی چیں بجبیں یا ترش نہ ہوتے تھے یہاں تک کہ حاضرین جلسہ گنواروں کی گفتگو سے اکتاتے اور اپنے نفس پر بجائے شفقت محسوس کرتے تھے مگر ایسا شخص جو تہذیب نفس میں کامل اکمل ہو اُس پر اس ناگوار مضمون کا ادنیٰ شائبہ کیا پیدا ہوتا تھا آپ خندہ روئی کے ساتھ اُنکی کافی تشفی فرماتے اور جب تک طریق استعمال اچھی طرح اُنکے ذہن نشین نہو جاتا اُسوقت تک آپ بے توجہ نہوتے تھے۔

مستورات کے معالجات میں معمولاً نبض اور کبھی قارورہ دیکھنا آپ کا معمول تھا شرم کے سبب گویا بیان کا عدم تھا۔ اِس پاکیزگی سے معالجہ فرماتے تھے کہ اتفاقاً ہی کسی قابلہ (دائی) سے سوال یا امداد کی ضرورت ہوتی تھی

اکثر ایسا ہوا کہ اطراف و جوانب کے وہ اطبا جو ذی علم اور فن سے پوری واقفیت رکھتے تھے کسی معالجہ میں عاجز آگئے اور حضرت امام ربانی قدس سرہ سے مشورہ لینے کی اُنکو ضرورت پیش آئی حق تعالیٰ کا فضل تھا کہ جس مضمون میں آپ نے مشورہ دیا عموماً اُنھیں کامیابی ہوئی حکیم سرفراز خاں پنڈولی والے غریب سادہ مزاج محب علماء و فقراء طبیب تھے مدت مدید تک کچھ ایسے بخار میں مبتلا رہے جسکے سبب اپنے آپکو مدقوق تجویز کرلیا اور زندگی سے بالکل مایوس ہوگئے ایک بار حضرت مولانا کی زیارت کو حاضر ہوئے اور اپنا حال بیان کیا حضرت امام ربانی قدس سرہ نے محض اُنکی حالت پر نظر فرماکر دوا بتلائی حضرات ناظرین تعجب کرینگے اور کم از کم تبسم بھی کیونکہ جو دوا حضرت نے بتائی تھی وہ عجیب تھی آپ نے فرمایا کہ "خاں صاحب آپ آکھ کے چند پتے زرد شدہ لیکر آگ میں جلائیے اور اُس راکھ کو شہد میں دو تین رتی کی مقدار ملا کر صبح کو چاٹ لیا کیجئے" حکیم صاحب نے اس نرالے کشتہ کے نسخہ کو ٹھنڈے دل سے سُن لیا لیکن چونکہ مُسن بھی تھے اور زندگی سے ناامید ہو چکے تھے اسلئے یہ سمجھکر کہ لاؤ استعمال کرکے دیکھو تو لوں آکھ کے پتے منگا کر اُسکی راکھ کی اور حضرت کی رائے کے موافق استعمال شروع کیا۔ دو تین ہی دن گزرے تھے کہ بیّن نفع محسوس ہوا پھر تو ہمت بڑھی اور خدا کے فضل سے ہفتہ عشرہ میں کلی نفع ہوگیا۔ چنانچہ تندرست ہوکر بستر مرض سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور شکریہ کو گنگوہ بھی تشریف لائے۔ یہ زندگی سے مایوس ہوجانے والے طبیب اب تک زندہ ہیں اسوقت آپکی عمر سو سال کے قریب ہے۔

عسر ولادت کیلئے چرچٹہ کی جڑ ران پر بندھواتے تھے باذن اللہ فوری نفع ہوتا تھا اور اسی ضرورت میں
قند سیاہ اور گنجہ سیاہ۔ جوش دیکر پلواتے تھے۔

آپ کہنہ مدقی میں مصری سطلی ہموزن سفوف کرکے ۲ ماشہ خوراک فرمایا کرتے تھے ملہ

ایک عورت کو عرصہ سے مرض استحاضہ تھا اور بکثرت جاتا تھا اسکا شوہر مجبور ہو کر حضرت کے یہاں حاضر ہوا یہ
شخص مخلص عقیدتمند پڑاوہ گڑھ کا تھا حضرت نے اسکے حسب حال دوا تجویز کی اور فرمایا کہ اینٹ کا کھنوا پانی کے ساتھ پھنکاؤ

ایک بقال شصت سالہ کو لقوہ پڑا ایک طبیب گنگوہی نے اسکی حیثیت سے زیادہ مالی طمع کی جس سے وہ گھبرا
گیا حضرت سے تعلق رکھتا تھا آخر جب آپ تک یہ قصہ پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ "شہد کا استعمال کرو اور پانی کی جگہ
بھی غذا ہی بکثرت کھلاؤ" چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا غالباً تیسرے یا چوتھے دن بالکل صاف ہو گیا۔

ایک شخص نوجوان اٹھارہ سالہ عمر کا حاضر آستانہ ہوا جسکو پانچ سال سے مرض استسقا تھا آپ نے اسکے لئے
دوا تجویز فرمائی کہ عنب الثعلب و رکا سنی پلائی جائے اور روٹی بھی انہیں عرقوں میں کھائی جائے نیز ایک
گرم تندور میں بدن مدفون کرنا بھی تجویز فرمایا چنانچہ اسی سے اس مستسقی کو پندرہ بیس دن میں آرام ہو گیا یہ
شخص اب تک تندرست ہے اسوقت اسکی عمر پینتیس سال کی ہے۔

ایک پٹواری بقال عنین محض تھا اپنے علاج کے لئے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا ناظرین کو تعجب ہوگا
اور ماہرین فن اطبا کو بھی کافی غور کی ضرورت ہوگی حضرت امام ربانی نے تین دانہ بادام اور ایک خرما سوتے
وقت کھا لینے کو ارشاد فرمایا بس اسی دوا سے اسکی حالت درست ہو گئی قوت رجولیت اسمیں آگئی چنانچہ
اسوقت وہ صاحب اولاد ہے اور تندرست۔

ایک جوان ہندو بچہ ورم لثہ میں سخت ایذا اٹھا رہا تھا ناگاہ سامنے آگیا اور حضرت مولانا سے حال بیان کیا
آپ نے منجن تجویز فرمایا جسکے اجزا فلفل سیاہ۔ عاقرقرحا اور پوری ہلدی (دانہ ہلدی) صرف تین تھے سنون کا
استعمال کے لئے بہانہ تھا کہ ادھر ملا گیا اور ادھر نفع محسوس ہوا دو تین ہی مرتبہ میں بالکلیہ آرام ہو گیا۔

ایک شخص نے مرض طحال کے متعلق بیان کیا کہ مجھے اسکی دوا معلوم ہے صرف ایک دن میں آرام ہو جاتا
ہے حضرت مولانا نے دریافت فرمایا کہ اسکا عمل کیا ہے اس شخص نے جواب دیا کہ مریض کو دست اور قے بکثرت
ہوتے ہیں مگر تندرست ہو جاتا ہے اس شخص کو دوا کا نام بتانے میں تامل تھا حضرت مولانا نے یہ سنکر ذرا
تامل فرمایا اور اس دوا کا نام لے دیا وہ شخص حیرت زدہ ہو گیا اور عرض کیا کہ آپکو کیسے معلوم ہوا فرمایا "اتفاقی بات

کہ ذہن میں نام آگیا"

جن معالجات کا تذکرہ کیا گیا ہے واقفین فن کی نظر میں شاید سرسری وقیع نہ ہو مگر نظر غایر کے بعد انصاف سے مجبور او قعت کرنی پڑے گی۔ یہ سلسلہ بھی دیگر عنوانات کی طرح نہایت ہی وسیع ہے لیکن چونکہ جامع کو ہر بحث کا نمونہ دکھانا مدنظر ہے اسلئے استیعاب کی کوشش نہیں کی گئی اور اگر کوشش کی بھی جاتی تو ناممکن تھی اسلئے کہ اس فن کا مشغلہ حضرت کے وصال سے چالیس پچاس سال قبل کا ہے تاہم مختصراً چند کلمے اور بھی لکھے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا قدس سرہ نے اُن امراض کو جن میں معالجین فن علم الابدان پریشان ہو جاتے ہیں اور ادنیٰ کامیابی پر مسرت سے پھول کی طرح کھل جاتے ہیں اور افتخار و مباہات سے مذاکرات کرتے ہیں ایسی سہولت سے کیا ہے کہ بجز امداد غیبی کچھ نہیں کہا جا سکتا مسلول۔ مدقوق۔ مجذوم۔ مبروص وغیرہ بہتیرے مریض آپ کے پاس آئے اور شفایاب ہوئے۔ قدامت زمانہ کی وجہ سے اظہار اسماء دشوار ہے اس وقت ایک شخص مسلول کا نام یاد آگیا ناظرین میں اُسکے واقف بھی بہت سے نکلیں گے اسلئے ظاہر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے پیر جیو نور الحسن گنگوہی جو ریاست ٹانک میں سرکاری ملازم ڈاک تھے سل اور دق میں مبتلا ہو کر حاضر خدمت ہوئے آج اُنکی صحت کو چوبیس سال ہو چکے ہیں کہ مرض کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوا غرض معالجہ اور تشخیص میں جو بات حضرت مولانا کے یہاں دیکھی گئی قابل اطباء کو بھی اُس سے زیادہ ملکہ کیا ہوگا حالانکہ اس فن کو باقاعدہ حاصل کرنا تو کجا معمولاً بھی حسب ضرورت ہی دیکھا تھا کبھی دریافت کا اتفاق نہیں ہوا مگر تشریح کے متعلق بھی جو کچھ آپ نے فرمایا اسکے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ جو کچھ آپ نے دیکھ لیا تھا وہ ازبر تھا اور حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ تھا علم لدنی تھا اور اسکے ساتھ امداد غیبی ۱۲ انتہٰی تحریر الطبیب النحریر۔

ایک مرتبہ مولانا مولوی محمد یحییٰ صاحب خارشت میں مبتلا ہوئے کام تھا ہر وقت حضرت کی خدمت میں حاضر رہنے اور حجرہ شریف میں بیٹھنے کا اس لئے گندھک جیسی بو دار دوا کا استعمال نہ کر سکتے تھے کہ حضرت کو بدبو سے ایذا ہوگی اس بے پروائی سے مرض بڑھتا رہا جب حضرت قدس سرہ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا "مولوی یحییٰ بالائی میں گلاب ملا کر خوب کھاؤ اور گلاب ہی میں کاشغری سفیدہ ملا کر بدن پر مل لیا کرو" مولوی محمد یحییٰ صاحب یوں تو خود ہی لطیف الطبع لطافت پسند تھے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر تو کہنا ہی کیا تھا بڑی خوشی کے ساتھ دوا و غذا کا استعمال کیا چند ہی روز میں خارشت کی خاک اُڑ گئی اور تندرست ہو گئے۔

ایک بار رتیا کی خاصیتیں بیان فرمائیں کہ تمام زہریلے جانوروں کے لئے مفید ہے جس جگہ سانپ

بچھو یا بھڑ کا ٹ کھائے وہاں اسکو مل دیا جائے اور جسکے پیٹ میں کیڑے پڑ جائیں اُسکو تمباکو کا پتہ کھلایا جائے جو لوگ تمباکو کھاتے ہیں اُنپر زہریلے جانوروں کا اثر کم ہوتا ہے اور تمباکو کے کھیت میں سانپ تو جا ہی نہیں سکتا ضرورت کے وقت بول و براز کے لئے تمباکو کے کھیت سے بہتر اطمینان کی کوئی جگہ نہیں ہے اگر کسی شخص کے سانپ کاٹ کھاوے تو حقہ کے نیچہ پر جہاں چلم رکھی جاتی ہے تمباکو کا دھواں جو کیٹ کی طرح جم جاتا ہے کھرچ لیا جائے اور کاٹی ہوئی جگہ پر اُسکا لیپ کیا جائے اور سرمہ کی طرح سلائی میں بھر کر آنکھوں میں اچھی طرح لگا دیا جائے اور اسی کو پانی میں گھول کر اُس شخص کے حلق سے اُتار دیا جائے اگر ہوش ہو تو پلا دیا جائے اور زہر چڑھنے سے بیہوش ہو چکا ہو تو منہ کھولکر کسی تدبیر سے حلق میں ڈالدیا جائے انشاء اللہ نفع ہوگا۔

ڈاکٹر محمد نذیر صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اکثر معدہ کی شکایت رہتی اور قبض میں مبتلا رہتا تھا اور معدہ کی خرابی کے باعث دماغ اور دیگر اعضا پر اُسکا اثر پہنچا اور ضعف بڑھتا جاتا تھا جسوقت گنگوہ حاضر ہوا تو میں نے اپنا مرض جسمانی بھی ظاہر کیا حضرت نے فرمایا "ابی تم تو ڈاکٹر ہو" میں نے عرض کیا کہ حضرت بہتیری ادویہ استعمال کر چکا کچھ نفع نہیں ہوتا آپنے فرمایا چار ماشہ معجون خلاسفہ صبح و شام کھا لیا کرو چنانچہ میں نے اُس کا استعمال شروع کیا بحمداللہ دن بدن نفع بڑھتا گیا یہانتک کہ آج مجھکو معدہ یا دماغ کے متعلق کوئی شکایت نہیں ہے

حضرت مولانا قدس سرہ کا مطب فی الحقیقت کتابی نہ تھا جسکی تدبیر ہو سکے آپکی تشخیص صرف قیاسی کے ملکہ پر نہ تھی بلکہ آئینہ سے زیادہ روشن قلب کی نورانیت تھی جسکے باعث معالجات و تشخیص میں خطا دشوار تھی آپ نہ مریض کو مرض کا نام بتاتے تھے نہ اُسکی توضیح و تفصیل سمجھاتے تھے بلکہ بسا اوقات مریض کو اپنا حال عرض اور کیفیت بیان کرنے کی بھی نوبت نہ آتی تھی کہ آپ مختصر سی دوا بتا کر خاموش ہو جاتے تھے آپکی مقبولیت اور عنداللہ منزلت کا فیضان جسطرح مخلوق کی روحانی تندرستی پر پڑتا تھا اسی طرح جسمانی صحت بھی اُس سے نفع اُٹھاتی تھی آپکی بتائی ہوئی دوا کو مخلوق یوں سمجھ چکی تھی کہ چونکہ علم الٰہی میں مرض کے جانے کا وقت آگیا ہے اسلئے یہاں کی حاضری اور حضرت قدس سرہ کا اس دوا کے متعلق ارشاد تقدیری فرمان کے نفاذ کا حیلہ اور محض ایک بہانہ ہے کہ ادھر اُسکا استعمال ہوا اور ادھر اُسکا نفع معلوم ہوا یہانتک کہ چند دنوں میں کلی صحت حاصل ہو جاتی تھی۔ اس واقعی بات کی شہرت اسدرجہ ہو گئی تھی کہ ہندو بھی اس آستانہ کا چھوڑنا موت سمجھتے تھے جس زمانہ میں صاحبزادہ جناب حکیم مولوی مسعود احمد صاحب ام مجدد دہلی سے فارغ ہو کر فن طبابت میں اکمال حاصل کرکے مدرسہ طبیہ کی مستند و وقیع سند لیکر گنگوہ واپس ہوئے اور مطب جاری فرمایا تھا اسی زمانہ میں

سانپ کے کاٹے کا علاج

ضعف معدہ کا علاج

حضرت مولانا قدس سرہ نے اپنے اس شغل طبابت کو گویا ترک فرما دیا۔ اس شفقت عامّہ کی نیابت خلف الرشید
کے حوالہ فرما کر آپ نے معالجہ سے ہاتھ کھینچا اور جو مریض آتے انکو یہ فرما کر "آپ مسعود احمد کے پاس چلے جاؤ"
ٹال دیا۔ اسپر بھی اکثر مخلص عقیدتمند اصحاب خصوصاً بعض دیہاتی معتقدین ضد کیا کرتے تھے کہ "حضرت نہیں تو
آپ ہی کی دوا سے نفع ہوگا۔" ہر چند کہ آپ اپنے کو اس شغلہ سے بچانے کی کوشش کرتے اور اصرار کرنیوالوں کو
کبھی یہی جواب دیتے تھے کہ مسعود احمد دہلی سے سند لیکر آئے ہیں انھوں نے اس فن کو باقاعدہ پڑھا ہے
میں تو مجبوری کو دوا بتادیا کرتا تھا ورنہ میں نے تو طب پڑھی بھی نہیں ہر کارے وہر مردے انکا علاج علاج ہے
اور میرا بتادینا تو ایسا ہے جیسا بچہ کا تیر کہ کبھی نشانہ پر جا لگا۔ آپ سب ہی کچھ فرماتے مگر جن معتقدین کے قلوب
میں آپ کے الہامی معالجہ اور کشفی تشخیص کا سکہ جم چکا تھا وہ آپ ہی سے دوا دریافت کرتے اور یوں عرض کیا
کرتے تھے کہ حضرت آپ اپنی زبان سے کوئی دوا ارشاد فرمادیں آپکی بتائی ہوئی خاک ہمارے لئے اکسیر سے
زیادہ فائدہ مند ہے چنانچہ آپکو مخلصین کی خواہش پوری کرنی پڑتی اور حسب علالت کوئی مفرد دوا یا جڑی بوٹی
علاج کے لئے بتانی پڑتی تھی

زکام کے لئے اکثر گیہوں کی بھوسی چھ ماشہ کی مقدار اچھی طرح پانی میں جوش دیکر قند سے نمک ملا کر پلواتے
تھے اور اگر زکام کے ساتھ کچھ حرارت محسوس ہوتی اور ہاتھ پاؤں گرتے معلوم ہوتے تو بھوسی میں چھ ماشہ بنفشہ
کا اضافہ فرمادیا کرتے تھے۔ مولانا مولوی محمد حسن صاحب مرادآبادی ایک مرتبہ گنگوہ حاضر ہوئے اور زکام
کی سخت تکلیف سے بیتاب ہوگئے انکو بھی آپنے اسی کا استعمال کرایا اور فرمایا کہ سفر میں دوا بھی سہل ہی ہونی
چاہیئے چنانچہ تیسرے چوتھے دن ہی تندرست ہوگئے۔ قبض کی شکایت میں آپ جس سہل ترین نسخہ کا
استعمال کرایا کرتے تھے وہ یاد رکھنے کے قابل ہے اسلئے کہ یہ شکایت عام طور پر بڑھتی جاتی ہے خصوصاً
جن حضرات کو چلنے پھرنے کا اتفاق کم ہوتا اور ایک جگہ بیٹھا رہنا پڑتا ہے انکو اپنے مزاج سے واقف ہوجانیوالے
طبیب کا مشورہ لیکر استعمال کرنا انشاءاللہ سودمند ہوگا سنامکی کو کوٹکر ہموزن قند سفید ملا لیا جائے اور روزانہ
چھ ماشہ کی پھنکی لیلی جائے صبح کو اجابت ہوجائیگی اور قبض ٹوٹ جائیگا۔ جسدن تکلیف محسوس ہو اسی رات
اس سہل الحصول دوا سے نفع اٹھایا جائے تو کیا اچھا ہو اور اگر دو چار دست کی ضرورت محسوس ہو تو
سنامکی چھ ماشہ استعمال کیجائے۔ بعض دفعہ حضرت مولانا یہ گولیاں جنمیں سیاہ مرچ - ایلوا - اور سہاگہ صرف
تین جزو ہیں گھی کوار کے عرق میں ہموار کر کے بنالیا کرتے تھے اور حسب ضرورت بیماروں کو تقسیم فرمادیا کرتے تھے۔

تپ دق کے مرض میں سہاگہ کی کھیل کر کے شہد میں ملا کر چٹایا جایا کرتے تھے۔ عرق النساء میں ایک مرتبہ ٹی کا تیل پینا تجویز فرمایا اور اس مرض میں مبتلا ہونے والے شخص کو استعمال بھی کرایا فوری نفع ہوا۔ طحال و جگر کے امراض میں دو تولہ شربت بزوری کو آدھ پاؤ عرق کاسنی میں ملا کر پینا مفید فرمایا کرتے تھے۔ طحال میں ایک بار یہ نسخہ تجویز فرمایا ایک ماشہ تخم شبت یعنی سوئے کے بیج دو تولہ گلقند آفتابی میں ملا کر صبح کو چاٹا جائے اور ایک ماشہ سہاگہ تلیا ریاں پھٹکری ایک تولہ سکنجبین سادہ میں ملا کر شام کو چاٹ لیا جائے۔

حضرت مولانا قدس سرہ علاج میں اس کی بہت رعایت فرماتے تھے کہ دوائیں مفرد ہوں اور اگر مرکب بھی ہوں تو بہت ہی کم اجزا ہوں مقدار خوراک بھی اتنی زیادہ نہ ہو جس کا کھانا یا پینا مریض کو ناگوار گزرے بلکہ اگر مزیدار غذا یا کسی لذیذ کھانے سے مرض جاتا رہے تو یہ تجویز سب پر مقدم سمجھی جاتی تھی۔ ایسے عجیب و غریب قصے آپ کی سوانح میں بیسیوں ملینگے جن میں مرض اور علاج میں صورۃً مناسبت نہ ہونے کے باعث ناظرین کو تعجب ہوگا مگر جنہوں نے باوجود عدم تناسب نفع اٹھایا ہے یا تندرست ہونے والوں کو آنکھوں سے دیکھا ہے وہ یہ خوب سمجھتے ہیں کہ آپ کا معالجہ اور طب محض امداد غیبی تھی اور کمال باطنی۔ حضرت قدس سرہ کے معالجات کے تذکرہ سے ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ ناظرین انکو امراض میں استعمال کرنے لگیں اگرچہ عقیدت کی پختگی کے ساتھ حضرت کا ہو جانا حق تعالیٰ کی قدرت و فضل کا ادنیٰ کرشمہ ہے مگر جب روایت و نقل میں بھی احتمال غلطی ہو اور بتانیوالے صاحب کرامت زبان دنیاوی تعلق تکلم ختم کر چکی ہو تو ایسی صورت میں جاری رائے یہی ہے کہ حاذق طبیب سے مشورہ لئے بغیر مندرجہ نسخہ جات کا محض اس عنوان میں دیکھ لینے سے استعمال ہرگز نہ کیا جائے ہاں طبیب کی رائے شامل ہو جائے تو دوسرے نسخوں سے انکو ترجیح ضرور ہے بدیں وجہ چند نسخہ جات درج کر دیئے مناسب معلوم ہوتے ہیں کہ اس حیثیت کا نمونہ بھی تمام ہو جائے۔

جریان۔ پاؤ سیر گائے کا دودھ ہانڈی میں آگ پر رکھا جائے اور چند ماشہ تالمکھانہ اسمیں ملا کر اچھی طرح جوش دیا جائے یہاں تک کہ کھیر ہو جائے اسمیں تولہ ڈیڑھ تولہ اپنی رغبت کے موافق شکر ملا کر صبح کے وقت کھا لیا جائے چند روز استعمال کرنے سے انشاء اللہ مرض جاتا رہیگا۔

اطریفل مقوی دماغ و دافع نزلہ۔ ہیڑ۔ بہیڑہ۔ آملہ۔ دھنیہ چاروں چیزیں پاؤ پاؤ بھر وزن کی لیکر کوٹ لیجائیں اور چھان کر بقدر ضرورت روغن خشخاش میں چرب کر لیجائیں جتنی مقدار تیار شدہ حاصل ہو اس سے دو چند شہد اسمیں ملا لیا جائے اور ایک مرتبان میں رکھکر اسکا منہ تمام کر کے گیہوں یا زمین کے اندر چالیس دن کے لئے دبا کر اسکی حرارت اسکو پکا دے اسکے بعد مرتبان نکالکر دوا کا استعمال شروع کر دے عمر اور مرض کی حالت کے

سوا تین چھ ماشہ سے نو ماشہ تک بوقت صبح خوراک ہے (یہ نسخہ حضرت مولانا کو ایک شخص نے جیلخانہ میں خصوصیت کے ساتھ بتایا تھا)

مقوی دماغ = ناریل خورد - خشخاش - چھوارہ - بادام - دکنی مرچ - کوٹ چھان کر دو چند کھانڈ ملا کر سفوف بنالے اور ایک
۴ تولہ ۱ عدد ۱۲ عدد ۵ شمار ۵ شمار
تولہ سے دو تولہ تک صبح کے وقت استعمال کیا کرے۔

سوزاک و آتشک = ایک تولہ ریوند چینی کو اچھی طرح کوٹ چھان کر دو تولہ شہد میں ملا لے اور تین خوراک بنالے ایک خوراک روزانہ صبح کے وقت کھالیا کرے اگر سردی کا موسم ہو تو باسی پانی اور گرمی کا زمانہ ہو تو برف ملا پانی ہو غرض جسقدر بھی ٹھنڈا پانی ملسکے گھڑا بھر کر رکھ لے اور جتنا بھی پیا جاسکے خوب پیٹ بھر بھر کر پئے یہانتک کہ پیشاب اچھی طرح اور زیادہ مقدار میں آنے لگے انشاء اللہ تین دن میں آرام ہوجائیگا کسی چیز کا پرہیز نہیں ہے البتہ اگر ٹھنڈے پانی کے پینے سے تکلیف معلوم ہو تو تازہ پانی پیا رہے کیسا ہی سوزاک ہو باذن اللہ نفع ہوگا حتیٰ کہ اگر خون بھی آنے لگا ہے تو انشاءاللہ آرام ہوجائیگا - یہ نسخہ آتشک کے لئے بھی مفید ہے گر سوزاک کے لئے خصوصیت کے ساتھ نافع ہے۔

جاڑہ بخار = چھ ماشہ خوبکلاں اور چھ ماشہ سونف دونوں کو آدھ پاؤ پانی میں اتنا جوش دے کہ چھٹانک بھر رہ جائے اگر پی جاسکے ورنہ رغبت ہو تو بقدر ضرورت کچھ میٹھا ملالے اور پی جائے بچہ کے لئے نصف خوراک ہونی چاہئے۔

بواسیر = کوکر چھنڈی جو ایک بودار گھاس کا نام ہے اسکو چھکر مر بھی کہتے ہیں یا اک کے مشابہ ہے عموماً غلاظت کے قرب و جوار میں پیدا ہوتی ہے اسکو کوٹ کر عرق پیا کرے اور اسی کی ٹکیہ نیم گرم کر کے مسوں پر باندھ لیا کرے جبتک پورا فائدہ نہ ہو برابر استعمال کئے جائے انشاء اللہ مسے بھی جھڑ جائینگے اور آئندہ مادہ کو جوش بھی نہ ہوگا۔

وجع المفاصل = سنبھالو کے پتے جسکی مقدار کم سے کم تین ماشہ اور زیادہ سے زیادہ چھ ماشہ ہے حسب مزاج تدریج بڑھائے چاے کی طرح پانی میں جوش دیکر نمک ملا کر گرم گرم پی لیا کرے ریاحی درد کے لئے زیادہ تر نافع ہے۔

کھانسی = نئی ہو یا پرانی اور بلغمی ہو یا خشک انشاء اللہ سب کو نفع ہوگا رب السوس کتھا سپاری مغز بادام مغز چلغوزہ چاروں دواؤں کو ہموزن لیکر کوٹ لے اور مویز منقی (بیج نکالکر) اتنی مقدار میں ملالے کہ گولی بندھ جائے اور چنے کے برابر گولیاں بنا کر رکھ لے ایک گولی منہ میں ڈالکر اسکا عرق چوستا رہے جب وہ ختم ہوجائے تو دوسری گولی منہ میں رکھ لے غرض منہ کو خالی نہیں دن بھر عرق چوستا رہے انشاء اللہ جلد نفع ہوگا اور اگر سفر کی حالت ہو کہ ادویہ کا ملنا مشکل ہو تو صرف کتھا سپاری ہی کو پانی میں گھول کر گولی بنالے اور آہستہ آہستہ چوستا رہے کہ عرق ہلکا ہلکا حلق سے اترتا رہے

سوداویت و حرارت دماغ = پاؤ بھر بکری کے دودھ کو جوش دے اور اسمیں چھ ماشہ اگاس بیل تازہ ملا کر نیچے اتارلے اور کوئی برتن ڈیگچی پر اس طرح ڈھانپ دے جیسے چاے دم کیا کرتے ہیں کہ بھاپ نہ نکلے تھوڑی دیر کے بعد

جب دودھ نیم گرم اور پینے کے قابل ہو جائے تو آگ سے الگ نکالکر پھینکدے اور دودھ کو پی جائے کم سے کم چالیس روز اسکا استعمال کرے دماغی حرارت اور سوداویت انشاء اللہ بالکل جاتی رہیگی یہانتک کہ اگر مراق بلکہ جنون تک بھی نوبت پہونچگئی ہے تو باذن اللہ نفع ہوگا۔ گرم چیزوں سے پرہیز کرے اور گوشت کھانیکو جی چاہے تو مرغی کے چوزے کھائے بلکہ کیا عجب ہے کہ اس سے نفع زیادہ ہو۔ تپ کہنہ کے لئے بھی اسکو مفید فرمایا۔

پھران۔ شہد کی بوٹی کے پتے چھ ماشہ کی مقدار لیکر تین دانہ سیاہ مرچ کے ساتھ دو تولہ پانی میں ملاکر پیسے اور مریض کو پلادے کئی دن استعمال کرے جس شخص کے مزاج میں حرارت ہوگی اسکو انشاء اللہ زیادہ تر نفع ہوگا جذام کے موذی مرض تک کو باذن اللہ فائدہ پونہچائیگا۔

مصفی خون۔ برادہ شیشم، نیب کی چھال، سرس کی چھال، کیکری یعنی صحرائی انجیر کا بکل چاروں اجزا ہموزن ملاکر بھبکے یا قرع انبیق میں عرق کھچوالے تین تولہ سے پانچ تولہ تک حسب مزاج و موسم و عمر صبح و شام دو وقت پیا کرے اور عرق کی کشید میں دقت یا ناکامی ہو تو یوں ہی پانی میں جوش دیکر روزانہ پیا کرے اور روزانہ جوش کرنے میں بھی حرج ہو یا سامان مہیا نہو سکے تو برادہ شیشم اور نیب کی چھال کو پانی میں بوقت شب بھگوکر رکھ لے اور صبح کو چھانکر پیا کرے

حضرت امام ربانی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہونے والے اصحاب میں زیادہ تر وہ اصحاب تھے جنکے دماغ ضعیف ہو چکے یا ہوتے جاتے تھے یعنی طلبہ و علماء کی جماعت جنکے دماغ میں مشغلہ درس و تدریس اور شبانہ روز مصروفیت تعلیم و تعلم کے باعث اسقدر ضعف لاحق ہوتا تھا کہ ہر وقت سر میں درد رہتا، بصارت کمزور ہو جاتی، بھوک کی خواہش کم پڑ جاتی اور دماغی محنت و کمزوری کے سبب طرح طرح کے امراض پیدا ہونے لگتے تھے یا ذاکرین و شاغلین طالبین کا گروہ کہ نیند کو کم کرتے اور ذکر بالجہر یا قوت خیالیہ و فکریہ سے رات دن کام لینے کے باعث دماغ میں ضعف آجاتا اور یبوست غالب ہو جاتی تھی اسلئے آپ ان دونوں فریق کے لئے تقویت دماغ کا یہ نسخہ تجویز فرماتے تھے اور خود بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔ سیر بھر دھنیا اور سیر بھر گیہوں لیکر دونوں کو علیحدہ علیحدہ بھاڑ میں بھنوائے اور چکی میں پسوالے پیسنے کے بعد دونوں کو ہموزن کرکے ملالے انمیں ہر ایک سے نصف وزن یعنی آدھ سیر خشخاش بھی پیسکر ملالے اور تین پاؤ مصری میں تینوں اجزا کا قوام کرکے چار چار تولہ کے لڈو باندھ لے روزانہ صبح کو وقت ایک لڈو کھایا کرے۔ تقویت دماغ کے لئے مولوی محمود احمد صاحب مرحوم کو جو نسخہ آپنے مرحمت فرمایا تھا اسپر مضمون کو ختم کرتا ہوں واللہ اعلم و ہو الشافی والکافی۔ پوست ہلیلہ زرد۔ پوست بہیڑہ۔ آملہ۔ اسطوخودوس۔ ناگر موتھا۔

۳ تولہ ۳ تولہ ۳ تولہ ۲ تولہ ۱ تولہ

لونگ۔ دارچینی۔ مصطگی کوفتہ در شہد خالص آمیختہ دارند شش ماشہ صبح و شام بخورانند۔

۱ تولہ ۱ تولہ ۱ تولہ ۶ ماشہ

الزام بغاوت اور اس کی کیفیت

کیا ظلم و ستم ہے کہ سمجھے یہ جہاں کو	افساد و ستم پیشہ و سفاک کہا جائے
جو گوشہ نشیں خود ہی گرفتار محن ہے	کس منہ سے اسے مفسد و چالاک کہا جائے

شروع ۱۲۷۴ھ ہجری یعنی ۱۸۵۷ء وہ سال تھا جس میں حضرت امام ربانی قدس سرہ پر اپنی سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا اور مفسدوں میں شریک رہنے کی تہمت باندھی گئی۔ اس وحشتناک قصہ کا بقدر ضرورت تذکرہ بھی چونکہ سوانح کا جزو لازم ہے اسلئے مناسب ہے کہ ابتداء واقعہ سے لیکر انتہا تک اجمالی بیان کر دیا جائے۔

رمضان ۱۲۷۳ھ یعنی مئی ۱۸۵۷ء کا وہ خونی زمانہ جسکے تصور سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے ہندوستان کیا بلکہ دنیا بھر میں ایسا مشہور و معروف ہے کہ شاید دوسرا ہو۔ سلطنت مغلیہ کا آخری دور اور لبریز ہو جانے والے پیمانہ شاہی کا پچھلا قطرہ یعنی بدنصیب خانماں برباد بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی کا وہ بد انجام سماں تھا جس میں کارتوسوں پر چربی لپیٹے جانے کی جھوٹی افواہ اڑی اور غدر برپا کرنے کے چھپے کھلے مجمعوں میں چرچے شروع ہوئے تھے۔ تباہ ہونے والی رعایا کی نحوست تقدیر نے انکو جو کچھ بھی سمجھایا اسکا انہوں نے نتیجہ دیکھا اور آگلی نسل دیکھ رہی ہے۔ جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔ فوجیں باغی ہوئیں حاکم کی نافرمان بنیں قتل و قتال کا بند بازار کھولا اور جو افسری کے غرہ میں اپنے پیروں پر خود کلہاڑیاں ماریں۔ اس بھیانک منظر میں ہزار ہا بندگان خدا ناکردہ گناہ بھی پھانسی چڑھائے گئے جنکے بچے یتیم اور بیبیاں بیوہ ہوئیں۔ اطراف کے شہر شہر اور قصبہ قصبہ میں بدامنی پھیل گئی۔ حاکم کے انتظام کا اٹھنا تھا کہ باہم رعایا میں برسوں کی دبی ہوئی عداوت نکلنے اور خدا جانے کس کس بات کے انتقام لینے کا وقت آگیا کہ جدھر دیکھو مارپیٹ اور جس محل پر نظر کرو معرکہ آرائی و جنگ۔ اسی بد انجام قصبہ میں تھانہ بھون کا وہ فساد واقع ہوا جسمیں قاضی محبوب علی خان کی مخبری سے حضرت مولانا پر مقدمہ قائم ہوا جسکی ابتداء یہ تھی کہ تھانہ کے رئیس قاضی عنایت علیخاں کا چھوٹا بھائی عبدالرحیم خان جو ہاتھی خریدنے سہارنپور گیا۔ وہاں اس آفت رسیدہ کا کوئی پرانا قدیمی دشمن کئی دن سے ٹھہرا ہوا تھا جسکو زمینداری معاملات میں عبدالرحیم کے ساتھ خاص عداوت تھی۔ دشمن نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً حاکم ضلع سے جا رپورٹ کی کہ خان موصوف باغی و مفسد ہے چنانچہ دہلی میں کمک بھیجنے کے لئے ہاتھی خریدنے سہارنپور آیا ہوا ہے۔ زمانہ تھا نازک اور احتیاط کا ہی مقتضیٰ

اور گنگوہ اور تھانہ بھون کے نیک دل سرکاری خیر خواہ زمیندار کو مظلوم بھائی سے دنیا میں ہمیشہ کے لئے جُدا ہو جانے کی خبر ملی۔

اس بدامنی کی حالت میں جسکو قصہ کی اصلیت ظاہر کرنے کے لئے مختصر الفاظ میں حاشیہ پر درج کر دیا گیا ہے عام باشندگان قصبہ کی یہ حالت ہوئی گویا انگریزی و منتظم بادشاہ سر سے اٹھ گیا اور شرعی و طبعی ضروریات و خصومات میں بھی کوئی خبر گیراں نہ رہا جسکی رائے پر عمل کریں پس یہ لوگ اعلحضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بلا کسی حاکم کی سرپرستی کے گزران دشوار ہے گورنمنٹ نے باغیوں کی بغاوت کے باعث اپنا امن اٹھا لیا اور بذریعہ اشتہار عام اطلاع دیدی ہے کہ اپنی اپنی حفاظت ہر شخص کو خود کرنی چاہئے اسلئے آپ چونکہ ہمارے دینی سردار ہیں اسلئے دنیاوی نظم حکومت کا بھی بار اپنے سر رکھیں اور امیر المومنین بنکر ہمارے باہمی قضیے چکا دیا کریں۔ اسمیں شک نہیں کہ اعلحضرت کو انکی درخواست کے موافق اپنے سر پر یہ بار رکھنا پڑا اور آپنے دیوانی و فوجداری کے جملہ مقدمات شرعی فیصلہ کے موافق چند روز تک قاضی شرع بنکر فیصل بھی فرمائے۔ اسی قصہ نے مفسدوں میں شریک ہونیکی راہ چلائی اور مخبروں کو جھوٹی سچی مخبری کا موقع دیا۔ حضرت امام ربانی قدس سرہ دس برس ہوئے اعلحضرت کو اپنے دین و دنیا کا سردار بنا ہی چکے تھے ہمیشہ آمد و رفت رہتی ہی تھی اب جبکہ ہر چہار طرف بدامنی تھی آپ کے لئے یہاں حاضر رہنے سے زیادہ بہتر کوئی جگہ دنیا میں نہ تھی ادھر اعلحضرت کو حکومت کے فیصلے اور شرعی قضا میں لوگوں کی ضرورت تھی کہ حق بات میں اعانت کرتا رہے اس لئے آپ اور مولانا محمد قاسم صاحب مع دیگر خدام کے یہیں رہ پڑے۔

اتنی بات یقینی ہے کہ اس گھبراہٹ کے زمانہ میں جبکہ عام لوگ بند کواڑوں گھر میں بیٹھے ہوئے کانپتے تھے حضرت امام ربانی اور نیز دیگر حضرات اپنے کاروبار نہایت ہی اطمینان کے ساتھ انجام دیتے اور جس شغل میں اس سے قبل مصروف تھے بدستور ان کاموں میں مشغول رہتے تھے کبھی ذرہ بھر اضطراب نہیں پیدا ہوا اور کسی وقت سر برابر تشویش لاحق نہیں ہوئی آپکو اور آپ کے مختصر مجمع کو جب کسی ضرورت کے لئے شاملی کرانہ یا مظفر نگر جانیکی ضرورت ہوئی غایت درجہ سکون و وقار کے ساتھ گئے اور طمانینت قلبی کے ساتھ واپس ہوئے۔ ان ایام میں آپکو ان مفسدوں سے مقابلہ بھی کرنا پڑا جو غول کے غول پھرتے تھے۔ حفاظت جان کے لئے تلوار البتہ پاس رکھتے تھے اور گولیوں کی بوچھار میں بہادر شیر کی طرح بکھے بچے آتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم اور طبیب روحانی اعلحضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے

ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں سے مقابلہ ہوگیا۔ یہ مرد آزاد دلیر جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگ جانے یا پیٹھ پھیر جانے والا نہ تھا اس لئے اٹل پہاڑ کی طرح یا جا کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جان نثاری کے لئے طیار ہوگیا۔ شیر سے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لئے ہجوم غفیر بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے ہیں چنانچہ آپ پر فیر ہوئیں اور حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیر ناف گولی کھا کر شہید بھی ہوئے۔

حضرت مولانا قاسم العلوم ایک مرتبہ یکایک سر پکڑ کر بیٹھ گئے جس سے دیکھا جانا کہ کنپٹی میں گولی لگی اور دماغ پار کر کے نکل گئی۔ اعلیٰحضرت نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھا اور فرمایا "کیا ہوا؟ میاں" عمامہ اتار کر سر کو جو دیکھا کہیں گولی کا نشان تک نہ ملا اور تعجب یہ ہے کہ خون سے تمام کپڑے تر۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کو خادمانہ و مریدانہ تعلق پر اعلیٰحضرت کے ساتھ تو جو کچھ وابستگی تھی وہ تھی ہی مگر چچا پیر حضرت حافظ ضامن صاحب کے ساتھ بھی نہایت ہی درجہ مخلصانہ انس تھا اور حافظ صاحب بھی مولانا کے گویا جان نثار و عاشق تھے اسی گھمسان میدان میں مولانا کو پاس بلایا اور فرمایا "میاں رشید احمد اگر میں مرنے لگوں تو تم میرے پاس ضرور ہونا" تھوڑی دیر گزری تھی کہ حافظ صاحب دھم سے زمین پر گرے معلوم ہوا کہ گولی کاری لگی اور خون کا فوارہ بہنا شروع ہوا۔ حافظ صاحب کا زخم سے چور ہو کر گرنا تھا اور حضرت امام ربانی کا لپک کر تڑپتی نعش کا کاندھے پر اٹھانا۔ قریب کی مسجد میں لائے اور حضرت کا سر اپنے زانو پر رکھ کر تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئے۔

دیکھنے والوں سے سُنا ہے کہ حضرت مولانا کی اس مردانگی پر تعجب تھا کہ کس اطمینان کے ساتھ سنسان مسجد میں تنہا بیٹھے ہوئے اپنے نور دیدہ چچا کے سفر آخرت کا سماں دیکھ رہے اور اپنے عاشق محبوب کی نزع کا آخری وقت نظارہ کر رہے تھے۔ آنکھوں میں آنسو تھے اور زبان پر کلام اللہ یہاں تک کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آپ کے زانو پر سر رکھے رکھے وصال ہوگیا اور حضرت مولانا چچا کی وصیت کو پورا کرنے کے باعث مسرور ہو کر باطمینان اٹھ کھڑے ہوئے۔ بزرگوں سے سُنا ہے کہ حضرت حافظ صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تمامی نسبت حضرت قدس سرہ کی طرف منتقل ہوئی۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اللہ اللہ جس بزرگ نے دس برس ہوئے اعلیٰحضرت سے سفارش کر کے حضرت مولانا کو بیعت کرایا اور دعا کے ایک کلمۂ الخیر سے ہمدردی ظاہر فرمائی تھی وہ قدسی نفس مرتے آخری وقت میں اس آخری خدمت کا عوض

کے لئے قدرت کی طرف سے تجویز ہوا تھا جس میں نہ کوئی پاس تھا نہ قریب۔ یگانہ تھا نہ بیگانہ۔ آخر جب مفسدوں کی معرکہ آرائی سے پیچھا چھوٹا تو حضرت اپنے شہید وفادار حافظ عربی کی نعش کو کاندھے پر لیکر اٹھے اور چارپائی پر لٹا کر کچھ بعد دیگرے تھانہ میں بسمت مغرب زمین کی گود کے حوالہ کیا۔

جب بغاوت وفساد کا قصہ فرو ہوا اور رحمدل گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ غلبہ پاکر باغیوں کی سرکوبی شروع کی تو جن بزدل مفسدوں کو سوائے اسکے اپنی رہائی کا کوئی چارہ نہ تھا کہ جھوٹی سچی تہمتوں اور مخبری کے پیشہ سے سرکاری خیرخواہ اپنے کو ظاہر کریں انہوں نے اپنا رنگ جمایا اور ان گوشہ نشین حضرات پر بھی بغاوت کا الزام لگایا اور یہ مخبری کی کہ تھانہ کے فساد میں اہل اصول یہی لوگ تھے اور شاملی کی تحصیل پر حملہ کرنے والا یہی گروہ تھا بستی کی دو کانوں کے چھپر انہوں نے تحصیل کے دروازہ پر جمع کئے اور اس میں آگ لگادی تھی کہ جسوقت آدھے کواڑ جل گئے ابھی آگ بجھنے بھی نہ پائی تھی کہ ان بدمعاشوں نے جلتی آگ میں قدم بڑھائے اور بھڑکتے ہوئے شعلوں میں گھسکر خزانہ سرکار کو لوٹا تھا حالانکہ بیچارے کمبل پوش فاقہ کش نفس کش حضرات فسادوں سے کوسوں دور رہتے تھے ملک ومال کے جھگڑے اگر سر رکھتے تو یہ صورت ہی کیوں ہوتی کوئی کہیں کا ڈپٹی ہوتا اور کوئی کسی جگہ کا صدر الصدور، کچہری کے عالیشان کمرے اور عدالت کے وسیع اور اونچی چھتوں والے مکانات کو چھوڑ کر قبر کی تنگی یاد دلانے والے حجروں اور کھرے بوریے کے فرش والے تاریک گوشوں میں کیوں پڑتے مگر ؎

کون سنتا ہے کہانی میری اور پھر وہ بھی زبانی میری

بڑی مصیبت یہ تھی کہ حکام کے سامنے جانے کا کبھی انکو اتفاق نہیں ہوا ملزم ومجرم بننے کا موقع ہی نہیں ملا کہ براءت اور صفائی کا طریقہ معلوم ہو۔ نہ اتنی دنیاوی عزت کہ جسکا کوئی لحاظ کرے نہ وہ چہل پہل اور سبز تکلف شناسائی کہ جسکا پاس ہو نہ پاس روپیہ کہ بذریعہ وکالت اس الزام کو اٹھائیں اور خرچ کریں۔ یہ ایسی اندھی جنگ بغاوت کبھی دیکھی یا سنی کہ جسکے تجربہ سے کچھ بھی واقفیت ہوتی آخر بادل دردمند اپنے مالک جل وعلی شانہ کی طرف متوجہ ہوئے اور جو حکم غیب سے صادر ہوا اسپر کاربند ہونے کے منتظر وآمادہ۔ حق تعالی کا شکر ہے کہ سچ سچ ہو کر رہا اور جھوٹ جھوٹ ان حضرات پر اتہام کا بحمد اللہ کوئی ثمرہ مرتب نہ ہوا گو خدائی آزمائش میں چھڑ چھڑائے گئے۔ پریشانیاں اٹھائیں کو نت سہی روپوش رہے مگر انجام کار حق کو غلبہ ہوا اور "دودھ کا دودھ پانی کا پانی" ان پاک نفوس اور ملکوتی صفات بدنوں پر آنچ نہ آئی۔

اعلحضرت قدس سرہ نے اسی قصہ میں اپنے شیدائی بچوں یعنی مولانا قاسم العلوم اور خلف الرشید امام

ربانی کو الوداع کہا کہ اب ارض ہند میں یکجائی تنگ و ناگوار ہے اور یہ دونوں لاڈلے بچے اپنے غمخوار روحانی باپ سے
بادل ناخواستہ تن بتقدیر رخصت ہوئے۔ اعلیٰحضرت نے چند روز انبالہ کڑی پنجلاسہ وغیرہ مواضع وقصبات
میں اپنے تئیں چھپایا اور آخر براہ سندھ وکراچی عرب کا راستہ لیا۔ ہندوستان کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہی اور
بادبانی جہاز پر سوار ہوکر مکہ معظمہ پہنچے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیوبند اور امام ربانی
قدس سرہ نے گنگوہ مراجعت فرمائی۔

انہیں ایام روپوشی میں مولانا قاسم العلوم کو ملیا کھیڑہ، آگے وہ پنجلاسہ اور چھٹمل پور کئی دفعہ آنے
جانے کا اتفاق ہوا اور امام ربانی قدس سرہ نے قیام زیادہ تر گنگوہ یا رامپور میں کیا مگر اپنے پادری جیون کی
میں آخری زیارت کے شوق سے بیتاب ہوکر انبالہ کڑی اور پنجلاسہ کے سفر کو اٹھے اور معمولاً مخفی طور پر ان
حق کو ادا فرماکر واپس وطن ہوئے اس زمانہ کی حکایات ایسی عجیب وغریب گزری ہیں کہ اگر کچھ بھی کرامتوں کے
ذکر پر اکتفا کیا جائے تو کئی ورق چاہئیں اس لئے انکو تفصیلاً چھوڑتا ہوں اور ضروری مضمون پر اکتفا کرتا ہوں۔

چونکہ حضرت کے نام بھی وارنٹ گرفتاری جاری ہوچکے اور گرفتار کنندہ کے لئے صلہ تجویز ہوچکا تھا
اسلئے لوگ تلاش میں ساعی اور جراءت کی تگ و دو میں پھرتے تھے اعلیٰحضرت نے وطن کو خیرباد کہی اور بیت
الحرمین گھر سے باہر نکلے چونکہ مولانا گنگوہی سے زیادہ تعلق تھا اس لئے آخری ملاقات کے لئے گنگوہ تشریف
لائے۔ اس وقت حضرت مولانا قدس سرہ کی جنت آب صاحبزادی یعنی حافظ محمد یعقوب صاحب کی والدہ ماجدہ
کی عمر دو سال کی تھی جس وقت پنجلاسہ سے عنبہٹہ انبالہ میں پہنچے ہیں تو راؤ عبد اللہ خاں رئیس کے اصطبل سے ملحق
کی ویران و تاریک کوٹھری میں مقیم تھے ایک روز اسی کوٹھری میں وضو فرماکر چاشت کی نماز کے ارادہ سے مصلی
بچھایا اور جان نثار خدام حاضر جلسہ سے فرمایا کہ آپ لوگ جائیں میں نفلیں پڑھ لوں۔ راؤ عبد اللہ خاں اعلیٰحضرت کے
بڑے جان نثار خادم اور مشہور مرید تھے گھر کے خوشحال زمیندار اور سرکار کے نزدیک باوجاہت شخص سمجھے جاتے
تھے۔ سمجھتے تھے کہ اعلیٰحضرت پر جو الزام لگایا گیا ہے اسکے قائم ہوتے اپنا مکان کھول دینا دنیاوی حیثیت سے
کس درجہ خطرناک ہے کیونکہ باغی کی اعانت بھی سرکاری بغاوت میں شمار ہے مگر انکے ساتھ ہی غلبہ حب دین
اور فرط عشق میں اس درجہ مغلوب تھے کہ نہ مال کی پرواہ تھی نہ جان کی۔ خدا کی شان کہ جس وقت راؤ عبد اللہ
خاں اعلیٰحضرت کو تحریمہ باندھتے نوافل میں مشغول چھوڑ کر کوٹھری سے باہر نکلے اور پٹ بند کرکے اصطبل کے
دروازہ کے قریب پہنچے ہیں تو سامنے سے دو شخص کو آتے دیکھا اور ہکا بکا ششدر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

خدا جانے مخبر کون اور کس بلا کا پتلہ تھا جس نے عین وقت پر روپوشی کی کوٹھری تک متعین کر دی تھی چنانچہ ترورش اصطبل کے پاس پہنچی اور افسر نے مسکرا کر راؤ صاحب سے ادھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں گویا اپنے نا وقت آنے کی وجہ کو چھپایا۔ جہاں دیدہ و تجربہ کار راؤ صاحب دور ہی سے تاڑ گئے تھے کہ "این گل دیگر شگفت" مگر بات نہ جانے بدن نہ جانے رنج اپنی جان یا عزت کے جانے ریاست و زمینداری کے ضبط ہونے و انگریزوں کے ہاتھوں پہنچنا نہ پہنچتے یا پھانسی پر چڑھ کر عالم آخرت کا سفر کرنے کی قطعی پرواہ تھی اگر فکر و رنج یا حزن و افسوس تھا تو یہ کہ بجائے غلام کے خود سے وہ گرفتار ہو اور عبداللہ خان کی نظر کے سامنے اسکو جان سے زیادہ عزیز شیخ پابہ زنجیر کیا جائے مگر اسکے ساتھ ہی راؤ صاحب ایک جوانمرد مستقل مزاج نہایت دلیر اور قوی القلب راجپوت تھے تشویش کو دل میں دبایا اور چہرہ یا حصہ پر کوئی بھی اثر اضطراب کا محسوس نہ ہونے دیا مسکرا کر جواب دیا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

ترورش کا افسر گھوڑے سے اترا اور یہ کہکر کہ "میں نے آپ کے یہاں ایک گھوڑے کی تعریف سنی ہے اسلئے بلا اطلاع یکایک آنے کا اتفاق ہوا" اصطبل کی جانب قدم اٹھائے۔ راؤ صاحب "بہت اچھا" کہکر ساتھ ساتھ ہو لئے اور نہایت ہی اطمینان کے ساتھ گھوڑوں کی سیر کرانی شروع کی۔ افسر بار بار راؤ صاحب کے چہرہ پر نگاہ جماتا اور اس درجہ مطمئن پاکر کبھی مخبر کی دروغگوئی کا غصہ اور کبھی اپنی ناکامی و تخفیف سفر کا افسوس لاتا تھا یہاں تک کہ گھوڑوں کی دیکھ بھال کرتا ہوا حاکم اسی حجرہ کی طرف بڑھا جس میں اعلیٰحضرت کی سکونت کے مخبر نے پورا پتہ دیا تھا اور یہ کہکر کہ "اس کوٹھری میں کیا لگا اس بری جگہ ہی ہے" اسکے پٹ کھلوائے راؤ عبداللہ خان کی اسوقت جو حالت ہوئی ہوگی وہ انہیں کے دل سے پوچھا چاہیئے سمجھتے تھے کہ تقدیر کے آخری فیصلہ کا وقت آگیا اور پیمانہ حیات لبریز ہو کر اچھلا چاہتا ہے اسلئے راضی برضا ہو کر "جی ہاں" کہا اور حکم گرفتاری کے منتظر کھڑے ہو گئے۔

خداوندی حفاظت کا کرشمہ دیکھئے کہ جسوقت کوٹھری کا دروازہ کھلا ہے تخت پر مصلیٰ ضرور بچھا ہوا تھا لوٹا رکھا ہوا اور نیچے وضو کا پانی البتہ بکھرا ہوا پڑا تھا مگر اعلیٰحضرت حاجی صاحب کا پتہ بھی نہ تھا۔ افسر متحیر و حیران اور راؤ عبداللہ خان دل ہی دل میں شیخ کی عجیب کرامت پر فرحان و شاداں کچھ عجیب سماں تھا کہ حاکم نہ کچھ دریافت کرتا ہے نہ استفسار کبھی اوپر دیکھتا ہے کبھی اِدھر آخر مخبر کی دھوکہ دہی سمجھکر بات کو ٹالا اور کہا کہ خانصاحب "یہ لوٹا کیسا اور پانی کیوں پڑا ہے؟" راؤ صاحب بولے جناب اس جگہ ہم مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور وضو میں منہ ہاتھ دھونا

کرتے ہیں چنانچہ ابھی آپ کے آنے سے دس منٹ قبل اسی کی تیاری تھی۔" افسر نے ہنس کر کہا کہ "آپ لوگوں کی نماز کے لئے تو مسجد ہے یا اصطبل کی کوٹھری؟" راؤ صاحب نے فوراً جواب دیا کہ "جناب مسجد فرض نماز کے لئے ہے اور نفل نماز ایسی ہی چھپی جگہ پڑھی جاتی ہے جہاں کسی کو پتہ بھی نہ چلے۔" لاجواب جواب سنکر افسر نے پیٹ بلا کر اور اصطبل کے چاروں طرف غائر نظر دوڑانے کے بعد باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو یہ کلمات کہکر رخصت ہوا "راؤ صاحب معاف کیجئے آپکو اسوقت ہماری وجہ سے بہت تکلیف اٹھانا پڑی اور پھر بھی ہمیں کوئی گھوڑا پسند نہ آیا"

راؤ عبداللہ خاں صاحب کی نظر سے دروش کے سوار جب اوجھل ہوگئے تو واپس ہوئے اور کوٹھری کھول دیکھا کہ اعلیٰحضرت نماز سے سلام پھیر چکے اور مصلے پر مطمئن بیٹھے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند میں روپوش تھے۔ ایک روز زنانہ مکان کے کوٹھے پر مردوں میں سے کوئی تھا انہیں زینہ میں آکر فرمایا "پردہ کرلو میں باہر جاتا ہوں" عورتوں سے رک نہ سکے باہر چلے گئے۔ جا رہے تھے کہ دروش راستہ میں ملی آپ ہی کی گرفتاری میں تھی۔ خدا کی شان ہے کہ ایک شخص نے آپ ہی سے پوچھا کہ "مولوی محمد قاسم کہاں ہیں؟" آپ نے ایک قدم آگے بڑھا کر پچھلے پاؤں کی جا نظر ڈالی اور فرمایا "ابھی تو یہاں تھا" یہ فرما کر آپ آگے چلے گئے اور دروش نے مکان پر جاکر تلاشی لی آخر ناکام واپس ہوئے۔ ہرچند کہ یہ حضرات حقیقۃً بے گناہ تھے مگر دشمنوں کی یاوہ گوئی نے انکو باغی و مفسد اور مجرم و سرکاری خطاوار ٹھیرا رکھا تھا اسلئے گرفتاری کی تلاش تھی مگر حق تعالیٰ کی حفاظت پر سر تھی اسلئے کوئی آنچ نہ آئی اور جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیرخواہ تھے تازیست خیرخواہ ہی ثابت رہے ہاں چند روز کی تفریق بین الاحباب مقدر تھی وہ اٹھائی تھی سو اٹھائی اور اس ضمن میں کرامات و خوارق عادات غیبی حفاظت کے سامان اور سچائی ثابت ہونے کے اسباب ظاہر ہوئے اس قصہ کے بعد مولانا مسجد میں رہتے اور کوئی کسی قسم کا تعرض نہ کرتا تھا۔

حضرت امام ربانی قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کو اس سلسلہ میں امتحان کا بڑا مرحلہ طے کرنا تھا اسلئے گرفتار ہوئے اور چھ مہینے حوالات میں بھی رہے آخر جب تحقیقات اور پوری تفتیش و چھان بین کالشمس فی نصف النہار ثابت ہوگیا کہ آپ پر جماعت مفسدین کی شرکت کا محض الزام ہی الزام اور بہتان ہی بہتان ہے اسوقت رہا کئے گئے اور آپ بخیر و عافیت وطن مالوف کو واپس آگئے۔

گرفتاری و حوالات اور رہائی و براءت

دردِ دل کا کچھ درماں کیجیے	لوحِ دل پر غم کا افسانہ لکھیے	ذکرِ عالم کو چاہِ حزن میں	یوسفِ ثانی کو زنداں بھیجیے

جب اعلیٰحضرت سے رخصت ہوکر امام ربانی گنگوہ واپس ہوئے تو نہایت درجہ محزون و مغموم۔ اس وقت سینکڑوں افواہیں رات دن میں مشہور ہوتی تھیں اور ہزاروں جھوٹی سچی گپ شپ اڑا کرتی تھیں۔ جدھر جائیے یہی تذکرہ تھا کہ فلاں کو پھانسی دیا گیا اور فلاں شخص قتل کیا گیا۔ ادھر جہاں دیکھئے یہی ذکر مذکور کہ وہ باغی سمجھا گیا اور اسکو بجرم فساد سولی چڑھا دیا گیا۔ وہ روپوش ہے اور اسکی تلاش ہے۔ غرض ایسی گھبراہٹ کا گھمسان تھا کہ ہر صورت موجودہ ہوجانے کا ہر وقت خطرہ تھا اور ہر بچہ کو قدم قدم پر یتیم ہوجانے کا اندیشہ و غم۔ حضرت مولانا کو یہ بات معلوم ہوچکی تھی کہ آپ کا نام بھی مشتبہ اور قابل اخذ مجرموں کی فہرست میں درج ہوچکا ہے اور آپکی گرفتاری و تلاش میں روز و شب کوشش ہو رہی ہے مگر آپ مستقل بنے ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے اور سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اُسے اختیار ہے جو چاہے کرے اپنا تو بال برابر بھی فکر نہ تھا البتہ جب مفارقت احباب کا سوال پہنچتا تو آپکی زبان پر یہ قطعہ آجاتا۔ قطعہ

شَیْئَانِ لَوْ بَکَتِ الدِّمَاءَ عَلَیْہِمَا عَیْنَایَ حَتّٰی تُؤْذِنَا بِذَہَابِ
لَمْ یَبْلُغَا الْمِعْشَارَ مِنْ حَقَّیْہِمَا فَقْدُ الشَّبَابِ وَ فُرْقَۃُ الْاَحْبَابِ

سب سے زیادہ اپنے روحانی باپ اعلیٰحضرت کی مفارقت اور ہندوستان میں یتیم رہجانے کا غم تھا جو آپ کو کسی کروٹ چین نہ لینے دیتا تھا راتوں آپکو اس رنج میں نیند نہ آتی اور دنوں آپ اس دھن میں رہتے کہ کسی طرح اعلیٰحضرت کی ایک دفعہ اور زیارت کرلوں مگر جائیں تو کہاں جائیں اور ملیں تو کسطرح نہیں معلوم اعلیٰحضرت کی کونسی جائے قیام معین نہ بحالت روپوشی کسی جگہ کا تعین آخر شدہ شدہ آپکو پھلاسہ کا پتہ چلا اور آپ بسم اللہ کہکر گنگوہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ راتوں چلتے دنوں چھپتے خاردار جنگل پیدل قطع کرتے تھکری پہنچے اور حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپوری کے مکان پر مقیم ہوئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مولانا عبدالرحیم صاحب کو طفولیت میں حضرت امام ربانی کی زیارت ہوئی اور آفتاب عالم کو اپنے گھر کا مہمان بنا دیکھا۔ حضرت مولانا نے نہایت شفقت کے ساتھ آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا پڑھکر دم فرمائی۔

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدظلہ کے والد ماجد راؤ اشرف علیخان گھری کے خوشحال زمیندار اور نہایت نیک خیال دیندار شخص تھے۔ راؤ صاحب کا حضرت مولانا سے کوئی تعارف نہ تھا مگر حسن اتفاق تھا کہ راؤ صاحب کو یہ انمول جواہرات گھر بیٹھے بلا طلب حاصل ہوئے اسوقت مولانا عبدالرحیم صاحب کی عمر صرف تین یا چار سال کی تھی۔ راؤ صاحب نے کچھ عجیب خلوص کے ساتھ مسافر مہمان کی مدارات کی اور شب کو بیعت کی درخواست کرنے لگے۔ حضرت مولانا نے انکار فرمایا اور کہا کہ اعلیحضرت ابھی تشریف فرما ہیں اگر یہ قصد ہے تو وقت کو غنیمت سمجھئے غرض راؤ صاحب نے آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر رکھا اور ساتھ ہی چلنے کے متمنی و عازم ہوئے۔

حضرت مولانا نے اپنی بے سروسامانی اور اندیشہ ناک حالت ظاہر فرما کر سمجھایا کہ معیت قرین مصلحت نہیں البتہ اگلے دن آپ آئیں اعلیحضرت سے سفارش کا میں ذمہ دار ہوں چنانچہ ایک شب قیام فرما کر مولانا چلدیئے اور اعلیحضرت کی زیارت سے مشرف ہوئے اگلے دن راؤ صاحب بھی حاضر آستانہ ہوئے اور حضرت مولانا کی تقریب سے آپ حالت میں بیعت ہوئے جسکو سر آنکھیں اور چل چلاؤ کی حالت کہا جاتا ہے۔ حضرت امام ربانی نے ہر چند اصرار کیا کہ بندہ کو ہمرکاب لیجئیں مگر اعلیحضرت نے نہ مانا اور یہ فرمایا کہ اسی طرح خدا کا حکم ہے "جاؤ تمہیں خدا کے سپرد کیا" آپکو وہاں سے رخصت فرمادیا حضرت مولانا بادل ناخواستہ الفراق الفراق کہتے روانہ ہوئے اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اعلیحضرت نے تسلی و تشفی دی اور فرمایا "میاں رشید احمد تمہیں تو حق تعالیٰ کو ابھی بہتیرے کام لینے ہیں گھبراؤ مت ہیں ہندوستان سے نکلتے وقت تمہیں ضرور ملکر جاؤنگا خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ در مراتب ترقی دے" اسکے بعد دیر تک چھاتی سے لگائے رکھا اور آخر کار پدرانہ شفقت اور مربیانہ محبت کے انداز پر خود بھی چشم نم ہوئے اور مولانا کو بھی رلایا۔

حضرت وہاں سے گنگوہ کی جانب واپس ہوئے یہاں دیکھا کہ بچہ بچہ پریشان حال اور آپ کا کنبہ کا کنبہ مضطرب و سراسیمہ ہے کیونکہ آپکی گرفتاری کا اشتہار ہوچکا تھا اور دوڑ آیا چاہتی تھی چنانچہ اقارب کے اصرار سے آپ اپنی ددھیال یعنی قصبہ رامپور چلے گئے اور وہاں جناب حکیم ضیاء الدین صاحب مرحوم کے مکان پر قیام کیا

چند ہی دن گزرے تھے کہ کاؤڈن کرنیل فرانسیسی غلام علی ساکن قصبہ ملہو ضلع سہارنپور مخبر کو ستر سواروں کے ساتھ لیکر جن میں چند مسلمان اور اکثر سکھ تھے گنگوہ پہنچا اور آتے ہی جاسوسانہ نظروں سے مولانا کی تلاش شروع کی ساری دوڑ متفرق و منتشر ہوگئی اور ادھر ادھر پھیلکر کونوں کچالوں اور مسجد و خانقاہ کے حجروں کو ڈھونڈنے لگی۔ حضرت مولانا کے غمگسار ماموں زاد بھائی بیچارے مولوی ابوالنصر صاحب

جو صورت و وضع میں بھی فی الجملہ حضرت سے مشابہت رکھتے تھے مسجد کے گوشہ میں گردن جھکائے مراقب بیٹھے تھے کہ دوڑ کے سپاہی نے گردن پر زور کا ہاتھ مارا اور قبضہ کر کے اس طرح پکارا "چل کھڑا ہو کیا گردن جھکائے بیٹھا ہے" مظلوم مولوی ابو النصر نے گردن اٹھائی اور چپ چاپ جیل میں اپنے آپکو گرفتار دیکھکر جدھر اس نے کہا چل کھڑے ہوئے۔ حضرت مولانا کے دروازہ پر انکو لا کر کھڑا کیا گیا اور کہا گیا کہ گھر کی تلاشی دلوا اور دکھا کہ کیا کیا ہتھیار ہیں؟ عرصہ تک مولوی ابو النصر صاحب مار کھاتے اور ذلت سہتے رہے مگر یہ نہ کہا کہ میں جی رشید احمد نہیں ہوں

آخر حاکم کو کسی انداز معلوم ہوا کہ یہ قیدی وہ نہیں ہے جسکی تلاش ہے صورت و وضع میں اشتباہ کے باعث انکو پکڑ لیا گیا اور اصل ملزم رامپور میں ہے اسلئے انکو تو چھوڑ دیا گیا اور گھر کی حجرہ کی تلاشی لیکر دوش نے رامپور کا رخ کیا۔ کہتے ہیں کہ رامپور کی مخبری کرنیوالا شخص حکیم احمد امیر بخش تھا واللہ اعلم بالصواب۔

دوش رامپور پہنچی اور حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ حکیم ضیاء الدین صاحب کے مکان سے گرفتار ہوئے۔ تخمینہ سے یہ زمانہ سنہ ۱۲۷۳ کا ختم یا سنہ ۱۲۷۴ ہجری کا شروع سال ہے جبکہ آپکی صاحبزادی صفیہ خاتون کی عمر تقریباً دو سال کی تھی۔ چونکہ آپ نے اپنی گرفتاری اور حاکم کے حکم کی تعمیل میں دوش کے ہمراہ چلنے سے کچھ بھی تامل یا اضطراب نہیں فرمایا اسلئے آپکو کسی قسم کی کوئی اذیت نہیں پہنچائی گئی اور نہ ذلیل سمجھا گیا صرف آپ کے چاروں طرف محافظ پہرہ دار تعینات کر دیئے گئے اور بند بہل میں آپکو سوار کر کے سہارنپور چلتا کر دیا گیا۔ بیل تھے تیز رفتار اور حکم بھی تھا عجلت کا اسلئے کچی سڑک پر وہ غبار اڑا کہ راستہ چلنے والوں کی آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ بیچارے مولوی ابو النصر سراسیمہ و پریشان اور انکے بوڑھے باپ مولوی عبد الغنی صاحب جنہوں نے مولانا کو بیٹے کی طرح پرورش کیا تھا ننگے پاؤں پاپیادہ سواروں کی تیز رفتار کا مقابلہ کرتے بہل کے پیچھے پیچھے آرہے تھے نہ تن بدن کی ہوش نہ جسم و جان کی خبر نہ یہ خیال کہ سہارنپور تک پیدل کیونکر پہنچنا ممکن ہے اور وہ بھی اتنا تیز۔ صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں عالم وحشت و پریشانی میں ڈوبے ہوئے غبار سے آنکھیں بند ببول کے کانٹوں سے پاؤں زخمی مدہوش و حسرت ناک بر سر خدا جانے کہاں جاتے اور کہاں چل رہے تھے کہ آخر ایک جگہ بیہوش ہو کر گر پڑے اور محبوب کا رہا سہا اتنا سا ساتھ بھی چھوٹ گیا حضرت مولانا سہارنپور پہنچتے ہی جیلخانہ بھیجدیئے گئے اور حوالات میں بند ہو کر جنگی پہرہ کی نگرانی میں دیدیئے گئے۔

مولوی ابو النصر کو جسوقت ہوش آیا تو پھر وہی دوڑنے کی دھن تھی افتاں و خیزاں سہارنپور پہنچے اور خدا خدا کر کے آبادی کی صورت نظر آئی۔ انکو تو آبادی سے کچھ لینا نہ تھا ایک رشید احمد کا دم چاہیئے تھا مگر

وہ کہاں اور یہ کہاں۔ اتنا تو انہوں نے سُن لیا کہ مولانا جیلخانہ میں ہیں کیونکہ سہارنپور کا ایک شیخ زادہ اکبر علی نامی اُن لوگوں میں شامل تھا جو حضرت کے جیلخانہ تک پہونچانے کو مقرر ہوئے تھے چونکہ یہ مسلمان تھا اسلئے اُنکو بھو چکا ادھر اُدھر تکتا ہوا دیکھکر بولا کہ "مولوی رشید احمد کو جیلخانہ پہونچا کر آیا ہوں" اِن بیچاروں کو یہ بھی پتہ نہیں کہ جیلخانہ کدھر ہے اور اگر پتہ بھی ہوتا تو کرتے کیا جس اونچی چاردیواری کے کئی اندرونی حصوں کی بیچ والی کال کوٹھری میں کوئی مجرم محبوس ہو اُس سے باہر کھڑے ہوئے پردیسی کو واسطہ کیا آخر مایوس ہوکر رونے لگے اور سر تھام کر زمیں فرش خاک پر بیٹھ گئے۔ بیچارے اکبر علی کو بھی انپر رحم آیا اور وہ تسلی کی باتیں کہنے لگا۔

قصہ مختصر مولوی ابو النصر گو خود دیکھنے کے پیاسے تھے مگر سب سے زیادہ حضرت مولانا کا بھوکا ہونا انکو شاق تھا اسلئے انہوں نے ہر جگہ خوشامد سے کام لیا اور نانوتہ کے کسی کیلی بردار کی معرفت حضرت کو کھانا پہونچایا گو وہاں سے ٹھیکریوں پر کوئلہ سے لکھا ہوا یہ فقرہ ان کے پاس پہونچا کہ "کچھ مت گھبراؤ میں بحمد اللہ آرام میں ہوں" مگر انکو اور نیز تمام متعلقین کو روتے روتے کئی دن گزر گئے۔

اُس پردہ نشین عورت کا کیا پوچھنا جسکے سر کا تاج دنیا اور دین کا آقا اس حال میں گرفتار تھا جسکو دیکھکر مرد بیتاب ہوئے جاتے تھے مگر اللہ رے صبر و استقلال صغیر سن بچی یعنی حافظ محمد یعقوب صاحب سلمہ کی والدہ انکی گود میں تھی اور زبان پر خدا کی یاد عالم نظر میں تاریک اور دنیا میں چار طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر حق تعالےٰ کی رحمت سے مایوسی نہ تھی اپنے رنڈاپے اور چھوٹے سے دل والی نازک مزاج بچی کے یتیم ہوجانے کا گو فکر و افسوس ہو مگر مجال نہ تھی کہ کوئی شکوہ کا کلمہ منہ سے نکلے والدہ حافظ یعقوب فرمایا کرتی ہیں کہ "جس وقت یہ مار دھاڑ شروع ہوئی اور ہمارے دروازہ کے سامنے اور مسجد میں غل غپاڑا مچا ہے مجھے کوئی لڑکی گود میں لئے باہر کھڑی تھی وہ وحشت ناک منظر کو دیکھکر چیخی اور کانپ اٹھی پیشاب بھی خطا ہوگیا ایک بھول بھلیاں سی اتنی بات یاد ہے اور کچھ خبر نہیں" خدا مبارک کرے اس حافظہ کو کہ ڈھائی سال کی عمر اور اتنی یاد داشت۔

الغرض حضرت امام ربانی قدس سرہ کی اہلیہ حکیم صاحب کی والدہ ماجدہ ولیہ کاملہ تھیں جنکے صبر و استقلال کی آزمائش کے لئے یہ قصہ بس ہے کہ ابھی چند روز ہوئے مہربان باپ مولوی محمد نقی صاحب جھجر کی ریاست میں شہید ہو چکے تھے اور اب وہ پیارا شوہر جسکے دامن سے دنیا کی ایام گزاری وابستہ کی گئی تھی کس مصیبت میں گرفتار ہے کہ جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں ہر لحظہ حاکم کے حکم کا انتظار اور آخری فیصلہ کا اندیشہ زندگی پر سوار ہے کہ دیکھئے کیا ہو وہ گھر کی چار دیواری میں مقید و محبوس پردہ نشین عفت مآب کیا کرے نہ ساتھ

دینے کے قابل ہے نہ کچہری میں حاضری کے لائق بس مکان کا کونہ تھا اور ہاتھ میں تسبیح آیۂ کریمہ کا ورد تھا اور دامن پھیلا پھیلا کر خدا سے دعائیں مانگنی۔

اس جانگداز سانحہ کو کون بسط کے ساتھ کون سے قلم سے لکھے قصہ مختصر حضرت مولانا تین یا چار یوم کالی کوٹھری میں اور چند دن جیلخانہ کی حوالات میں مقید رہے تحقیقات پر تحقیقات اور پیشی پر پیشی ہوتی رہی آخر عدالت سے حکم ہوا کہ تھانہ بھون کا قصبہ ہے اسلئے مظفر نگر منتقل کیا جائے چنانچہ حضرت امام ربانی جنگی حراست اور ننگی تلواروں کے پہرہ میں براہ دیوبند دو تین پڑاؤ کر کے پا پیادہ مظفر نگر لائے گئے اور اب یہاں کے جیلخانہ میں حوالات کے اندر بند کر دئے گئے سنا ہے کہ دیوبند کے قریب گزرنے پر مولانا قاسم العلوم منتظر براہ راستہ سے کچھ ہٹکر بغرض ملاقات پہلے سے آکھڑے ہوئے تھے گو خود بھی مخدوش حالت میں تھے مگر بیتابی شوق نے اسوقت چھپنے نہ دیا دور ہی دور سے سلام ہو ایک نے دوسرے کو دیکھا مسکرلئے اور اشاروں ہی اشاروں میں خدائے تعالیٰ کے وہ وعدے یاد دلائے جو سچے سرکاری خیرخواہوں کے لئے اور امتحانی مصیبتوں پر صبر و استقلال ظاہر کرنے والوں کے لئے انجام کار ودیعت رکھے گئے ہیں

مظفر نگر کے جیلخانہ میں حضرت کو کم و بیش چھ ماہ رہنے کا اتفاق ہوا اس اثناء میں آپکی استقامت۔ جراءت۔ استقلال۔ پختگی۔ توکل۔ رضا۔ تدین۔ اتقا۔ شجاعت۔ ہمت۔ اور سب پر طرہ حق تعالیٰ کی طاعت و محبت جو آپکی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے تھی اسدرجہ حیرت انگیز ثابت ہوئیں کہ جنکی نظیر نہیں نظر آتی۔ ابتدا سے لیکر انتہا تک ساری حراست کے زمانہ میں آپکی نماز ایک وقت کی قضا نہو ئی۔ جیلخانہ میں آپکو عادت ستھرا پانی مسلمان کے ہاتھوں وضو کے لئے برابر ملتا رہا۔ حوالات کے دوسرے قیدی اور مظلوم و ستم رسیدہ محبوسین کا گروہ آپکا معتقد ہوگیا اور ان میں بہتیرے وہیں آپ سے بیعت ہوئے۔ آپ حبس کی کوٹھری میں بھی نماز با جماعت ادا کرتے اور ہر وقت اطمینان کے ساتھ ترقی درجات میں مشغول رہتے تھے ارشاد ظاہری و باطنی کے افاضہ سے آپکو کسی دن غفلت نہوئی وعظ او پند و نصیحت کے ساتھ قرآن شریف کا ترجمہ لوگوں کو سناتے اور ایک وحدہ لاشریک خدا کی جانب رفقاء کو بلایا کرتے تھے کبھی ذکر میں مصروف ہوتے کبھی شغل میں کسی وقت صبر کی تعلیم دیتے اور کسی وقت شکر کی کبھی علم کا مذاق غالب ہوتا اور کبھی طریقت و سلوک کا جسوقت حاکم کے حکم سے عدالت میں بلائے جاتے تو نڈر ہوکر بے تکلف گفتگو کرتے اور جو وہ دریافت کرتا بے تکلف اسکا جواب دیتے تھے نہ آپ نے کبھی کوئی کلمہ دبا کر یا زبان کو موڑ کر نہیں کہا نہ کسی وقت جان بچانے کے لئے تقیہ بنیں کیا جو بات کہی سچی کہی اور جس بات کا جواب دیا خدا کو حاضر ناظر سمجھکر بالکل واقع کے مطابق اور حقیقت حال کے موافق کبھی آپ سے قل

کہ "رشید احمد نے مفسدوں کا ساتھ دیا اور فساد کیا؟" آپ جواب دیتے "ہمارا کام فساد کا نہیں نہ ہم مفسدوں کے ساتھی" کبھی دریافت ہوتا کہ "تم نے سرکار کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے؟" آپ اپنی تسبیح کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ "ہمارا ہتھیار تو یہ ہے" کبھی حاکم دھمکاتا کہ ہم تمکو پوری سزا دینگے آپ فرماتے "کیا مضائقہ ہے مگر تحقیق کر کے" ایک مرتبہ حاکم نے پوچھا کہ "تمہارا پیشہ کیا ہے؟" آپ نے فرمایا "کچھ بھی نہیں مگر زمینداری" غرض حاکم نے ہر چند تحقیق کیا اور تجسس و تفتیش میں پوری کوشش صرف کر دی مگر کچھ ثابت نہ ہوا اور ہر بات کا معقول جواب پایا آخر بری کئے گئے اور فیصلہ سنا دیا گیا کہ "رشید احمد رہا کئے گئے"۔

حضرت امام ربانی سے ایک مرتبہ کسی شخص نے دریافت کیا تھا کہ اعلیٰحضرت نے تو آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ "اطمینان رکھو میں عرب روانہ ہوتے وقت تم سے ملکر جاؤنگا" مگر آپ گرفتاری و حوالات میں رہے اور آپکی رہائی سے قبل ہی اعلیٰحضرت نے بیت اللہ کی جانب ہجرت فرمائی گویا سائل کا مطلب یہ تھا کہ ملاقات کے متعلق الفاظ محض تسلی کے لئے تھے جنکا وقوع نہیں ہوا حضرت نے بہت ہی خفگی و تواتر سے فرمایا "اعلیٰحضرت وعدہ خلاف نہ تھے" چنانچہ دوسرے طرق سے معلوم ہوا کہ باوجود سنگین پہرہ کے اعلیٰحضرت نے جیلخانہ کے اندر قدم رکھا اور گھنٹوں باتیں کر کے شب ہی میں واپس ہوئے اور عرب کو روانہ ہوئے۔

مولوی ولایت حسین صاحب کی روایت ہے کہ حکیم صاحب جو اعلیٰحضرت کے مرید انبالہ کے رہنے والے بندہ کے ساتھ سفر حج میں شریک تھے فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں مولانا گنگوہی جیلخانہ میں تھے اعلیٰحضرت حاجی صاحب ایک دن فرمانے لگے کہ "یہاں کچھ سنا گیا مولوی رشید احمد کی پھانسی کا حکم ہو گیا؟" خدام نے عرض کیا کہ حضرت کچھ پتہ نہیں ابھی تک تو کوئی خبر آئی نہیں فرمایا "ہاں حکم ہو گیا چلو" یہ فرما کر اٹھ کھڑے ہوئے حکیم صاحب کا بیان تھا کہ برسات کا زمانہ تھا مغرب کے بعد اعلیٰحضرت اور میں اور غالباً مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی غرض تین آدمی چلے شہر سے نکل کر تھوڑی دور جا کر اعلیٰحضرت زمین کی گھاس کے قدرتی سبز مخملی فرش پر بیٹھ گئے اور کچھ دیر سکوت فرما کر گردن اوپر اٹھائی اور فرمایا "پھر چلو مولوی رشید احمد کو کوئی شخص پھانسی نہیں دے سکتا خدائے تعالیٰ کو ان سے ابھی بہت کچھ کام لینا ہے" چنانچہ چند روز بعد اسکا ظہور ہو گیا [illegible]۔

مولوی ابوالنصر راسکے والد مولوی عبدالغنی صاحب متعلقین یا احباب آپ کے جو مظفر نگر میں [illegible] بیٹے جھنجھانہ [illegible] رہے تھے کہ آپ نے چہرہ [illegible] حکم سنتے ہی [illegible] اور آپ چہرہ پر تازگی آگئی جسپر [illegible] افسردگی چھائی ہوئی تھی [illegible]

پاسی پھول کی مانند مرجھایا پڑا تھا بادِ نسیم کے دوبارہ چلانے والے ٹھنڈے جھونکے سے پھر تازہ ہو گیا سپاہی کی خوشامد کر ہاتھ پاؤں جوڑ حکم ربانی کی تعمیل میں عجلت کے خواستگار ہوئے اور اپنے نور دیدہ محبوب کو جیل سے باہر نکال بہل پر سوار یہ جادہ جا بیجا رہے پریشان مولوی ابوالنصر چونک چونک کر قدم دھرتے اور چپہ چپہ پر ڈرتے اور کانپتے جاتے تھے اس درجہ متوحش تھے کہ در و دیوار دشمن ہیں مبادا تقدیر پلٹا کھائے اور پھر حکم نہ بدل جائے پستے جاتے تھے کہ گھنٹہ کی جگہ ایک پل میں کسی طرح مولانا کو دشمنوں کی نظر سے اوجھل کر دوں چنانچہ بھلبان سے کہہ دیا کہ جتنا تیز چلا جائے خدا کا نام لیکر چل اپنے جانور کی چال دکھا اور مجھ سے انعام لے بہل کے پردے ڈالدیئے اور اپنے قاضی الحاجات حلال المشکلات پروردگار کو شکریہ ادا کرتے گنگوہ پہنچے ۔

صد شکر خزاں خوردہ چمن ہو گیا شاداب | آنکھوں کی گئی روشنی دوبارہ پلٹ آئی
سوکھے ہوئے دریا میں پھر نظر آیا | رحمت کی گھٹا برسر گنگوہ سمٹ آئی

قصبہ کی گئی ہوئی رونق دوبارہ لوٹ آئی اور بستی کی اجڑی ہوئی بہار نے دوبارہ پلٹا کھایا۔ افسوس سے مانوس ہو جانے والی آنکھوں کا زائل شدہ نور پھر واپس ہوا اور مردنی چھائے ہوئے چہروں والے مُردہ دلوں نے از سر نو زندگی پائی۔ درخت کے پتہ پتہ سے اس گل گلستان شریعت کی آمد پر مسرت کا اظہار تھا اور در و دیوار مکانات کے گوشہ گوشہ سے متنفس شیخ کی تشریف آوری پر مبارکباد کی صدائیں گنبد مجمع ہوا اور دور دور سے دوست احباب آئے اقارب اکٹھے ہوئے اور قریب و بعید کے یگانہ رشتہ داروں نے زیارت کے شرف سے دامن بھرے حضرت امام ربانی قدس سرہ جس مضمون میں جیل کی حراست سے قبل مشغول تھے اُسی میں مقفل حوالات اور سنگین پہرہ والی کوٹھری میں مصروف رہے اور رہائی کے بعد وطن پہنچکر بھی اُسی مشغلہ کی دھن لگی چنانچہ آپ نے اپنی وہ خانقاہ جو آٹھ نو مہینے خبرگیری نہ ہونے کے باعث اُجڑی پڑی تھی دوبارہ صاف کی اور اب درس جاری فرما دیا۔

اس قصہ گرفتاری سے رہائی کے بعد حضرت امام ربانی باوجود ارشاد باطنی کے ظاہری علوم شرعیہ و فنون دینیہ کی تعلیم میں زیادہ تر مشغول ہوئے چند سال بعد جبکہ آپ تیسرے حج سے فارغ ہو کر ہندوستان پہنچے اور یہ مشغلہ استقدر بڑھا کہ صحاح ستہ کے دورہ کا ایک سال میں ختم کرانے کا آپ نے التزام کر لیا اور اس دینی خدمت کے لئے اپنے نفس کو وقف بنا کر گویا چاروں طرف اعلان دیدیا کہ جسکو دین حاصل کرنا اور حضرت کا پڑھنا ہو آئے بھائی پیغمبر کے لگائے ہوئے باغ کا دروازہ کھولدیا گیا اور حق تعالیٰ کی اخروی لذیذ نعمتوں کا دسترخوان بچھا دیا گیا آکر

سکے اور جسقدر کھایا جائے کھائے۔ رحمت اللہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے سلسلۂ روحانی کا سچا
جانشین جسوقت مسند خلافت کا صدر نشین ہوا ہے حق تعالیٰ کے غیبی فرشتوں نے منادی پھیر دی اور
اطراف ہند برہما و سندھ پورب و بنگال پچھم و پنجاب مدراس و دکن برار و ممالک متوسط کابل و افغانستان
کے بلاد متفرقہ میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ گروہ گروہ طلبہ گنگوہ میں آنے لگے۔ آپکے پاس پندرہ بیس سے لیکر
تین سو تک کا ہر برس مجمع ہوتا اور ایک گروہ دوسرے گروہ کو اپنا جانشین بنا کر سالانہ چلا جاتا اور ادہر ادہر
منتشر ہو جاتا تھا۔

درس تعلیم و تدریس کا سلسلہ امام ربانی کے گھر بار (دربار) میں اسی وقت شروع ہو گیا تھا جبکہ آپ دہلی سے
فارغ التحصیل ہو کر گنگوہ پہنچے اور سب سے اول مولوی سید مومن علی صاحب کو شرح جامی کا سبق شروع
کرایا۔ اس زمانہ یعنی ۱۲۶۵ھ ہجری سے لیکر ۱۳۱۴ھ ہجری کے شروع تک جسکی مدت ایک کم پچاس سال ہوتی ہے
آپ کے پاس ادہر ادہر کے طالب علم آتے اور علم حاصل کرتے رہے اسی مدت میں آپکو چند ماہ ملازمت بھی کرنا
پڑی اس میں غدر کے وقائع اور گرفتاری کی پریشانیاں پیش آئیں۔ اسی مدت میں سفر حج داخل ہے اور اسی میں
وہ ریاضت و مجاہدہ شامل ہے جس نے آپکو قطبیت کے عالی مرتبہ پر پہنچایا۔ انہیں ایام میں متعدد احباب
و اقارب کی پے در پے اموات کے صدمے آپ نے اٹھائے اور اسی حال میں عام مخلوق کی جسمانی نفع رسانی
یعنی طبابت کا مشغلہ رہا۔ غرض دین کی عقل اور معرفت کی سمجھ رکھنے والے اصحاب اسکو اچھی طرح سمجھ سکتے
ہیں کہ قدرت نے امام ربانی کو جس خدمت کے لئے دنیا میں بھیجا تھا اسکی تکمیل کے لئے آپکو استقامت کا
وہ مضبوط پہلو بخشا تھا جسکے ریشہ ریشہ میں حق طلبی اور رضا بقضا چمک رہی تھی۔ حضرت امام ربانی کی پاک
زندگی ایک ایک دن ہو کر جس اطاعت حق اور اصلاح خلق میں صرف ہوئی اسکو قسام ازل نے ایسی عجیب
ترتیب پر منقسم فرمایا تھا جو اپنے اسلوب خاص میں یکتا اور لاثانی ہے۔

اپنی ذاتی اصلاح کے لئے جس ترتیب کی حاجت تھی وہ اس طرح پوری ہوئی کہ اول اردو اور فارسی
کی تعلیم اور اسی کے ساتھ ساتھ نماز کے طریقے اور دین کی ابتدائی ضرورتوں کا تکملہ وطن میں ہوا پھر علم
شریعت کی تحصیل کے لئے وطن چھوڑنا اور دہلی جانا پڑا۔ اس سے فارغ ہوئے تو عملی صورت میں مناکحت
و ازدواج کا ظہور ہوا۔ اسکے متصل ہی حفظ قرآن کی نعمت سے بہرہ یابی ہوئی۔ جسم و روح کی ظاہری
اصلاح اور ضروری احتیاج سے فارغ ہوتے ہی باطنی علم کی تحصیل میں آپکو مشغول ہونا پڑا تھا۔ نہ صرف [illegible]

ہوئے اور چند روز میں حصول نسبت کی نعمت کاملہ سے بہرہ یابی ہوئی۔ اصلاح النفس کے جملہ مراحل طے ہونے کے بعد
اب اصلاح خیر اور ہدایت خلق کا وقت آگیا اس میں بھی قانون قدرت نے تدریج ملحوظ فرمائی کہ اول جسمانی مرض کے
ازالہ اور طب یونانی کی نفع رسانی سے ہندو و مسلمان۔ کفار اور اہل ایمان بچے اور جوان مرد و زن غرض عام مخلوق فائز
و کامیاب ہوئی۔ چند سال بعد اسکا سلسلہ بالکل منقطع ہوگیا اور ظاہری علم شرع کی تدریس نے زور پکڑا یہانتک کہ
اس سلسلہ نے اپنے منتہی یعنی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پہونچکر اپنا ہی بنالیا اور اس درجہ ترقی کی کہ
ہر سال دورہ صحاح کے ختم ہونے سے دوسرے علوم دینیہ کے پڑھنے پڑھانے کا شغل بھی مغلوب بلکہ تقریباً معدوم
ہوگیا۔ اور آخر کار عالم کی پیدائش کے مقصود اور شریعت کے ماحصل یعنی اصلاح باطن و تعلیم سلوک کا زمانہ آگیا کیفیت
کتاب جذب کی گئی اور روحانی افاضہ و استفاضہ نے اُس قوت کے ساتھ ترقی کی کہ آج اطراف عالم میں نگاہ
اٹھا کر دیکھا جائے تو کیا عجب ہے کہ "دنیا میں لاثانی" ہونیکا دعویٰ مبالغہ سے خالی ہو۔ اسی پاک خلاصہ پر آپکی چند روزہ حیات
ختم ہوگئی اور آپکو اپنے پیدا کرنے والے مہربان خدا سے لقا حاصل ہوئی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

تدریس و دورہ حدیث

تھے ساقی میخانہ علم شہ ابرار — اور ماہ تمام فلک دین عرب تھے
گنگوہ میں دربار حدیث نبوی کے — سرتاج رشید احمد ذی شان ادب تھے

جس نے ہرے بھرے محمدی باغ اور سرسبز و شاداب احمدی گلشن کے مہکنے والے پھولوں اور کھلنے والے
چٹکتی غنچوں کی عطر آمیز خوشبوؤں کو کبھی سونگھا ہوگا وہ خوب سمجھتا ہوگا کہ شریعت بیضا کے اصل الاصول مقدس
و پاکیزہ فن حدیث کا درس کیا نعمت ہے۔ اور پھر درس بھی وہ جسکو منفعت عامہ کے اعتبار سے ابر نیساں کی
دھواں دھار بارش اور تلاطم و روانی کی حیثیت سے دریائے مواج و بحر ذخار کی دلکش لہریں کہا جائے تو
مناسب ہے۔ جس خوش نصیب طالب علم نے اُس بلبل چمنستان حدیث کی نواسنجیاں سنی ہیں اور جس مہمان ضیافت
مہمانان رسول کو اُس کشورستان والی حکمت و تجربہ کے خوان حدیث پر اقوال رسول کی لذیذ نعمتیں کھانی نصیب
ہوئی ہیں اُن کے دل سے پوچھئے کہ وہ کیفیت کیا تھا جو قطب گنگوہی کے دربار عام و درسگاہ حدیث خیر الانام
میں بیٹھکر قلب کو حاصل ہوتا تھا اور وہ کیا شغف و حلاوت تھی جسکو آج رو رہے ہو۔ چراغ لیے ڈھونڈھتے پھرتے
ہو مگر سوائے یاس و نا امیدی کچھ نہیں پاتے ہو۔

آپکی قوت اجتہادیہ۔ قابلیت استنباط۔ خوبی تطبیق مارتبط۔ جودت ذہن۔ شگفتگی زبان۔ حفظ و فہم۔ وسعت مطالعہ۔ تقدس و تبحر۔ تقاری و سلامت بیانی۔ فراست وجدانی۔ حلم و رفق۔ لطف و شفقت۔ شیریں کلامی۔ بذلہ گستری۔ مسکین نوازی اور طلبہ کی گستاخانہ و بیجا حرکات پر صبر و تحمل غرض جو ادا تھی وہ حق بجانب تھی۔ کے بانکپن یا در بخاری پڑھتے ہوئے رہنے کی حیثیت سے تحدیث کے سدا بہار گلاب کا پھول تھی۔ حضرت کی تدریس میں یہ خاص برکت تھی کہ مضمون حدیث سنکر اس پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا تھا۔ یہ خاص روحانی اثر تھا جسکا تقاضا یہ ہوتا تھا کہ یہ تحدیث کتابی نہیں ہے بلکہ حضرت قدس سرہ کے چشمان دل و صفا منزل کے سامنے ایک آئینہ لگا ہوا ہے جس میں صاحب حدیث علیہ السلام کے انوار کا عکس پڑ رہا ہے جس انعکاسی تجلی سے حضرت اپنے طلبہ کو مستفیض فرما رہے ہیں۔ آپکی تدریس میں ایسا محویت کا عالم ہوتا تھا کہ بے اختیار دل خواہش کرتا کہ کاش تقریر کا سلسلہ دیر تک ختم نہ ہو۔ حضرت کی تقریر ایسی سلیس عام فہم ہوتی تھی کہ پاس بیٹھے ہوئے عامی لوگوں کی بھی [illegible] الٰی اور دل کے کواڑ کھولتی چلی جاتی تھی۔ اسناد حدیث کے متعلق پوری تحقیق فرماتے تھے۔ اختلافات مذاہب اور تعارض کے متعلق مختصر مگر جامع تطبیق فرماتے تھے کہ دو دو بار گھنٹہ اور جیرا ابرا الجھن باقی نہ رہتی تھی۔ آپکی تقریر میں ایک عجیب کرامت تھی کہ وسیع تقریر اور بلیغ تحقیق کی طرف دیکھا جاتا تو خیال ہوتا تھا کہ سبق بہت کم ہوا لیکن اوراق و صفحات شمار کئے جاتے تو حیرت ہوتی کہ اسقدر سبق کیونکر ہو گیا۔ آپکی تقریر کے بعد حواشی بالکل بیکار معلوم ہوتے تھے اور یوں خیال ہوتا تھا کہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم یا آپکے صحابی نے اس حدیث کو بیان فرمایا ہوگا تو ہمارے حضرت وہیں کسی جگہ کھڑے سن رہے ہونگے۔

حضرت امام ربانی صحاح میں سب سے پہلے عموماً ترمذی شریف شروع کراتے تھے اور مالہٗ و ماعلیہ کی تحقیق کے ساتھ واضح تقریریں فرما کر طلبہ کے ذہن نشین کر دیا کرتے تھے ہر حدیث کا ترجمہ اور متعلق مطلب نہایت سلیس اور عام فہم الفاظ میں بیان فرماتے اور نفس مطلب کو ایسا کھول دیا کرتے تھے گویا پوست اور چھلکے سے مغز اور گودے کو نکالکر سامنے رکھ دیا اسکے بعد احادیث کا باہم یا حدیث کا کسی آیت قرآن سے تعارض ہوتا تو اسکا رفع فرماتے اور تطابق و موافقت ظاہر فرماتے تھے۔ بقدر ضرورت اسماء الرجال ذکر فرماتے۔ رواۃ کی تحقیق اور توثیق و تضعیف کرتے تھے اسناد میں ضروری جرح و تعدیل فرماتے اور اسکے بعد حدیث کی باب سے مناسبت بیان کرتے تھے۔ باہم عبارات اور سیاق و سباق میں ارتباط مخفی ہوتا تو اسکو کھولتے اور ایک مضمون کا دوسرے مضمون سے ربط بتاتے جاتے تھے اگر کوئی حدیث دیگر کتب کی کسی حدیث کے معارض

ہوتی تو انکو بھی تطبیق دیتے۔ اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ کے نکات اور عبارت کے اشارات بھی بیان فرماتے تھے مشکل مقامات کو متنبہ کر کے کئی کئی بار بیان فرماتے اور اسپر بھی اگر طلبہ مکرر پوچھتے یا بیجا سوال اور اپنی غلطی پر ناحق اصرار کرتے تو ہرگز چیں بجبیں نہ ہوتے تھے ایک مرتبہ درس ہو رہا تھا قاری قرأت کر رہا تھا کسی مقام پر عطارہ کا لفظ آیا چونکہ قرأت کرنے والا لفظ کے معنی سمجھے ہوئے اور مادۂ اشتقاق یعنی عطر جانے ہوئے تھا اسلئے بے تکان پڑھتا چلا گیا برابر میں ایک طالب علم ولائتی بیٹھا ہوا تھا جو اس لفظ کے معنی نہ سمجھا اُس نے بیچارہ قرأت کنندہ ہمجماعت طالب علم کے زور سے کہنی ماری اور کہا ٹھیرو ہم نہیں سمجھا اور حضرت کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ "عطارہ معنی چہ؟" آپ نے فرمایا "زوجہ عطر فروشندہ" حضرت کی زبان سے جواب کا ختم ہونا تھا کہ قاری نے پھر قرأت شروع کر دی بیچارہ ولائتی اب بھی نہ سمجھا دوبارہ پھر کہنی ماری اور حضرت سے دریافت کیا "مولانا عطارہ معنی چہ ہم نہیں سمجھا" آپ نے فرمایا "عطر فروش کی بیوی" پھر قاری نے قرأت شروع کی تیسری مرتبہ ولائتی نے پھر کہنی ماری اور تیز نظر سے دیکھ کر کہا "ٹھیرو ہم نہیں سمجھا عطارہ کا کیا معنی" اس مرتبہ حضرت امام ربانی نے اونچی آواز سے جواب دیا "عطر بیچنے والے کا جورو" اُسوقت ولائتی خوش ہوا اور کہا "ہاں سمجھا ہاں بھائی چلو"

ترمذی شریف کے ختم ہونے پر صحاح کی دوسری کتابیں ہوتی تھیں۔ ان کتابوں کے درس میں حدیث کا ترجمہ ہوتا تھا صرف جو حدیث نئی یا مؤلف کی عبارت آتی اُسکی توضیح مثل بیان گزشتہ فرماتے اور باقی حدیثوں کی قرأت پر اکتفا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت امام ربانی یوں تو ہر وقت ہی باوضو رہتے تھے مگر درس کے وقت خصوصیت کے ساتھ اسکا اہتمام فرماتے تھے کہ ابتدا سے انتہا تک ایک حرف بلا وضو ہونے پائے اور باوضو رہنے کی طلبہ کو صراحۃً و کنایۃً تاکید فرمایا کرتے تھے اسی طرح آپکی پیشانی ہر وقت خندہ تھی اور آپ ہنس مکھ رہتے تھے ہر شخص کے ساتھ خلق سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ پیش آتے تھے مگر پڑھاتے وقت طلبہ کے ساتھ بہت ہی زیادہ بے تکلف اور ظریف الطبع بنجاتے تھے تاکہ کسیکو شبہ ظاہر کرنے یا کسی بات کے پوچھنے میں تامل اور رکاوٹ ہو جب طلبہ پڑھتے پڑھتے تھک جاتے تو تھوڑی کوئی لطیفہ ایسا بیان فرماتے کہ سب ہنس پڑتے اور بعض دفعہ تو ہنستے ہنستے لوٹ جاتے اور پیٹوں میں درد ہونے لگتا تھا چنانچہ اس ظرافت اور انبساط کے سبب سب کے دل تازہ ہوتے اور دوبارہ پڑھنے کو تازہ دم اور پہلی حالت پر لوٹ آتے تھے۔ حضرت امام ربانی میں یہ بھی ایک عجیب کمال تھا کہ جس مزاح یا ظرافت کے لطیفہ پر دوسروں کو ہنسی ضبط کرنی مشکل تھی آپکے چہرہ پر مطلق

بھی مسکراہٹ محسوس ہوتی تھی آپ کا اس سادگی کے ساتھ ہنسانے والا قصہ بیان کرنا بھی دوسروں کو زیادہ ہنساتا تھا مگر ساتھ ہی بہت جلد مودب و مہذب بنا کر بٹھا دیتا تھا۔ آپکی کسی ظرافت کے باعث طلبہ کے دلوں میں سے آپکی وہ قدرتی ہیبت اور استاذانہ رعب زائل نہ ہوتا تھا جو طلبہ کی سعادت اور علمی برکت کے لئے لازم و ضروری ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے طلبہ کی ملالت طبع محسوس فرما کر انکے دلوں کو بہلانے اور تازہ کرنے کے لئے یہ قصہ بیان فرمایا کہ میاں جب ہم دہلی میں پڑھتے تھے اس وقت کا قصہ ہے ایک سقہ کمر پر مشک لادے قلعی کٹورا بجاتا اور جھنکار کی آواز پر لوگوں کو بلا رہا تھا کہ سبیل سبیل بہتیرے آدمی آتے اور ٹھنڈا پانی پی پی کر چلے جاتے تھے ایک دیہاتی گنوار بھی دیر سے اس آواز کو سن رہا تھا حیران تھا کہ دہلی میں سب کچھ کھایا بڑی مزے مزے کی چیزوں کے نام سنے مگر خدا جانے سبیل کیا چیز ہے اور کیسا مزہ ہے لاؤ اسے بھی پی کر دیکھو غرض سقہ کے پاس گیا اور ٹوک لگا کر بولا بھئی ہمیں بھی سبیل پلاؤ اس نے مشک کا دہانہ کھول دیا اور وہ غٹ غٹ پینے لگا۔ اتفاق سے پانی کے ساتھ کوئی مینگنی بھی منہ میں آگئی گنوار نے اسکو چبا کر نگل لیا جب پی چکا تو ویسے ہی اٹھا کر کہا کہ ہے گٹھلی نہ ہوتی تا کہ کان پڑی آواز نہ سنائی دے اور سبیل بس ایک ہی"

حضرت امام ربانی قدس سرہ کا درس کچھ عجیب ہی درس تھا ہمیشہ طلبہ کی استعداد کے موافق کلام کرتے اور ہر شاگرد کی قابلیت اور سمجھ کے انداز پر گفتگو فرماتے تھے اس میں شک نہیں کہ آپ کا مشکل درس اس زمانہ کے تمام اساتذہ میں طلبہ کے لیے سب سے زیادہ نافع اور مفید تھا عقدہائے مشکلہ اور عبارات مغلقہ کو بسہولت حل کرتے اور سہل ترین الفاظ میں سمجھا دیا کرتے تھے حدیث سے مسائل کا استنباط اور استخراج فرماتے اور مذاہب بیان کیا کرتے تھے دوسرے مذہب کی کافی تقریر فرما کر امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی ترجیح بیان فرماتے اور شافی دلائل و براہین سے اس درجہ مدلل بنا دیتے تھے کہ شمس فی نصف النہار روشن ہو جاتا تھا۔ آپ بارہا فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حنفیہ مذہب سے خاص محبت ہے اور اسکی حقانیت پر کامل اطمینان ہے۔ اسکے ساتھ ہی ترجیح مذہب کے وقت یہ ممکن نہ تھا کہ دوسرے مذہب کی توہین یا صاحب مذہب کی اہانت ہو اور اگر کسی طالب علم کا میلان اس جانب دیکھتے تو قولاً و عملاً اسکی اصلاح فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ نفس الامر میں بھی تعصب کا حد سے بڑھنا آپکو پسند نہ تھا بعض طلبہ تشدد و عصبیت میں محدثین سے بدظن ہو جاتے تو حضرت امام ربانی فوراً تقریر کا رخ پھیرتے اور کلام کا ڈھنگ بدل دیا کرتے تھے جس وقت کسی طالب علم کی زبان کسی محدث پر اعتراض یا تنقیص شان کا کلمہ سنتے تو چہرہ پر کراہیت کا اثر پیدا ہوتا اور [illegible] جاتے

ترجیح مذہب حنفیہ مذہب دیگر مثل امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ کی وجوہ ترجیح بیان فرمانے لگتے تھے تاکہ طلبہ کا محدثین کے ساتھ حسن ظن پیدا ہو جائے اور جہاں یہ بات پیدا ہو گئی فوراً ترجیح حنفیہ کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے حافظہ آپ کا اس قدر قوی تھا کہ ایک کتاب میں کسی حدیث کا اگر دوسری کتاب کی کسی حدیث سے تعارض یا مناسبت ہوتی تو فوراً حوالہ دیتے اور بعض دفعہ صفحہ تک کا نشان بتا دیا کرتے تھے۔ آپ کے ایک شاگرد مولوی حافظ محمود حسین صاحب بریلوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت کی خدمت میں پڑھتا پڑھتا جس وقت آپ کی اجازت سے حج کو روانہ ہوا اور مکہ معظمہ پہنچا ہوں تو شغل علمی سے نسبت کے باعث مولانا مولوی عبدالحق صاحب الہ آبادی مہاجر کے درس میں حاضر ہوا کرتا اور جلد اول ترمذی شریف کی قرأت کیا کرتا تھا الہ آبادی مولانا کو عرصہ تک شغل تدریس کے علاوہ مطالعہ کتب دینیات کا مکہ معظمہ میں بہت زیادہ اتفاق ہوا اور وسیع النظر محدث مانے جاتے تھے۔ ایک دن اثنائے قرأت میں فاتحہ خلف الامام کے متعلق کسی موقع پر میں نے تذکرۃً عرض کیا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث موقوف صحیح مسلم میں مروی ہے کہ قرأت فاتحہ ہر رکعت میں ضروری ہے "الا ان یکون وراء الامام" اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب کو میں نے سنا کہ فرماتے تھے "یہ حدیث اگرچہ موقوف جابر رضی اللہ عنہ پر ہے لیکن مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ احکام سے متعلق ہے کہ صحابی اپنی طرف سے یہ استثناء نہیں کر سکتا تھا" مولانا عبدالحق صاحب اس تقریر کو سن کر پھڑک اٹھے اور بڑے شوق سے سامنے بٹھا کر فرمایا کہ ہند میں پہنچ کر جناب مولانا رشید احمد صاحب سے اس حدیث کا پتہ دریافت کر کے مجھے ضرور لکھنا کہ کس جگہ اور کس صفحہ پر ہے چنانچہ میں نے واپس ہو کر گنگوہ کی حاضری میں حضرت سے اس حدیث کا پتہ دریافت کیا اور بقید صفحہ و سطر لکھ کر مولانا عبدالحق صاحب کو مکہ معظمہ میں اطلاع دی۔

حضرت امام ربانی کا درس وہ بے نظیر درس تھا جس کا مزہ آپ کے شاگردوں ہی سے پوچھا جا سکتا ہے آپ کی ہر ہر فقرہ پر عجیب و غریب بحث نے شاگردوں کو آپ کا عاشق بنا دیا تھا آپ سب کچھ تھے مگر اپنے کو ہیچ سمجھتے تھے۔ ایک دن طلبہ آپ کی فرحت بخش تقریر سے محظوظ ہو کر بے اختیار ہو گئے اور آپ کے تبحر کی تعریف آپ کے روبرو کرنے لگے اس وقت آپ نے بے ساختہ قسم کھا کر فرمایا کہ "میں اپنے کو تم میں سے کسی کی برابر بھی نہیں سمجھتا چہ جائیکہ زیادہ سمجھوں" آپ کی کسر نفسی کو دیکھنا چاہیے باوجودیکہ قسم کھانے کی آپ کو مطلق عادت نہ تھی مگر اس موقع پر بلا اختیار قسمیہ الفاظ آپ سے صادر ہوئے۔

حضرت امام ربانی کو طلبہ کے عقائد اور اعمال کی درستی اول تو ہر وقت ہی ملحوظ تھی مگر درس کے وقت

تو بہت ہی زیادہ اسکا پلہ جھک جاتا تھا۔ شرک و بدعت کا بیخ و بن قلع قمع فرماتے اور توحید و اتباع سنت کی موقع موقع پر ترغیب دیا کرتے تھے۔ زبانی نصیحت پر اکتفا ہرگز نہیں فرماتے تھے اگر ضرورت پیش آتی اور موقع ہوتا تو ترشرو ہو کر تیزی کے ساتھ بھی امر بالمعروف کرتے تھے اور اسکے ساتھ ہی روحانی فیضان اور قلبی توجہ سے تاریک دلوں کی ظلمت نکالتے اور زنگ آلودہ قلوب کی صیقل فرمایا کرتے تھے بعض اوقات حلقہ کا حلقہ محو حیرت ہو جاتا اور جلسہ کا جلسہ آسمانی سکینہ کے نزول کو محسوس کرتا تھا۔ علوم شرعیہ ہی کے ضمن میں معرفت و حقیقت کی باتیں دقیق بتاتے اور سلوک و طریقت کی تحصیل کا شوق دلاتے جاتے تھے۔ کسی کسی طالب علم کو اسی درس میں وجد آ جاتا اور جھک پڑتے ہوئے قلب کو حال پیدا ہو جاتا تھا چنانچہ مولانا روشن خان صاحب مرادآبادی جس زمانہ میں حضرت سے حدیث پڑھتے تھے چونکہ مولانا قاسم العلوم سے بیعت تھے اور تحصیل کے لئے گنگوہ بھیجے گئے تھے اسلئے ساتھ ہی ساتھ باطنی علوم بھی سیکھتے اور ذکر شغل کیا کرتے تھے طبیعت مغلوب الحال اور پیدا ہونے والی تھی نسبت وجدی ہاسلئے بسا اوقات اچھل پڑتے اور رو رو دیا کرتے تھے۔ ایک حدیث آئی جسکا یہ مضمون تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھکر خطبہ شروع کیا آپ کیف میں ادہر ادہر جھومتے تھے جس سے اندیشہ ہوتا تھا کہ خدانخواستہ منبر سے گر نہ جائیں" اسپر مولوی محمد روشن خان صاحب بولے کہ حضرت بیان سے تو حال ثابت ہوگیا اور وجد کا پتہ چل گیا امام ربانی مسکرائے اور جی ہاں کہکر دوسری تقریر شروع کردی۔

دورہ حدیث کے علاوہ تفسیر و فقہ اور اصول فقہ و اصول حدیث کا بھی سلسلہ درس جاری تھا گو آخر میں طبعی مناسبت کے سبب تحدیث ہی پر اکتفا رہ گیا تھا مگر ابتداء میں جملہ علوم دینیہ کو رغبت و شوق کے ساتھ پڑھاتے تھے مولوی محمود حسین صاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ تقریباً تیس سال ہوئے ہمارے مدرسہ مصباح العلوم میں ایک بزرگ مدرس تھے جنکا نام مولوی قادر علی صاحب تھا وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ہدایہ جلد ثانی مدت ہوئی حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ سے پڑھی تھی اور حضرت نے اسوقت یوں فرمایا تھا کہ یہ چودہویں مرتبہ ہے کہ میں تمکو ہدایہ پڑھاتا ہوں" حضرت امام ربانی کے اس تبحر فقہی کا کیا کہنا ہے جو فقہاء مشاہیر کی مبسوط کتب کے پندرہ پندرہ اور بیس بیس بار پڑھانے سے آپکو حاصل ہوا اور آپکے خداداد تفقہ اور فطری استعداد استخراج کے ساتھ ملکر سونے پر سہاگہ کا کام دے رہا تھا۔ آخر زمانہ میں تدریس کے لئے صرف حدیث نبوی باقی رہ گئی تھی مگر فتاوی کا سلسلہ ہمیشہ بلکہ ظاہری بینائی جاتے رہنے کے بعد بھی اسی زور شور کے ساتھ قائم رہا جیسا کہ قطب الہند مجدد وقت شیخ اور علماء زمانہ کے سرتاج علامہ کی شان کو شایاں ہے۔

حضرت امام ربانیؒ نے پڑھتے وقت تمام علوم مروجہ منطق و فلسفہ عقائد و کلام - ریاضی و ہیئت وغیرہ سب ہی علوم کی تکمیل اور سارے نصاب نظامیہ کو جو سترہ سال کی عمر میں نہایت آب و تاب سے ختم کیا تھا مگر زمانہ تدریس میں تدین کے سبب سب کو ترک کر دیا اور سوائے علوم دینیہ کے کوئی فن نہیں پڑھایا بلکہ فلسفہ وغیرہ کو مخالفت شرع ہونے کے باعث ناجائز فرماتے اور اس درجہ تنفیر دلایا کرتے تھے کہ حد نہیں - ایک مرتبہ کسی طالب علم نے عرض کیا کہ حضرت ہمارا عقیدہ فلسفی مسائل پر نہیں ہے صرف زبان ہی سے انکو پڑھتے پڑھاتے ہیں اسمیں کیا حرج ہے؟ حضرت نے فرمایا اول تو زبان سے کلمات کفر و شرک کا نکالنا اور انکو دلائل سے ثابت کرنا اُنکے اعتراضات کو دفع کرنا خود دلیل عقیدہ کی ہے اور اگر بالفرض عقیدہ نہو تب بھی حرام اور موجب غضب خداوندی ہے مثلاً کوئی شخص تمکو گدھا یا سور کہے یا کوئی مغلظ گالی دے تو ظاہر ہے کہ وہ شخص عقیدہ نہیں رکھتا کہ تم گدھے سور یا ایسے ہو جیسا وہ گالی میں تمھیں بتا رہا ہے صرف زبان ہی زبان سے کہہ رہا ہے مگر بتلاؤ تو سہی تمھیں اسپر غصہ آئیگا یا نہیں؟ ضرور آئیگا - پس ویسے ہی کلمات کفر و شرک کو سمجھو کہ ضرور موجب غضب خداوندی ہونگے کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات حیادار سے حیادار مسلمان سے بھی زیادہ غیور ہے" طالب علم نے لاجواب ہو کر عرض کیا کہ حضرت کیا کریں مجبوری ہے بدون اسکے نوکری نہیں ملسکتی" حضرت نے ارشاد فرمایا" اگر تمسے کوئی کہے کہ سو روپے ماہوار تمکو ملیگا پاخانہ کا ٹوکرا سر پر اٹھاکر بازار کے اس سرے سے دوسرے سرے تک لیجایا کرو انصاف سے کہو تمہاری غیرت اسکو قبول کریگی؟ ہرگز قبول نہ کریگی افسوس اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینے میں اتنی بھی غیرت نہیں آتی جتنی ایک مباح کام کے کرنے میں غیرت آتی ہے" طالب علم لاجواب ہو گیا اور اسکے ساتھ دوسرے طلبہ کے ذہن سے بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گندے علوم کی رغبت یا اجازت جاتی رہی -

حضرت امام ربانی قدس سرہ کا درس عموماً آٹھ ساڑھے آٹھ بجے سے شروع ہوتا اور گیارہ یا ساڑھے گیارہ بجے ختم ہوتا تھا - پھر وہی کتاب ظہر و عصر کے مابین ہوتی تھی جس سال طلبہ کا مجمع کم ہوتا یا جس زمانہ میں جماعت قلیل ہوتی تو حجرہ میں درس دیتے تھے اور حلقہ بڑا ہوتو مسجد میں شغلہ تدریس جاری ہوتا تھا - گرمی کے موسم میں ظہر کے بعد اور سرما میں صبح کے وقت مسجد کی بیرونی محراب کے محاذ اور مقابل حضرت تشریف رکھتے اور صحن مسجد میں مستفیدین طلبہ حلقہ باندھ لیتے تھے بعض مرتبہ عصر کے قریب نمازی اور بستی کے باشندوں کا بھی جمگھٹ ہو جاتا اور لوگوں سے مسجد کا اندرونی حصہ بھی بھر جایا کرتا تھا - عام حضار مجلس میں سے جو کوئی بھی اثناء درس میں سے کوئی بات نہ سمجھتا اور دریافت کیا کرتا تھا تو اسکو بھی جھڑکتے نہ تھے بلکہ اُسکے سمجھنے کی

بات ہوتی تو ہندی کی چندی بنا کر اسکو سمجھا دیتے اور تسلی فرما دیا کرتے تھے۔ حلقہ میں مختلف دیار کے طلبہ پوربی بنگالی۔ ہندی۔ کابلی۔ فارسی۔ پنجابی جبریں اپنی اپنی بولیاں بولتے اور استعداد و ظرف کے مناسب بھلے اور برے سارے ہی شبہات و اعتراضات کیا کرتے تھے سب کے سب حضرت امام ربانی کی نرمی اور شفقت کا دلدادہ تھا اور سب ہی کو تشفی بخش جواب دیکر راحت پہنچایا کرتے تھے۔ اسکے ساتھ ہی آپکی نظر طلبہ کی نشست و برخاست حرکات و سکنات۔ رفتار و گفتار۔ چال ڈھال۔ وضع قطع۔ غرض ہر ظاہری حال پر برابر قائم رہتی تھی کہ کوئی طرز خلاف شرع تو نہیں ہے اگر کسی کو اپنے پڑھے ہوئے علم پر عمل کا شائق نہ دیکھتے تو اسکی اصلاح کا زبان اور دل سے خیال رکھتے تھے اشارہ سے تصریح سے ترغیب سے ترہیب سے نرمی سے سختی سے جب تک متبع شرع نہ ہوتا اُسوقت تک آپکو بے چینی رہتی تھی۔

حضرت امام ربانی آنے والے طلبہ میں اہلیت اور صلاحیت کا بھی بہت زیادہ خیال رکھتے تھے جس طالبعلم میں کجی پاتے یا یہ سمجھ جاتے تھے کہ پڑھنے کے بعد اس سے ضلال اور اضلال کا اندیشہ غالب ہے اسکو کبھی سبق شروع نہ کراتے بلکہ لطائف الحیل سے ٹالدیتے یا وہ رُوکھا برتاؤ فرماتے تھے جس سے وہ خود بیدل ہو کر چلا جاتا ہاں جن مہمانان رسول میں طلب صادق اور ذہانت و سعادتمندی پاتے تھے اُنکو اپنا عزیز رشتہ دار سمجھکر تابعدار بیٹا بنا کر رکھتے کتابیں دیتے حجرہ یا دوسری جائے قیام بتاتے کھانے کا انتظام فرماتے اور جب وہ آپکی صحبت میں ٹھہر جاتا رہتا برابر اُسکی خبرگیری رکھتے اور ہر ایک سے گاہے ماہے دریافت فرماتے رہتے تھے کہ کسی قسم کی کوئی تکلیف تو نہیں ہے اگر اُنکو کوئی حاجت پیش آتی تو اسکو رفع فرماتے اور غم یا فکر لاحق ہوتا تو صبر و تسلی کے کلمات سے تسکین بخشا کرتے تھے۔ طلبہ کی مدارات اور تعظیم و تکریم کا آپکو غایت درجہ لحاظ تھا جسطرح خود کی نظروں میں اس طالب دین قوم کی وقعت تھی آپ چاہتے تھے کہ دوسرے بھی اُنکو پیارے پیغمبر کا مہمان سمجھکر عزت کی نگاہ سے دیکھیں آپکو ہرگز گوارا نہ تھا کہ اُنکو نظر حقارت دیکھا جائے اور چٹی یا تاوان کا بوجھ سمجھکر روکھے سوکھے ٹکڑے اُن کے حوالے کئے جائیں ایک مرتبہ کسی طالب علم کو کسی ہوئی روٹی لاتے ہوئے آپنے دیکھ لیا اُسکو پاس بلایا اور پوچھا کہ تمہارا کھانا کہاں مقرر ہے؟ طالب علم نے آپ ہی کے کسی رشتہ دار کا نام لیا حضرت امام ربانی نے فرمایا "اچھا اب وہاں سے کھانا نہ لانا ہمارے گھر سے آیا کریگا" اُدھر اہلخانہ سے ناراضی کے کلمات کہلا بھیجے کہ افسوس اسی وجہ سے نا یہ بچارے پردیسی علم دین حاصل کرنے تمہاری روٹیوں پر پڑے ہیں اُنکو دروازہ کا فقیر سمجھکر ایسا برتاؤ کیا گیا سو کیا مضائقہ ہے۔ "ملک خدا تنگ نیست۔ پائے گدا لنگ نیست۔"

تم اپنی روٹی اپنے پاس رکھو انکا خدا انکے لیئے دوسرا انتظام کریگا" وہ عفت مآب بی بی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عذرات پیش کر کے خطا معاف کرائی کہ حضرت آئندہ کبھی ایسا نہوگا آپ دیکھینگے کہ دسترخوان میں کھانا ڈھک کر تعظیم کے ساتھ طلبہ کے پیش کیا کرونگی" عذر تقصیر آپنے منظور فرمایا اور اُسوقت طالب علم سے کہا کہ اب وہیں سے کھانا لایا کرو جہاں سے لاتے تھے ۔

سہ دری

مقبول بارگاہ شیخ وقت بخاری زمانہ بوحنیفہ عصر امام ربانی قدس سرہ کے دربار عام کا چند ہی سال میں اتنا شہرہ ہوا کہ تشنگان علم کے پل ٹوٹ پڑے طلبہ کے گروہ بالگروہ اور جوق جوق جماعتیں آنے لگیں اور اتنا کثیر مجمع ہوگیا کہ درس کے وقت حاضرین سامعین اور پڑھنے والے طلبہ کی پوری جماعت کا ایک جگہ بیٹھنا مشکل ہوگیا کیونکہ حجرہ شریفہ میں اتنی وسعت نہ تھی کہ اتنے طالب علم سمائیں اور گرمی میں دھوپ کے وقت یا سردی میں ہوا کی تیزی کے وقت مسجد میں بھی بیٹھنا دشوار آنے جانے والے خدام بھی یہ تنگی دیکھکر دل تنگ ہوتے اور بہتیرے حاضر ہونے والے پیاسے جگہ نہ ہونے کی وجہ سے محروم و ناکام واپس ہو جاتے اسلئے ادہر آپ کا بھی کچھ خیال ہوا کہ حجرہ کے سامنے کچھ تعمیر ہو جائے اور خدام نے بھی باصرار درخواست کی کہ جگہ بڑہائی جائے چنانچہ مخلص اصحاب کا بقدر وسعت کچھ چندہ ہوا اور باقی تین اور پچاس کے مابین رقم آپ نے اپنے پاس سے خرچ کر کے حجرہ شریفہ کے سامنے ایک مختصر سہ دری بنوائی اور اسمیں درس دینے لگے ۔

حضرت کی مقدس سوانح سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ کی اس درجہ کثرت سنہ [illegible] ہجری کے بعد یعنی آپ کے تیسرے حج سے واپس ہونے پر ہوئی ہے حالانکہ سہ دری اس سے تخمیناً اٹھارہ بیس برس قبل طیار ہوئی ہے پس سہ دری کے اضافہ کا سبب طلبہ کی کثرت ٹھیک نہیں معلوم ہوتا غالب یہ ہے کہ دوسری ضرورت ہوگی ہاں یہ ممکن ہے کہ طلبہ کی آسایش بھی فی الجملہ اس سے ملحوظ ہو غرض جو کچھ ہو سہ دری کی نیو کسی دینی خدمت کے لیئے ڈالی گئی اور پاک خدا کی یاد کسی غرض میں ہوا اسکی اصل بنا تھی چنانچہ حق تعالی نے اسمیں برکت عطا فرمائی اور سہ دری جسکو حجرہ قدوسیہ کا برآمدہ اور سقف صحن کہنا چاہیئے طولاً ۱۰ گز عرضاً ۴ گز تعمیر ہوئی

اسمیں شک نہیں کہ آپ اپنے کنبہ میں ہمیشہ سے ہر دلعزیز رہے وطن کے باہر خصوصاً دین کی محبت رکھنے والے علم دوست مجمع نے ابتدا ہی میں آپکو شیخ زمانہ سمجھ لیا تھا مگر جب بقائی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وطن میں قیمت

انہوں نے تو نائب رسول گنگوہی محدث کو تمام اہل گنگوہ کیونکر عزیز سمجھ سکتے تھے خصوصاً قدوسی خانقاہ کی طرف اپنے کو نسبت کرنے والے پیرزادے اول تو اس خداداد نعمت کو نعمت ہی نہ سمجھتے تھے اور سمجھتے بھی تو "گھر کی مرغی دال برابر" مفت میں ہاتھ آئے ہوئے اُس لعل کی قدر ہی کیا کرتے جسکے حاصل کرنے میں ایک قدم بھی اُٹھانا نہ پڑا اور سب پر طرہ یہ کہ اپنی پیرزادگی کے عقائد کاسدہ اور خیالات فاسدہ کا مخالف پاکر اپنا دشمن اور نقصان کنندہ سمجھے ہوئے تھے۔ ہر وقت موقع ڈھونڈتے اور بات بات پر گرفت اور الزام کی ٹوہ میں لگے رہتے تھے آخر جب کئی سال گزرنے پر بھی کوئی بات ایسی ہاتھ نہ آئی جس پر چھیڑ چھاڑ شروع ہو تو اس سہ دری کے قصہ کو لے بیٹھے اور بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ کمیٹیاں کیں جلسے کئے گھر کی بیٹھکوں میں بیٹھ بیٹھ کر مشورے ہوئے کہ "آج مولوی رشید احمد نے سہ دری بنوائی ہے کل کو کچھ اور عمارت بنوا کر اپنی ملکیت کا دعویٰ کر دینگے چلو انکو اس مکان سے بے دخل کریں اور جو کچھ لاگت اس تعمیر میں لگی ہے وہ انکو دیکر قبضہ چھڑائیں" چنانچہ پیرزادوں کا ایک بڑا مجمع آپ کے پاس آیا اور حرف مطلب زبان پر لایا۔

حضرت امام ربانی کی خداداد ہیبت کے باعث دو چار آدمی کی ہمت نہ پڑی تھی کہ آپکی منشاء کے خلاف کسی بات کا اظہار کریں خصوصاً سہ دری کا معاملہ جسکو اسدرجہ عظیم بالشان سمجھے ہوئے تھے کہ خیالی سماں میں طلبہ کے جم غفیر سے جنگ آزمائی اور معرکہ آرائی کر چکے تھے عام طور پر جیسا دنیا کا دستور ہے یوں سمجھ رہے تھے کہ قبضہ چھوٹنا کچھ آسان نہیں ہے مولانا سے مخالفت بھی ہوگی لٹھ بھی چلینگے دو چار سر بھی پھوٹینگے اور خدا جانے کیا کیا کچھ وقوع میں آئیگا اسلئے جلسہ کا جلسہ اور جتھے کا جتھا حاضر خدمت ہوا۔

حضرت مولانا کو کچھ خبر نہ تھی کہ مجمع نے یہ تکلیف کیوں اُٹھائی اور کس غرض سے آئے آخر انہیں سے جب ایک دل جگرے والا شخص آگے بڑھ کر یوں کہنے لگا کہ "مولوی صاحب ان لوگوں کا منشاء یہ ہے کہ آپ اس جگہ کو چھوڑ دیں اور جو لاگت خرچ ہوئی ہے وہ لیلیویں" اُسوقت آپ کو آنے والوں کا عندیہ معلوم ہوا اور آپنے نہایت سادگی کے ساتھ جواب دیا کہ "بہت اچھا اتنی سی بات کے لئے مجمع کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر کسی ادنیٰ آدمی اور اپنے یہاں کے نائی دھوبی سے بھی یہ پیغام کہلا بھیجتے تب بھی مجکو چھوڑ دینے میں تامل نہ ہوتا" یہ فرماکر آپ نے تیس چالیس روپیہ جو کچھ بھی مکان کی لاگت میں جیب خاص سے خرچ کئے تھے لے لئے البتہ جو روپیہ چندہ سے اسمیں صرف ہوا تھا وہ نہ لیا اور اُسی وقت طلبہ سے فرمادیا کہ بستر کپڑے اور لکھنے پڑھنے کا سامان کتابیں وغیرہ سب نکال لو اور حجرہ خالی کر دو۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ گدھے گھوڑے باندھنے کو دھوبیوں نے اِس مقدس خانقاہ پر قبضہ جما رکھا تھا اُسوقت شیخ کی اولاد میں کسی پیرزادے کا بھی دل نہ دکھا تھا اور آج جبکہ قال اللہ و قال الرسول کا بارونق بازار لگایا اور روح افزا بادِ نسیم سے لہرانے والے درختوں کا باغ جمایا گیا تو قبضہ مالکانہ کی سوجھی۔ وہ وقت جبکہ حضرت مولانا کو کھرپے اور پھاوڑے سے اِس حجرہ میں پڑی ہوئی لید و گوبر کو کھود کھود کر نکالا تھا آپ ہی کو نہیں بلکہ پیرزادوں کو بھی اچھی طرح یاد ہوگا مگر یہ بھی حق تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمایش تھی جسکا ثمرہ دین و دنیا میں بہت ہی جلد بہنا حاصل ہونے والا تھا اسلئے طبعی اُنس اور عرصہ کی سکونت کے سبب گو آپ پر ملال اس درجہ تھا گویا کسی نے جان و مال کو لوٹ لیا ہو مگر خالی کرنے اور جائے مولوف چھوڑ کر ہجرت کا امتحان دینے میں آپکا قدم مطلق نہ ڈگا۔ آپکی آنکھوں میں آنسو ضرور بھر آئے غایت حزن و غم سے چہرہ مبارک پر افسردگی چھا گئی مگر زبان سے اُف نہیں کی ہاتھ میں عصا لیکر اُسی وقت کھڑے ہوگئے اور مسجد کا راستہ لیا۔ اُسوقت جبکہ ناقدردان پیرزادوں نے آپکے ساتھ یہ سلوک کیا ہے آپ کے پاس طلبہ کا کھیرنو پر مجمع تھا جن میں ولائتی۔ کابلی اور افغانی۔ ہندی سب ہی طلبہ تھے اور طلبہ بھی وہ جان نثار طلبہ جنکو اُستاد کے پسینہ کی جگہ خون گرانے میں فخر تھا مگر اللہ رے عالی ظرفی کہ آپنے اتنا بھی نہ چاہا کہ سالہا سال کا مسکونہ مکان خالی کرنے کے لئے ایک دن کی مہلت دیجائے اُسی وقت آپ نے پارچہ پوشیدنی اور کتابوں کا ذخیرہ اپنے گھر پہونچا دیا اور بستر اور بوریا لپیٹکر مسجد کے گوشہ میں کھڑا کر دیا ایک ہاتھ میں تسبیح اور دوسرے میں لاٹھی لیکر مسجد میں قبلہ رُخ آبیٹھے اور حجرہ کو بالکل خالی کرکے خدا کے گھر میں آبیٹھے۔

آپکے رشتہ داروں اور جاں نثار شاگردوں کو جو کچھ جوش و خروش اِس وقت میں پیدا ہوا ہوگا اُسکے اظہار کی کیا ضرورت ہے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ غصہ میں بیتاب تھے آنکھوں سے خون ٹپکا پڑتا تھا مرجانا سہل نظر آتا اور جان دیدینی آسان معلوم ہوتی تھی مگر واہ رے آزمایش کی ثابت قدمی کہ حضرت امام ربانی نے کسیکو بولنے تک نہ دیا اور یوں فرمایا کہ جس نے کوئی لفظ زبان سے نکالا وہ میرا دوست نہیں بلکہ دشمن ہے جاؤ دم بخود اپنا کام کرو۔

جس محلہ کے اندر شیخ کا روضہ اور خانقاہ واقع ہے وہ سرائے کے نام سے مشہور ہے قصبہ اور سرائے کے مابین ایک بڑا تالاب حائل ہے جس نے محلہ سرائے کو قصبہ سے جو شہر کہلاتا ہے بالکل جدا کر دیا ہے شہر کے باشندوں کو جسوقت اس سانحہ کی خبر پہونچی تو حضرت کے سمدھی جناب مولوی سراج الدین صاحب اور انکے

چھوٹے بھائی شیخ فہیم الدین اور حضرت کے بہنوئی نمبردار غلام حسن علی صاحب اور شیخ ولی محمد صاحب وغیرہ بیتاب و مضطرب لپکے ہوئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ مسجد میں تشریف فرما ہیں بوریہ بچھا ہوا بستر اور عصا کونہ میں رکھا ہوا ہے آپ کے ہاتھ میں تسبیح ہے چہرہ مغموم ہے مگر زبان پر ذکر خدا جاری ہے چند طالب علم محزون ادھر ادھر بیٹھے ہیں اور سنسان خالی حجرہ کے اردگرد بھی ایک سناٹا چھایا ہوا ہے - یہ نو وارد مجمع سلام کر کے بیٹھ گیا اور عرض ہوا کہ آپ ہمارے سرتاج دینی بادشاہ ہیں سرائے والوں نے آپکی قدر نہ پہچانی یہ انکی قسمت اب آپ ہم ناکارہ غلاموں کی عزت افزائی فرماویں اور شہر تشریف لے چلیں مکانوں میں جو مکان اور حجروں میں جو حجرہ پسند خاطر عاطر ہو اسمیں سکونت اختیار فرماویں - ہم اپنی عقیدت ظاہر نہیں کر سکتے البتہ اتنا ضرور سمجھتے ہیں کہ آخری پیغمبر کو جب اہل مکہ نے مکہ سے باہر کیا تو حق تعالیٰ نے اہل مدینہ کو یہ عزت دی کہ انکو آنکھوں پر رکھا اور نعمت نصرت سے مالا مال ہوئے سچے نائب رسول کے لئے یہ واقعہ بھی اُسی کا نمونہ اور نیابت کا جزو ہے ہماری خوش نصیبی ہے اگر ہماری درخواست منظور اور تمنا پوری ہو جائے -

امام ربانی قدس سرہ نے ان لوگوں کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا دعا دی کہ حق تعالیٰ تمہاری جان و مال میں برکت دے باقی اس درخواست کو منظور نہ فرمایا کہ خود انکے ساتھ چلے جائیں بلکہ یہ کہکر کہ "میں یہاں بہت آرام سے ہوں خدا کا بندہ خدا کے گھر میں پڑا ہے کہ نہ کوئی نکالنے والا ہوگا نہ اُٹھانے والا" انکو رخصت فرما دیا

سرائے کے پرزادے توقع کے خلاف حجرہ اور مدرسہ دری کے اسقدر جلد اور بے تامل خالی ہو جانے سے دلوں میں تو ہار مان گئے اور اپنی مکروہ و ناشایستہ حرکت پر خود نادم و منفعل ہو چکے تھے منجانب اللہ انکو تنبہ ہوا اور ایک نے دوسرے پر الزام رکھا کہ تمنے یہ گستاخ حرکت مجھسے کرائی ہائے افسوس جد امجد کے آباد حجرہ کو برباد اور معمور کوٹھری کو ویران کرا دیا دینی علوم کی درس و تدریس کو بند کیا اور تمام خیر و برکات کو موقوف غرض نادم و پشیمان ہو کر جلسہ کیا اور مشورہ کر کے حضرت امام ربانی کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے اپنی گستاخی کا عذر کیا خطا کی معافی چاہی اور حجرہ کے پھر آباد کرنیکی درخواست کی -

حضرت قدس سرہ کو مسجد میں قیام کئے ہوئے تین چار دن گزر لئے تھے آپنے مسجد کو چھوڑ کر حجرہ میں جانے سے انکار کیا مگر جب ان لوگوں کا اصرار حد سے بڑھ گیا اور ضعیف العمر بوڑھوں مسن سفید ریش بڑوں نے آپکے اسکی تمنا کی تو آپنے گردن نیچے جھکالی اور بدستور سابق حجرہ میں رونق افروز ہوئے -

حضرت کا ایک کمال اُسوقت ظاہر ہوا تھا جبکہ آپنے حجرہ خالی کیا تھا اور دوسرا کمال اِسوقت نمایاں ہوا

جبکہ آپ نے اُن کی خطا کو معاف فرما کر حجرۂ مالوفہ میں دوبارہ قدم رکھا اُس دن سے لیکر آجتک کسی نے ملکیت یا قبضہ کا نام نہیں لیا۔ وصال کی آخری گھڑی تک آپ اُسی میں آباد و مقیم رہے وہی مسند درس ہے جسکے غربی جانب آپ کا بچھونا اُس وقت بچھا ہوا تھا جبکہ آپ سفر آخرت کے لئے سفر کی خوشی خوشی طیاری کر رہے اور شوق لقاء حق میں اللھم الرفیق الاعلیٰ کی زبان حال سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ حجرہ میں دوبارہ تشریف آوری کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "میرا کیا بگڑ گیا اور تمے روپے اُنکے ہاتھ سے کھوئے گئے"۔

الغرض امام ربانی قدس سرہٗ کا درس اُس سال تک برابر جاری رہا جس سال میں آپکی بصارت ضعیف ہوئی اور نزول آب نے آپکو ظاہری بینائی سے معذور بنا دیا۔ ہجری [illegible] اور عیسوی [illegible] وہ سال ہے جسمیں تدریس حدیث کا آخری دور تھا اُس جماعت میں جناب مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی شریک تھے یہ دورہ بینائی کے آہستہ آہستہ کمزور ہونے کے زمانہ میں بھی قائم رہا بلکہ جلد جلد ہوا کہ کسی طرح ختم ہو جائے۔ آخر اسی سال میں نزول آب نے آنکھ کی پتلی کو ضعیف بنا اور حضرت امام ربانی ظاہری تعلقات سے یکسو ہوکر اب بالکلیہ اصلاح باطن اور تربیت مخلصین میں مشغول ہو گئے۔ آپ کے گہر بار دربار حدیث سے کچھ اوپر تین سو طالب علم فیضیاب ہوئے اور فارغ التحصیل ہوکر ادھر اُدھر افادہ و افاضہ کے لیے منتشر ہو گئے جن میں بہت سے اب بھی بحمد اللہ زندہ اور تدریس میں مشغول ہیں بہتیروں کا وصال ہو گیا اور بہتیرے حضرات دوسرے کام میں مشغول ہوکر ایسے زاویہ خمول میں مستور ہیں کہ دیکھنے والے کو یہ معلوم ہونا دشوار ہے کہ انکو بھی حضرت محدث گنگوہی قدس سرہ سے تلمذ کا شرف اور شاگردی کا اعزاز حاصل ہے۔

طلبہ کے فارغ ہو جانے اور دورہ ختم کر لینے کے بعد آپ اہل قاعدہ مسنونہ کے موافق انکو روایت کی اجازت زبانی عطا فرماتے اور جو طلبہ تحریری درخواست کرتے انکو اجازت نامہ تحریری بھی فرما دیتے تھے۔ حجۃ اللہ دہلوی کے سلسلہ علیہ کے موافق جو اہل طلبہ یا علماء بغیر اسکے کہ آپ کے سامنے بیٹھکر کوئی کتاب پڑھیں یا سنیں پوری کتاب یا کسی خاص حدیث کی اجازت چاہتے تو آپ انہیں بھی دریغ نفرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ نے حدیث بعض کی اجازت چاہی تو آپ نے بے تامل حدیث کو مع سند لکھدیا اور مولانا کو اجازت عطا فرمانے کے ساتھ اُن علماء کو بھی اجازت دیدی جنہوں نے سوال نہیں کیا تھا مگر اجازت چاہتے تھے یا آئندہ کو چاہیں۔ اس عطیہ عامہ کو ہدیہ ناظرین کرنا مناسب سمجھکر والا نامہ بعینہ نقل کرتا ہوں۔

مولوی اشرف علی صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کو خط آیا سند حدیث نقل کرتا ہوں۔ حدثنی شیخی استاذ
احمد سعید المجددی قال حدثنی ابی الشاہ ابو سعید المجددی قال حدثنی شیخ الشیوخ الشاہ عبد العزیز الدہلوی
قال حدثنی ابی الشاہ ولی اللہ الدہلوی عن القاضی ابی الطاہر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
امتی تفترق علی ثنتین و سبعین ملۃ ... دانچہ قصہ آن منقول و مشہور سند شنیدہ باشید دیگر مسلسلات انچہ
از مطبوع شدہ اند از آن نوا گیرند۔ بندہ اجازت و اسناد بالاجمال ہمہ حدیث کردہ اند ... یاد کردہ بود محمد یقیم والسلام
دیگر احباب را سلام رسانند و ہر کہ خواہد باید بگیرد کہ بندہ اجازت ہمہ ایشان نمایند۔

اب میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں تا بہ تحصیل تشبیہات و نکات حدیث و قرآن سند جواز ات درج کرتا ہوں
جن سے ناظرین کو صرف اُس جماعت کا نمونہ دکھلانا مقصود ہے جو حضرت کے خوش نصیب شاگردوں نے دامن
بھر بھر کر لوٹی تھی شبہات سے قبل مضمون کے تکملہ کی غرض سے ایک اجازت نامہ بھی نمونہ کو دکھلانا چاہتا ہوں
جو حسب استعداد و اہلیت فارغ ہونے والے بعض طلبہ کو حضرت امام ربانی کی طرف سے مہری و دستخطی عطا ہوا
کرتی تھی اس اجازت روایت کو آجکل طلبہ کے گروہ میں سند کہا جاتا ہے اور جو مدرسہ سے فارغ ہونے پر
عطا ہو اور مدرسین سے ملتی ہے سند کے سادہ الفاظ اور مختصر و جامع تحریر اُس اخلاص کا پتہ دیتے ہیں
جسکی بنا پر کئی سال تک گنگوہ چمنستان علوم شرعیہ اور گلشن اشجار سنت نبویہ بنا رہا۔

یہ اجازت ہادی شریعت رہبر طریقت مولانا الحاج المولوی محمد روشن خان صاحب مراد آبادی کو عطا ہوئی
اور حضرت امام ربانی نے اپنے قلم اور دست مبارک سے تحریر فرمائی تھی و ہو ہذا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد و آلہ و صحبہ و تابعیہ
اجمعین الی یوم الدین وبعد فیقول الراجی الی رحمۃ ربہ الصمد اضعف عباد اللہ المشتہر برشید احمد الگنگوہی مولداً و مسکناً
والانصاری والحنفی نسباً و مشرباً ان الاخ الاعز فی الدین المولوی محمد روشن خان بن محمد امیر خان المراد آبادی قد قرأ
علیّ الامہات الست المشہورۃ فی الحدیث کذا و بعض الموطا للامام الہمام مالک بن انس و عشرین جزءاً من تفسیر الجلالین
رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین و فہم کما ینبغی لہ وانا اجزت ان یروی عنی جمیع ما قرأ عندی بشرط التیقظ فیہ واوصیہ
بتقوی اللہ والمحافظۃ علی حدودہ واتباع سنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم والاقتداء بعہودہ وان لا ینسی الخیر من جناب
ائمۃ الدین والفقہاء المجتہدین وان لا یصاحب ولا یجالس السفہاء واہل الاہواء و یفیت ما استطاع عن ...
من العلماء وان یلزم علیہ اشتغال علم الدین ودراستہ و یجتنب عما لا یعنیہ فہم و درایۃ ما ... یجعل ...

لتنیل رضاء اللہ تعالیٰ ولقائہ ولا ینسانی من صالح الاستغفار وخیر دعائہ واسأل اللہ تعالیٰ ان یوفقنا لما یحب و یرضی ویجعل آخرتہ خیرا من الدنیا والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۔ المرقوم یوم السبت سابع جمادی الاولیٰ من سنۃ الف ومائتین وثمنین وثلثین من ہجرۃ سید النبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقط کتبہ الفقیر العبد رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

۱۲۹۳ ہجری

نکات و متعلقات احادیث و قرآن

(س ۱) ایک مرتبہ مولوی میر شاہ خان صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی "میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھنے لگیں" حق تعالیٰ نے قبولیت دعا کا اظہار بھی فرمایا کہ اوتیت سؤلک یاموسیٰ کہ "تمہاری درخواست منظور ہے اے موسیٰ" حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کی لکنت عمر بھر رہی جب بات کرتے تو ضغطہ لسان کے باعث رانوں پر جوشش غضب میں ہاتھ مارا کرتے۔

(ج) فوراً حضرت امام ربانی نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہی ناتمام تھی خود ہی اسکا سوال کیا تھا کہ اتنی گرہ کھول کہ لوگ بات کو سمجھنے لگیں سو عطا ہو گئی پس جو بات کہتے گو بدقت کہتے مگر لوگ سمجھ ضرور لیتے تھے کر کیا کہہ رہے ہیں اگر یفقھوا قولی عرض نہ کرتے تو دعا تام ہوتی اور ساری لکنت جاتی رہتی۔

(س ۲) مولوی ولایت حسین صاحب نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت جو طور پر بدعتین فاتحہ و ایصال ثواب کرتے ہیں کیا اسکا ثواب مُردوں کو پہنچتا ہے؟

(ج) معاً ارشاد فرمایا اصل قرأت قرآن کا ثواب کیوں نہ پہنچیگا اگرچہ اور زائد امور کا گناہ بھی ہو فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ الآیۃ۔

(س ۳) جس زمانہ میں آپ نے مغالطہ عامہ کی تصحیح میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ان ہٹے کٹے فقیروں کو دینا بھی حرام ہے جنہوں نے بھیک مانگنا اپنا شعار اور پیشہ بنالیا ہے کیونکہ لا تحل السوال لغنی ولا لذی مرۃ سوی سے انکو سوال کرنا حرام ثابت ہوا اور دینا چونکہ حرام کی اعانت ہے اسلئے ولا تعاونوا علی الاثم سے یہی جرم ثابت ہوئی کہ حرام کی اعانت بھی حرام ہے اسپر بہتیرے کج فہم اصحاب کی طرف سے شبہات پیش ہوئے للسائل علیک حق ولو جاء علی فرس وغیرہ سب ہی کے لطیف معانی حضرت نے بیان فرمائے انہیں شبہات

میں قوی شبہ اما السائل فلا تنہر بار بار تحریراً و تقریراً پیش کیا جاتا تھا ایک مرتبہ کچھ خیال آگیا اور جوش میں آکر ارشاد فرمایا "مولوی بھی ذرا تفسیروں میں دیکھو تو سہی کیا معنی لکھے ہیں اور کسی نے تک بات بیان کی بھی ہے یا نہیں ؟ پھر ہم مطلب بتائینگے" چنانچہ بیضاوی مدارک جلالین سب ہی میں تلاش ہوئی کسی نے بھی یا ان کان عندک فاعطہ والا فلا تزجرہ کے علاوہ کچھ نہ لکھا عصر کے بعد بھرے مجمع میں حضرت امام ربانی نے یوں تقریر فرمائی تعجب ایسے بڑے لوگوں نے کچھ بھی نہ لکھا مجھے تو یہ حیرت ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں سائل کو جھڑکو مت اور لوگ یہ معنی سمجھتے ہیں کہ "بھیک دیدو" بھلا "فلا تنہر" سے دینا کہاں ثابت ہو گیا اسکے علاوہ ذرا پچھلے مضمون کو تو غور کریں کیا بیان ہو رہا ہے ؟ الم یجدک یتیما فآوی ووجدک ضالا فھدی الخ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان کا اظہار ہے کہ پچھلا زمانہ یاد کرو تم یتیم تھے ہمنے تمہیں ٹھکانا دیا راستہ معلوم نہ تھا ہمنے راہبری کی فقیر تھے ہمنے غنی بنا دیا آگے حکم ہے پس یتیم پر قہر نہ کرنا کیونکہ قدر سمجھ چکے ہو اور فقیر کو جھڑکنا مت کیونکہ تنگدستی و فقر کا زمانہ دیکھ کر اندازہ کر چکے ہو۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جو اس درجہ کا غریب ہو جیسے واقعی محتاج وہی آیت میں مراد ہے ورنہ مطلق سائل مراد لینے سے تو پچھلی آیت کو اس حکم سے ربط و مناسبت ہی باقی نہیں رہتی ۔

(س ۴) ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت اگر وظیفہ شب کو نہ ہو سکے تو دن میں قضا کرنے سے وہی ثواب ملیگا

(ج) آپ نے فرمایا ہاں کیوں نہیں ہو الذی جعل اللیل والنہار خلفۃ لمن اراد ان یذکر او اراد شکورا ۔

(س ۵) مولوی ابو البرکات صاحب سوی نے دریافت کیا کہ حضرت صدق اللہ وکذب بطن فلان الحدیث اولکما قال کا کیا مطلب ہے اور کذب سے کیا مراد ہے ؟

(ج) فرمایا کہ دستوں کا جاری ہونا بظاہر تو مرض کا زیادہ ہونا تھا مگر واقع میں یہی سبب تندرستی تھا اسی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کذب سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ ظاہر اور باطن میں تخالف ہی کا نام کذب ہے کما لا یخفی۔

(س ۶) افرأیتم ما تحرثون ء انتم تزرعونہ ام نحن الزارعون لو نشاء لجعلناہ حطاما الآیۃ اور آیت افرأیتم الماء الذی تشربون ء انتم انزلتموہ من المزن ام نحن المنزلون لو نشاء جعلناہ اجاجا کی تفسیر کے متعلق یہ نکتہ بیان فرمایا کہ۔

(ج) پہلی آیت میں لجعلناہ لام کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے اور دوسری آیت میں جعلناہ بغیر لام کے جسمیں فصاحت تامہ ملحوظ ہے کہ زراعت میں فی الجملہ انسان کو مداخلت ہے پس منفعہ یا کاری تھا اور آدمی سمجھ سکتا تھا کہ جو اناج غلہ کھیتی باڑی میری محنت و کاشتکاری سے پیدا ہوا ہے اسکو اپنی حفاظت سے محفوظ اور باقی رکھ

سکتا ہوں پس اسکا رفع حرف تاکید یعنی لام سے فرمایا کہ آدمی سے کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہم چاہیں تو اسکو ملیا میٹ بیکار بنادیں اور انزال مطر میں کسی طرح انسانی فعل کو دخل ہی نہیں ہے اسلئے تاکید کی حاجت نہیں کیونکہ اسکی حفاظت اور قابل انتفاع رکھنے کا انسان کو اپنی ناچاری کے باعث واہمہ بھی نہیں ہو سکتا اگر بارش نہو تو آسمان کو میتھا تکا کرے یا پانی شور ہو جائے تو ہاتھ ملتا پھرے کوئی تدبیر اور علاج نہو سکے۔

(ش ۷) ایک بار ارشاد فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے "قیامت اُسوقت آئیگی جبکہ دنیا میں اللہ اللہ کا کہنے والا ایک بھی نہو گا" اس حدیث سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ اگر ایک شخص ایک بار اللہ کا نام لینے والا بھی اسوقت موجود ہوگا تو آسمان وزمین قائم رہیں اور قیامت نہ آوے یعنی اللہ کے نام میں یہ برکت ہے کہ ایک بار اُسکا نام زبان سے اُٹھا بھی زمین وآسمان کو تھام لیتا ہے۔

(ش ۸) تعبد ربک کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک الحدیث۔ کی توضیح میں ارشاد فرمایا کہ فا اسجگہ علت کیلئے ہے پس معنی حدیث یوں ہوسے کہ "حق تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو کہ گویا اُسکو دیکھ رہے ہو اسلئے کہ اگر تم اُسکو نہیں دیکھتے (کیونکہ اُسکی رویت دنیا میں غیر ممکن ہے) تو وہ تو تمکو دیکھ رہا ہے" اور اسی وجہ سے کانک تراہ حرف تشبیہ کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ "گویا تم اُسکو دیکھتے ہو" تراہ محض نہیں فرمایا کہ حقیقۃً دیکھ ہی رہے ہو غرض مقصود حدیث میں جملہ ثانیہ فان لم تکن الخ سے بھی جملہ اولی یعنی کانک تراہ کا ثابت کرنا مقصود ہے نہ تردید وتشقیق جیسا کہ عام شراح سمجھ رہے ہیں اگر تقسیم مراد ہوتی تو یوں ارشاد ہوتا۔ فان لم تکن فی درجۃ کانک تراہ فانہ یراک "فلیفہم"

اسی اخلاص استبداد کے بعد امام ربانی قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ سارے تصوف کا حاصل اور کمال کا اعلیٰ درجہ یہی تو ہے جسکو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو لفظوں میں بیان فرمادیا اسی احسان کے حاصل کرنے کو تمام مجاہدہ وریاضت ہے اور دین کی ساری تعلیم وتلقین اسی غرض سے ہے کہ یہ خلاصہ تصوف اور لب لباب حاصل ہو جائے۔

(ش ۹) حدیث سے لحوم ابل کا ناقض وضو ہونا صراحۃً ثابت ہے ہر چند کہ تاویل ممکن ہے مگر ضرورت تاویل وعدول عن الظاہر کی کیا ہے ؟

(ج) حضرت ابو ہریرہؓ نے جب فرمایا کہ ما مست النار سے وضو آتا ہے اور حضرت عبد اللہ بن عباس نے اعتراض کیا کہ تو ضاءمن الحمیم تو تقیہ کے اعتراض سے معلوم ہوا کہ وضو کے معنی حدیث میں حقیقۃً لغوی کے

لہ حقیقت شرعی اور حدیث مرفوع سے بھی وضو بمعنی نظافۃ ہونا اس موقع پر دریافت ہوتا ہے پس وضو بمعنی نظافۃ ٹھہرا تو سب جگہ یہی معنی مراد ہوئے پس لحم ابل سے کلی اور ہاتھ دھونا نسبت لحم شاۃ زیادہ ضروری ہے کیونکہ ابل میں بدبو ہوتی ہے لہذا حنفی اور شافعی کے نزدیک لحم ابل مثل باقی ماست النار کے ناقض نہیں بلکہ باعث زیادتی نظافت ہے اسلئے کہ رفع اذیت ہانس و رائحہ اس سے ہوتا ہے معہذا جابر سے منقول ہے کہ کان آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترک الوضوء مما غیرت النار۔ تو ما غیرت بعمومہ لحم ابل کو بھی شامل ہے سوا امور ظاہر معنی حقیقۃ شرعی سے عدول کے باعث جمہور کو ہوئے ہیں واللہ اعلم۔

(ش ۱۰) عبد اللہ بن زبیر نے جو کعبہ کو از سر نو بنا بر ابراہیمی بنایا تا صحیح مسلم میں مروی ہے کہ طول میں واسطے موزونی بنا کے کچھ بڑھایا پھر حجاج نے بحکم عبد الملک طول کو تو ویسا ہی رہنے دیا اور باقی کو پہلی صورت پر اعادہ کیا جسکے بعد ترمیم نہیں ہوئی اب شبہ یہ ہے کہ طول میں جس قدر حصہ کعبہ بڑھا ہوا ہے اسکی محاذات سے نماز کیونکر ہوگی اسے نماز میں بحث رعایت کرنا پڑیگی مطلب ب کی محاذات ہو اور ج کی جائز ہو

طول زائد ج	طول اصلی ب

(ج) طول سے مراد حدیث مسلم میں ارتفاع الی السماء ہے طول و عرض جنوب و شمال اور شرق و غرب کا مراد نہیں پس حاصل یہ ہے کہ ارتفاع کو تام کیا اور جانب حطیم سے جو چھوڑا ہوا تھا تمام کر دیا اور سب ہوا کعبہ کی آسمان تک قبلہ ہے خود ظاہر ہے۔ اور جو طول سے جنوباً شمالاً مراد ہوتا تو بنا ابراہیم علیہ السلام پر بیت کا ہونا کس طرح صحیح ہو کیونکہ اس صورت میں تو بیت بناء ابراہیم علیہ السلام سے زائد ہوا جاتا ہے بہر حال طول سے مراد ارتفاع ہی ہے واللہ اعلم

(ش ۱۱) الا ثوب عصب استثناء صریح ہے حالانکہ حنفیہ شافعیہ اسکی حرمت کے قائل ہیں تحریم کی کیا وجہ ہے؟

(ج) احداد ترک زینت ہے لغۃً و شرعاً پس جسمیں زینت ہو وہ کپڑے ممنوع ہونگے اور ثوب عصب نہایت زینت کا ثوب ہے چنانچہ آج بھی رنگی ہے کہ ہندوکی عورتیں شادی میں پہنتی ہیں لہذا اس ثوب کو حرام کہتے ہیں بلکہ معنی عصب کے ایک رنگ سیاہ ہے اسکو استثناء فرمایا ہے جیسے دوسری حدیث میں فرمایا ولا تلبس ثوبا مصبوغا تو عصب کا رنگین بھی اسمیں داخل تھا اور سیاہ میں زینت ہوتی نہیں لہذا اسکو مستثنی فرما دیا واللہ اعلم۔

(ش ۱۲) اتجعل نہبی و نہب العبید بین عیینۃ والاقرع۔ میں بین کے معنی درمیان کے ہے یا اور کچھ شق اول پر یہ معنی حقیقی ہیں یا مجازی؟

(ج) بین کے معنی درمیان کے ہیں کچھ ضرورت تحریف کی نہیں چونکہ عیینہ اور اقرع کو سو سو عدد عطا فرمائے اور انکو کم دیئے تو گویا جو حصہ انکا تھا وہ عیینہ اور اقرع کو تقسیم کر دیا مثلاً اگر انکو اسی دے دیتے تو آتی سے جب

مساوی ہوکر بیس بیس جو اقرع وعیینہ کو زاید ملا وہ چالیس ہر ایک کا حصہ تھا جب انکو چالیس میں سے کچھ دلا
انکا حصہ بھی ان دونوں (عیینہ واقرع) پر تقسیم ہوا پس معنی درست ہوگئے کہ "آیا کرتے ہو میرے حصہ سے
یعنی بعض حصہ کو اقرع وعیینہ میں ایوں نہ کرو بلکہ میرا حصہ دیگر برابر کردو واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش ١٣) امرأۃ قیصرۃ من بنی اسرائیل کے قصہ میں ہے۔ وضعت خاتما من ذہب مغلق مطبق حشتہ
مسکا مغلق مطبق کے کیا معنی ہیں؟

(ج) مغلق مطبق کے معنی کہ نگینہ انگشتری کا چاروں طرف سے ابھار کر درمیان میں خالی جوف رکھا اور
پھر اوپر سے بھی کسی شے سے بند مطبق کر دیا کہ مشک اوپر کی طرف سے نہ گر پڑے۔ اور اسے ڈہانکا مگر ایسا
چھید جس سے خوشبو نکلے باقی رکھا تھا ورنہ محض اغلاق اطباق سے خوشبو کیونکر نکلتی یا ایسا اطباق رقیق
یا مشبک شے کا تھا کہ خوشبو نکلتی رہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش ١٤) باب جر الازار میں ابوہریرہؓ کا قصہ ہے کہ ایک مسبل ازار کو دیکھکر حدیث بیان کی انہیں وہو امیر
علی البحرین کا مرجع کون ہے یضرب رجلہ علی الارض کا کون فاعل ہے اور استخلاف مروان کا قصہ کیوں مذکور ہوا

(ج) وہو امیر علی البحرین ای الرجل الجائی یضرب ابوہریرۃ رجلہ علی الارض یعنی مسخری اور استہزا کرنے
لگے جیسا عار دلانے اور طعن کرنے کو پاؤں زمین پر مارتے ہیں اور فرماتے تھے جاء الامیر جاء الامیر یعنی
امیر بحرین جر ازار کرتا ہوا آتا ہے اور شرم نہیں کرتا کہ یہ فعل حرام ہے اور استخلاف کا ذکر اسواسطے کیا کہ ابوہریرہؓ
کو یہ جرات استہزا اور طعن کی امیر بحرین کے اس عزہ کے سبب تھی کہ خلیفہ بھی انکو معزز معظم رکھتے تھے ورنہ
اسطرح جرات ایسے کلام کی ہوتی واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش ١٥) ہندہ نے زید کو آزاد کیا پھر ہندہ اول مری اور ایک بیٹا عمر اور ایک بھائی بکر چھوڑا پھر عمر مر گیا اور
ایک عم خالد چھوڑا۔ اب زید (آزاد شدہ غلام) مر گیا۔ خالد اور بکر میں منازعت ہے خالد کہتا ہے کہ چونکہ ہندہ
معتقہ کی موت کے وقت اسکا بیٹا عمر موجود تھا اسلئے وہ وارث ولاء کا ہوا اور چونکہ میں عمر کا عصبہ ہوں اسلئے
(عمر کے بعد زید کا ولاء جو حق عمر تھا) مجھے پہنچا۔ بکر کہتا ہے کہ معتق (یعنی زید) جب مرا ہے تو اسوقت معتقہ
یعنی ہندہ کے عصبات میں سے صرف میں ہی ہوں (کیونکہ اسکا حقیقی بھائی ہوں) پس تمہارا کوئی استحقاق
ولاء میں نہیں ہے۔ حسب فیصلے روایت ابوداؤد ولا خالد کو ملنی چاہئے اور حسب روایت موطا امام محمد
کے بکر کو ملنی چاہئے یہ تو دونوں کا اختلاف ہے اب حنفیہ کا عمل چونکہ حسب موطا ہے اس لئے

اسکی وجہ ترجیح اور ابو داؤد کا جواب مطلوب ہے۔

(ج) آپ کا حاصل سوال پہلی دفعہ بندہ نہیں سمجھا اب فہم میں آگیا۔ حضرت عمرؓ سے اور دیگر صحابہ سے منقول ہے کہ الولاء للکبر اور مراد کبر سے اقرب الی المیت ہے تو جمہور مجتہدین نے اسکو قبول کیا اور الولاء لا یورث کو پیش نظر کیا اور ولاء کو بوجہ نصرت کے قائم کیا لہذا ظاہر قضاء حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جو ابو داؤد وغیرہ نے نقل کیا عمل نہیں کیا اب ابو داؤد کی روایت کے معنی اس طرح بنانے سے درست ہو سکتے ہیں کہ موت مولی کی حیوت فرزندان میں ہوئی تھی فقدم ومات میں واو مطلق جمع کے واسطے ہے اور وقدمات سابقا قریبا وقت حیوۃ ابنین اور ربح ومال میں تکرار تھا کہ مال کو لوٹانا چاہیے تھا جو معمر یا اور حضرت عمرؓ نے یہ مال ہی دلوایا تھا یا احرز الولد سے مال ہی مراد تھا کیونکہ ولاء جو لحمۃ کلحمۃ النسب ہے اسکا احراز ممکن نہیں اور اس مال ہی کا مراد تھا۔ یا یہ کہ ولا بعض تابعین وغیرہ کا عبد الملک کے وقت میں ہوا عبد الملک نہیں سمجھا اور عمر بن العاص بھی نہیں سمجھے تھے مال پر ولاء کو قیاس کر لیا ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۷۶) احادیث سے سنیت قرأت فاتحہ صلوٰۃ جنازہ مفہوم ہوتی ہے اور نہ پڑھنا بعض صحابہ کا وہ نافی تاکد ہو سکتا ہے نہ نافی سنیت کا پھر اس تاویل کی کہ قرأۃ نہ تھی ثنا تھی کیا دلیل ہے؟

(ج) مستحب وہ عبادت ہے کہ آپ نے چند بار کر کے ترک کر دیا بدیں وجہ کہ یہ واجب یا مؤکد نہ ہو جائے اور جو فعل کرتے تھے اور پھر اسکی جگہ فعل کے خلاف کسی دوسرے فعل کو کر دکھایا تو یہ دوسرا فعل رخصت بیان جواز ہوتا ہے نہ امر مستحب۔ یہ فرق ہر اہل علم کو جاننا بہت ضرور ہے پس صلوٰۃ جنازہ میں بعد تکبیر اول کے ثنا کا پڑھنا تو امر شائع تھا کہ خود ابن عباسؓ کو اسکے خلاف کا اظہار کرنا ضرور تھا اور ابو ہریرہؓ و ابن عمرؓ نے تصریح کر دی کہ لیس فی صلوۃ الجنازۃ قراۃ اس سے ظاہر ہوا کہ آپ کا فاتحہ پڑھنا بوجہ ثنا اور بیان جواز کے تھا نہ بطریق تشریع کے ورنہ یہ قرأت فاتحہ بالضرور ایسے امر کثیر الوقوع میں دیگر صحابہ پر مخفی نہ رہتی اور ابن عباس کا ایسے امر رخصت کو کہ وہ کراہت تنزیہ سے خالی نہیں سنت کہنا دوسری جگہ ہوا ہی کا ہے چنانچہ سنن ابو داؤد میں اقعاء بین السجدتین کو سنۃ نبیکم فرمایا ہے اور صلوۃ جنازہ من کل الوجوہ صلوۃ بھی نہیں بلکہ مشبہ بالدعاء ہے ان وجوہ سے فاتحہ کا بطور دعاء و ثنا پڑھنا راجح ہے نہ بطور تشریع سنت و استحباب کے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۷۷) نو مسلم جسکے پاس چار بیبیوں سے زاید ہوں حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اختیار اربع میں مختار ہے خواہ قدیمات کو رکھے خواہ جدیدات کو بعض حدیث میں لفظ تخییر صادق آگیا ہے پھر تعیین منکوحات اولیٰ کی کیا دلیل ہے؟

(ج) واقعہ حال ہے کلیتہ و مطلقاً حکم معلوم نہیں ہو سکتا ہے لہذا اثبت کا قرینہ کالہ اختر یعنی اشعث اور اختر ابنتا محل تردد ہے کہ وہاں کوئی صورت پیش آئی تھی آیا وہ نکاح قبل تحریم جمع بین الاختین و جمع بین عشر نساء کے کیا گیا تھا کہ سب کا نکاح درست تھا پھر اسپر تحریم جمع کے جواز کی عارض ہوئی یا بعد نزول تحریم کے اور ایک نکاح سے جمع تھی یا نکاح سے بہ ترتیب۔ پس شق اول میں تو کسی کے نزدیک بھی خلاف نہیں بلکہ اختیار سب کے نزدیک ثابت ہے اور دوسری و تیسری شق میں یہ تینوں شق ہو سکتے ہیں کہ سب کو تفریق کر کے چار کو یا ایک اخت کو اختیار بہ نکاح جدید کر لے پس باشتراک معنی اور جہالت واقعہ کے سبب حاجت بنظر تفقہ ہوئی لہذا دیکھا گیا کہ اگر کوئی کافر محرم سے نکاح کرے تو بعد اسلام اسکی تفریق کرانے کا حکم ہوگا ایسا ہی یہاں بھی جو نکاح حرام واقع ہوا اسکی تفریق کرانا واجب ہوگا کیونکہ ان مسائل فرعیہ میں کفار علی الاصح مخاطب ہیں مگر ہمکو الزام حکم اسپر نہیں پہنچتا اور بعد اسلام کے الزام واجب ہے پس اس امر غیر مشروع کو کہ اس سے صادر ہوا رفع کرنا واجب ہوگا نہ امر مشروع کا رفع لہذا ترتیب اختین میں دوسری اخت کا نکاح غیر مشروع تھا نہ پہلی کا اور جمع میں دونوں کا نکاح ہوا تھا پس غیر مشروع کو دفع کیا جاویگا نہ مشروع کو اور عشرہ بہ ترتیب میں چار اول کا نکاح مشروع ہے نہ خامس کا علی ہذا قیاس الفرق واللہ اعلم۔

(س ۱۸) بائع اگر اپنا مال بعینہ شخص کے پاس پاوے اسکا احق ہونا بہت حدیث سے ثابت ہے بعض حدیثوں میں لفظ ابتاع وغیرہ صحیح ہے جہاں تاویل ودیعت کی مشکل ہے اسکے کیا معنی ہونگے؟

(ج) موت مشتری کا مسئلہ کہ "مشتری مفلس مرجاوے تو سب غرماء کی برابر ہو جاتا ہے چنانچہ ابوداؤد میں یہ حدیث دلیل امام صاحب کی ہے بیع کے مسئلہ میں قبل قبض تو بائع احق بالمبیع ہوتا ہے کیونکہ ملک تام مشتری کی بسبب قبض نہ کرنے کے نہیں ہوئی اور بوجہ قبض کے اسوۃ للغرماء ہوگا بسبب تامی ملک کے کہ موت کا مسئلہ نظیر و دلیل اسکی ہے لہذا معنی بعینہ کے عدم تغیر معنوی کہ امانت ہے مراد ہیں نہ تغیر صوری کہ بدلنا یا نقصان مبیع کا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۱۹) قصہ بنی قریظہ سے انبات عانہ کا بلوغ میں معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے اگر مثل امام احمد وقت معلوم ہونے دوسری علامات کے اسکو مناط بلوغ کا قرار دیا جاوے تو کیسا ہے اور بالکل اعتبار نہ کرنے کی کیا وجہ ہے؟

(ج) اس مسئلہ میں اگر تعذر عمر کے دریافت سے ہو تو تحقیق زمانہ کے مقام میں شارع نے انبات پر حکم فرمایا ہے کہ عمر کا دریافت کرنا وہاں متعذر تھا اور انبات عانہ یا لحیہ کا کوئی وقت مقرر نہیں اور کوئی ایسی دلیل بلوغ کی نہیں اسواسطے حنفیہ نے اسپر مدار نہیں رکھا اگر تحقیق ہو جاوے کہ انبات بدون بلوغ کے نہیں ہوتا یا ضرورت شدیدہ

داعی ہوئے تو اسپر حکم ہوسکتا ہے چنانچہ امام ابو یوسف سے اعتبار اثبات عادی کی روایت منقول ہے مگر یہ اُسوقت معتبر ہوگی کہ عمر کے دریافت سے تعذر اور ضرورت داعی ہو واللہ اعلم۔

(س ۲۰) کسی شخص نے امتہ زوجہ سے زنا کیا صحابی کا فیصلہ کہ اگر زوجہ نے حلال کیا تھا تو یہ سزا (شاید جلد ہے) اور اگر حلال نہ کیا تھا تو یہ سزا (شاید رجم ہے) یہ کس قاعدہ پر مبنی ہے اور اسکا کیا جواب ہے؟

(ج) نعمان بن بشیر کا یہ حکم موافق قاعدہ حنفیہ کے ہے کہ زوجہ کی جاریہ سے وطی کرکے اگر کہے کہ میں اسکو حلال جانتا تھا تو بسبب شبہہ فعل کے حد ساقط ہو جاتی ہے سو یہاں وہ جاہل محض تھا بسبب تحلیل زوجہ کے حلال جانکر اسکے یہ کام کرنے کا محل تھا لہذا فرمایا کہ اُسکو رجم نہ کرونگا اور سو کوڑے بطور تعزیر کے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ کا بھی یہ مذہب تھا اور درصورت عدم تحلیل کے حرام ہونا خود ظاہر ہے موجب رجم کا ہے مگر جو شبہہ فعل وہاں ہو جائے تو وہاں بھی سقوط حد و تعزیر کا محل ہے مگر نعمان کا فرمانا باعتبار حال مستفسر کے ہے تردید حنفیہ نہیں واللہ اعلم

(س ۲۱) ہمارا مذہب کفار حربی سے اسلام یا سیف ہے بہت حدیثوں سے استرقاق عرب کا ثابت ہے اسکے معارض کوئی دلیل نقلی بھی ہے یا نہیں؟

(ج) عدم استرقاق عرب میں مذہب حنفیہ کا یہ ہے کہ مقاتلین بالغین کو رقیق نہ بنایا جاوے اُنپر جزیہ لگا کر چھوڑا نجاوے جیسا مرتدین پر سو اسکے خلاف کوئی روایت حدیث کی نہیں ہے کہ جسکے جواب کی ضرورت ہو اور ذراری کو رقیق بنانا درست ہے اور انکا ہی رقیق بنانا احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

(س ۲۲) حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ قاعدًا کا نصف ثواب ہے صلوۃ قائمًا سے اور صلوۃ نائمًا نصف ہے صلوۃ قاعدًا سے اگر یہ محمول ہے حالت عذر پر تب تو تنصیف کی کیا وجہ حدیثوں میں صاف مذکور ہے کہ بندہ اگر حالت صحت میں نیک عمل کرتا ہو تو مرض میں باوجود نہ کرنے کے اجر کامل ہوتا ہے چہ جائیکہ تبدیل ہیئت اور اگر محمول ہے غیر حالت عذر پر جیسا کہ ظاہر ہے تو صلوۃ نائمًا کے جواز و مشروعیت کا قائل ہونا چاہیے جیسا کہ حسن بصریؒ کا مذہب ہے

(ج) یہ مسئلہ صلوۃ نفل کا ہے ایسے مریض سے کہ قیام یا قعود سے عاجز تو نہیں مگر تکلیف ہوتی ہے ہاں تحمل مشقت کر سکتا ہے سو ایسے شخص کے فرض تو نہ قعودًا درست ہوں اور نہ قدرت قعود میں نائمًا درست ہوں ہاں نوافل کا ثواب علی النصف ہی ملیگا جیسا تندرست کا حال ہے مگر اسکو نائمًا کی اجازت ہے بضرورت تکثیر نوافل و ثواب کے۔ اور تندرست کو نائمًا جائز نہیں کہ اسطرح شارع سے کبھی ثابت نہیں ہوا واللہ اعلم۔

(س ۲۲) ترمذی مطبوعہ مطبع مجتبائی سابق صفحہ ۴۷ قال ابن المبارکؒ ما بین المشرق والمغرب قبلۃ ہذا لاہل المشرق واختار عبد اللہ بن المبارک التیاسر لاہل مرو [illegible] استنبط الفقہاء [illegible] ابن المبارک

لاہل المشرق واختار عبداللہ بن المبارک التیاسر لاہل مرو تخصیص اہل مشرق واہل مرو کے کیا معنی؟

(ج) چونکہ مشہور یہ تھا کہ یہ حدیث اہل مدینہ کے قبلہ کی شان میں ہے عبداللہ بن المبارک نے فرمایا کہ اہل مشرق کے واسطے بھی یہ حکم ہے جو مشرق کہ مکہ معظمہ سے عرض بعید جانب مشرق میں رہتے ہیں مثلاً مرو۔ ہرات و بخارا پس چونکہ ابن مبارک مرو کے رہنے والے تھے اور مرو بھی ممالک شرقی میں ہے لہذا مرو کے قبلہ کو فرمادیا ہے ورنہ خصوصیت کسی کی نہیں بلکہ یہ قبلہ اُس ملک کا جو جنوب و شمال میں کہ سے ہیں ظاہر ہو یا ہے اور مشرق کے تو بعض ہی دیار پر صادق آتا ہے۔

(ش ۲۴) صفحہ ۵ فتقدم علی راحلتہ فصلی بہم الخ حنفیہ کے نزدیک صحت اقتدا کے لئے اتحاد مکان شرط ہے اس حدیث کا کیا جواب دیا جائیگا یا اس صورت میں عدم جواز کے حکم کو تفریع بعض متاخرین کی سمجھکر غلط کہا جائے

(ج) یہ واقعہ بضرورت واقع ہوا کہ بسبب کیچڑ کے کھڑے ہونے کی جگہہ نہتھی جیسا فرض دابہ پر درست نہیں اور رکوع و قیام و سجود بسبب ضرورت کے ساقط ہوگئے اتحاد مکان امام و مقتدی کا بھی ساقط ہوا تو کیا شبہ ہے حنفیہ نے شرط صحت اقتدا میں اتحاد مکان کو جو لکھا ہے تو درصورت عدم ضرورت لکھا ہے نہ مطلقاً پس اگر ایسی حالت میں اتحاد مکان بھی ساقط ہوا تو کیا اعتراض ہے جب تین فرض رکن ہی ساقط ہوگئے واللہ اعلم۔

(ش ۲۵) احادیث کثیرہ سے جماعت نافلہ معلوم ہوتی ہے انکار حنفیہ کی کیا وجہ اور تداعی و عدم تداعی سے فرق کی کیا دلیل اور تداعی کی صحیح تفسیر کیا ہے؟

(ج) احادیث کثیرہ سے مطلق جماعت نفل معلوم ہوتی ہے یا بعض سے تین مقتدی تک کی جماعت ثابت ہوتی ہے اسکو حنفیہ درست کہتے ہیں مگر بتداعی کہ جسکے معنی کثرت کے لکھے ہیں اس طرح کہ چار مقتدی ہوں اور پانچواں امام ہو اُسکو کروہ تحریمہ لکھتے ہیں کیونکہ تداعی کہ "بلانا ایکدوسرے کو" اسکے لغوی معنی ہیں اور اُسکو لازم تکثیر ہے یہ اہتمام کو چاہتا ہے اور اہتمام جماعت فرائض سے ہے نہ نوافل میں۔ نفل میں انفراد و اخفاء ہی پس جب لازم اہتمام جماعت نفل میں ہوگا مکروہ تحریمہ ہوگا سوائے مواقع مستثنی کے کہ کسوف و استسقاء و تراویح کی یا کم چار مقتدی سے کہ یہ خلاف قیاس ثابت ہے باقی بحال خود رہنی چاہئے تاکہ تعدی عن حدود اللہ تعالی لازم نہ آوے واللہ اعلم۔

(ش ۲۶) صحاح سے معلوم ہوتا ہے کہ مزدلفہ میں دو اقامت مغرب و عشا کے لئے ہوئیں سنت چھوڑ کر عمل حنفیہ یعنی بروایۃ اقامۃ واحدہ کی کیا وجہ؟

(ج) مزدلفہ میں دو اقامت دو اذان اور ایک اذان دو اقامت اور ایک اذان ایک اقامت ثابت ہوتی ہے اور جب روایات نافی مثل مثبت کے ہو تو معارض مثبت کے ہوتی ہے۔ یہاں اسواسطے معارضہ ہوا پس قیاس کیطرف رجوع ہوا قیاس چاہتا ہے کہ ایک اذان ایک اقامت ہو کیونکہ نماز عشاء اپنے وقت میں ہے اور مغرب کا وقت نہیں رہا اذان و اقامت عشاء کے واسطے ہے پس اسکو ترجیح دیگئی واللہ اعلم۔

(ش ۲۷) ثمن الہرۃ سے نہی آئی ہے اسکو ظاہر سے کیوں منصرف کرتے ہیں اسی طرح اکثر حدیثوں میں جہلا نے تاویلیں کی ہیں بعض جگہ کوئی دلیل صارف نہیں معلوم ہوتی اسکے لئے کوئی ضابطہ ہے یا ہر جگہ کسی صارف کا ضرور ہے یا یہی محض شرح مجتہد پر ہے ؟

(ج) جو شے مال ہے اسکا استعمال کرنا درست ہے اسکی بیع شرا بھی درست ہے جیسا کلب معلّم ہرۃ بھی حسب قاعدہ کلیہ درست ہے کہ مال ہے اور رکھنا اسکا حلال ہے لہذا حنفیہ اس نہی کو تنزیہ پر عمل کرتے ہیں کہ خلاف مروت کے ہے کہ ایسی شے پر بھی نظر میں نہ چھوڑے ورنہ کیا اسکی اباحت کو چاہتا ہے پس یہ حسب قاعدہ کلیہ کے ہے واللہ اعلم۔

(ش ۲۸) حدیث ہے من قتل متعمدا دفع الی اولیاء المقتول فان شاؤا قتلوا وان شاؤا اخذوا الدیۃ وہی ثلثون حقۃ و ثلثون جذعۃ واربعون خلفۃ وما صالحوا علیہ فہو لہم۔ اس عمد سے مراد شبہ عمد تو ہو نہیں سکتا کیونکہ فان شاؤا قتلوا اس سے آبی ہے پس عمد مراد ہے اور ان شاؤا قتلوا وان شاؤا اخذوا الدیۃ تخییر میں صریح ہے اسکی کیا توجیہ ہے اور نیز اسکے بعد ما صالحوا علیہ فرمانا قرینہ اسکا ہے کہ وہ تخییر قبل صلح ہے کیونکہ وہاں دیت کو تعیین فرمایا اور صلح میں غیر متعین پس اگر وہ تخییر صلح پر محمول ہو تو تعیین وعدم تعیین معاً صلح میں مجتمع ہوجاویگی دوسرا شبہ اسمیں یہ ہے کہ حنفیہ نے کہا ہے کہ قتل عمد میں صلح زائد علی المنصوص المقدر پر جائز نہیں اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز ہے حیث قال وما صالحوا علیہ فہو لہم۔

(ج) اس مسئلہ تخییر میں حنفیہ بھی تو انکار نہیں کرتے فرق اتنا ہے کہ موجب عمد فقط قصاص ہے اگر عفو قصاص لقیلا اخذ دیت ہے تو دیت ساقط نہیں ہوتی پس اسطرح پر چاہیں دیت لیویں اور چاہیں قتل ہی کریں اسمیں کوئی خدشہ ہی نہیں اور جب دیت قائم ہوگئی چاہیں بدل لیدیں چاہیں صلح کرلیویں اسمیں کوئی مخالفت نہیں واللہ اعلم

(ش ۲۹) ابن ماجہ باب ذکوۃ الجنین ذکوۃ امہ میں بعد حدیث کے ایک قول نقل کیا ہے "الذکوۃ لا یقضی بہا مذمۃ قال مذمۃ بکسر الذال من الذمام وبفتح الذال من الذم" اس عبارت کو کیا ارتباط اور کیا حاصل ہے ؟

(ج) چونکہ مسئلہ ذکوۃ جنین کا تھا اور یہ مقولہ ذکوۃ جنین میں مشہور تھا لہذا اسکی تحقیق کردی کہ یہاں مذمہ بالکسر ہے

اتوبا لفتح واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

(ش ۴۰) حدیث میں وارد ہے من قال لا الٰہ الا اللہ ومات علی ذالک دخل الجنۃ (جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور اسی پر مرگیا تو جنت میں جائیگا) اسپر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "وان زنی وان سرق (گو زنا کرے اور گو چوری کرے) حضرت نے ارشاد فرمایا وان زنی وان سرق (ہاں اگرچہ زنا کرے اور اگرچہ چوری کرے) اس حدیث میں اور ان احادیث میں جہاں فسق وفجور اور محرمات کے ارتکاب کی سزائیں بیان کیگئی ہیں تعارض معلوم ہوتا ہے امید کہ مختصر وجامع تقریر سے قلب پریشان کو تشفی وسکون عطا فرماویں کہ حضرت ابوذر کو فاسق یعنی زانی یا سارق غرض مرتکب کبیرہ کے جنت میں جانے کے بارہ میں کیا خلجان اور شبہ تھا جسکی بنا پر یہ الفاظ ارادہ کئے آخر علی رغم انف ابی ذر سنا۔

(ج) دخول جنت مطلق ہے اور مطلق کے واسطے کسی فرد کا وجود ہونا مطلق کے وجود کو بس ہے پس کلمہ پڑھکر اور تصدیق جمیع ما جاء بہ الرسول علیہ السلام کرکے اگرچہ ترک اعمال سے فاسق ہے مگر مسلم ہے بعد صفائی معاصی کے دخول جنت کا ہو ویگا اور حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ کا صدق صاف ظاہر ہوجاویگا۔ اب نہ کوئی حدیث عذاب کی اسکے معارض ہے اور نہ اس سے عذاب کا ہونا فساق کو معلوم ہوتا ہے اب کوئی شبہ نہیں ابوذر کا باربار تحقیق کرنا اسواسطے تھا کہ وہ ان افعال کو خلاف اسلام کے جانتے تھے اسی واسطے تعجب کرتے تھے کہ وان زنی وان سرق جب آپ نے تاکید فرمادی سمجھ گئے کہ یہ کفر نہیں مطلق دخول ہوجاویگا فقط۔

تفقہ اور ذکاوت

حضرت امام ربانی قدس سرہ کا تفقہ اور استنباط واستخراج مسائل کی استعداد بھی چونکہ اپنے زمانہ میں لاثانی تھی اسلئے آپکے انظار کی غرض سے نمونہ چند شبہات فقہیہ کا تذکرہ مناسب سمجھتا ہوں۔ آپکی عادت تھی کہ مسائل کو انکی فہم کے موافق جواب دیتے اور عوام وخواص علماء وجہلاء سبکی قابلیت واستعداد کا تحریر وتقریر میں لحاظ قائم رکھتے تھے علماء اپنے درجہ کے موافق شبہات کیا کرتے تھے اور عامی اپنی حیثیت اور سمجھ کے لائق۔ چونکہ حضرت مولانا اپنے زمانہ کے علماء میں سرتاج تھے اسلئے بڑے بڑے ذکی وفطن اور مقتدائے عصر علماء وقت کو اپنے مبلغ علم وفہم کے ختم پر پہنچکر جو لاینحل شکوک ومعضلات پیش آتے تھے وہ آستانہ عالیہ سے تحریراً وتقریراً حل کرواتے تھے۔ حضرت مولانا الحافظ الحاج الشاہ اشرف علی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار آپ سے جو

کلوخ سے استنجا خشک کرتے ہیں میں یہ سمجھتا تھا کہ کسی حدیث مرفوع سے اسکا ثبوت نہیں ہے ایک بار حضرت امام ربانی سے دریافت کیا تو آپ نے فوراً استدلال میں یہ حدیث مرفوع پڑھ دی استنزہوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ اور کلوخ لینا یقیناً استنزاہ میں داخل ہے پس بالکل اطمینان ہوگیا۔

تشہد میں جو رفع سبابہ کیا جاتا ہے اسمیں تردد تھا کہ اس اشارہ کا بقا کس وقت تک کسی حدیث میں منقول ہے یا نہیں حضرت قدس سرہ کے حضور میں پیش کیا گیا فوراً ارشاد فرمایا کہ ترمذی کی کتاب الدعوات میں حدیث ہے کہ آپ نے تشہد کے بعد فلاں دعا پڑھی اور اسمیں سبابہ سے اشارہ فرما رہے تھے اور ظاہر ہے کہ دعا قبل سلام کے پڑھی جاتی ہے پس ثابت ہوگیا کہ اخیر تک اسکا باقی رکھنا حدیث میں منقول ہے اور یہ بھی فرمایا کہ لوگ اس مسئلہ کو باب التشہد میں ڈھونڈتے ہیں اور وہاں ملتا نہیں اس سے سمجھتے ہیں کہ حدیث میں نہیں ہے امام ربانی کا سرعت انتقال ذہنی اور ملکہ استنباط و تفقہ ان دونوں واقعے سے اظہر من الشمس ہے۔

سب سے مقدم اُس مراسلہ کا ہدیہ ناظرین کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو حضرت امام ربانی قدس سرہ اور مولانا الحافظ الحاج القاری شاہ اشرف علی صاحب تھانوی دام ظلہ کے مابین ۱۳۱۲ھ میں پیش آیا چونکہ علامۂ زمن مولانا اشرف علی صاحب زید مجدہ کا تبحر علمی ہندوستان کے ہر ہر عالم کو تسلیم ہے اس لئے شکوک و شبہات کی تقویت اسی سے اندازہ ہوسکتی ہے اور اسکے ساتھ ہی مولانا تھانوی مدظلہ وہ طبعی سعادت اور جوہر قابل لحاظ ہے جسکو سلامتی قلب اطاعت حق فروتنی و بیچارگی عبدیت یا اسلام یعنی گردن نہادن بطاعت کہا جاتا ہے بیکار رجوع الی الحق جو تکبر و نخوت علمی سے بے لوثی کی علامت اور برحق علم کے سچے اثر کا ثمرہ ہے آپ کے کمال کو اس حد تک پہنچا رہا ہے کہ واقعہ عظیم مولانا تھانوی کے پاؤں دھوکر پینا نجات اخروی کا سبب سمجھتے ہیں امتثال و اذعان کی مثال علماء زمانہ کے لئے مولانا تھانوی کی وہ پائدار یادگار ہے جو مردہ سنت کے زندہ کرنے میں اس چودھویں صدی کے اندر سب سے پہلے مولانا کے ہاتھوں ظاہر ہوئی۔ چونکہ مولانا تھانوی میرے عقیدہ میں سرتاج علماء ہونے کے علاوہ خود میرے محترم پیشوا اور دینی آقا ہیں اسلئے اس پاکیزہ تحریر کو جو انشاء اللہ قیامت کے ہولناک دن میں مغفرت کی دستاویز اور قلبی سلامتی و ایمان کی مہری سند بنا کر علی رؤس الاشہاد مولانا کے ہاتھ میں دیگی سوانح میں شائع کرتا ہوں تاکہ احیاء سنت میتہ کی کسی د
تائید کا حصہ مجھ ناکارہ کو بھی مل جائے اور تھانوی آقا کی کسی ادنیٰ مرتبہ میں حشر کے دن مجھے بھی معیت نصیب
اس مراسلہ شریفہ کے بعد دیگر علماء و زہاد اور خواص و عوام اہل اسلام کے چند شبہات مع جوابات بیان کرو

مراسلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم - الحمد للہ تعالی - والسلام علی رسولہ الافضل الاعلی - اما بعد من العبد الذلیل - الی المخدوم المشفق الجلیل - السلام علیکم ورحمۃ اللہ - والیکم شوقا [illegible] الی اللقاء - وبعد فقد اجتمعت فی ہذہ الایام بالمولوی مسعود علی [illegible] ان حضرۃ [illegible] اخوانا [illegible] اخذ [illegible] الذی [illegible] طریقکم علیک ان [illegible] ما اخذت الا نفسی وما رأیت شیئا غیر [illegible] مولانا [illegible] فی ذلک الزمان [illegible] بحار الحیرۃ والطلب - وانقطع الی من یخلصنی من ذلک النصب والتعب - اذ نادی مناد من قریب من غیر ارادتی وقصدی ہات یدک بیدی انجیک من [illegible] والعرق [illegible] التشویش والتشویش - وقد کنت من وراء البحار [illegible] ہذا ما ترکت [illegible] فمن اعتقد [illegible] ساعدنی [illegible] لیکون [illegible] ان یکون [illegible] بیت الی [illegible] من الحال - ونادیت بالبلبال - شعر

یا مرشدی یا مولی یا سندی — یا ملجائی فی مبدئی ومعادی
ارحم علی یا غیاث فلیس لی — کفی سوی حبکم من زاد
فاذا الانام بکم [illegible] — فانظر الی برحمۃ یا ہاد
یا سیدی شیئا للہ — انتم لی المجدی وانی جادی

فعند [illegible] وقال حیاء وکرامۃ - وانا مقیم علی ساحل السلامۃ - فرأیت [illegible] شوقا - وتبینت ذوقا -

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند — واندران ظلمت شب آب حیاتم دادند
کیمیائیست عجب بندگی پیر مغان — خاک او گشتم و چندین درجاتم دادند

شعر

قد لسعت حیۃ الہوی کبدی — فلا طبیب لہا ولا راقی
الا الحبیب الذی شغفت بہ — فعندہ رقیتی وتریاقی

وانی واللہ قد رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا وبالشیخ اعنی ادام اللہ فیضانہ مرشدا ودلیلا وبکم اماما
ہادیا مہدیا فہذا الذی ذکر کان من خبری وحقیقۃ امری فباللہ ہو حقیق بالصدق ۔ ویحق ان یحق ۔ ما کان فیہ من
الکذب ولا الشعر ولا الخداع ولا السحر ۔ فیا سیدی انشدکم ان تقبلوا عذری بحق کلمکم العظیم ۔ ولا تصغوا الی کل ہمّاز
الماز مشاء بنمیم ۔ ولا تخرجونی من الجماعۃ ۔ فانی ارجو ان اکون معکم یوم تاتی الساعۃ ۔ لکن لا اطیق حتی یاتی
انا بذنا بالحقیقۃ مع الاعلان ۔ عسی ان یکون من اللہ تعالی برکان ۔ فاذا ذہب الہوان والخسران فلئن
احسبہ من فرقۃ اہل الملامۃ ولکن لیس بمنصب الامامۃ ۔ نعم اقررت علی النفس انکار طریق یخالف السنۃ
والکتاب ۔ علی راس المنبر وبطن المحراب ۔ وان من حق مصلحتی ان یکتم ہذا السر ۔ لکان یقتضی الضرر والشر ۔ ویجوز
المامول من جنابکم ۔ ومن مقاری کتابکم ۔ ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا ۔ ویکون ہذا السر جہرا ۔ وانا
قد اشتد الانتظار منی ۔ ان تبشرونی برضاکم عنی ۔ رضی اللہ عنا وعنکم وعن جمیع المسلمین بحق سیدنا محمد
صلی اللہ علیہ وسلم ابد الآبدین ۲۹ ۔ ذی قعدہ سنہ ۱۳۱۲ ہجری ۔

جواب از حضرت اقدس ظلہم العالی

اما بعد حمد اللہ علی نوالہ ۔ والصلوۃ علی رسولہ محمد وآلہ ۔ فقد وصلت صحیفتکم الی ۔ وقرأت تحریرکم علی حسنی
تبینت معذرتکم لدی ۔ فیا لکم ان اتبعتم طریق السنۃ ۔ ولا شک ان ہیئۃ بعد ذکر الجہر والاخفاء فی ... بکم
ترکبون امورا ہی عندی بدعۃ ۔ ولعلکم لم تکونوا بدأ خلاف تاویل الشریعۃ ۔ لکن ہذا من شأنکم بعید ۔ ولیس
المعرض عن سبل الاسلاف برشید ۔ وانا باریٔ البدعۃ ۔ ثم انتم اترک عنہا بالرجعۃ ۔ فلا تعودوا لہذا العود وان
لولا انکم تجترم سرا وانتم الذنب بالعلن ۔ مع ان التوبۃ علی حسب الحوبۃ ۔ کیف وانتم ممن یقتدی بہ فی زیادۃ
حتی ان بعضکم بعدوا ... فی الجہار ۔ وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرہا واجر
من عمل بہا الی یوم القیامۃ ومن سن سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرہا ووزر من عمل بہا الی یوم القیامۃ وقال من
وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ہدم الدین فاخاف ان یؤل امرکم وزرہا التفصیل ۔ ہذا وانتم اعلم بکم واللہ
علی ما نقول وکیل ۔ ۵ ۔ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۲ھ ۔

جواب

بحضور لامع النور مخدوم ومطاع نیاز مندان دامت فیوضہم وبرکاتہم ۔ بعد تسلیم نیاز مندانہ عرض ہے ...

۱۱۹

۸- ذی الحجہ کو شرف صدور لایا سعزز و ممتاز فرمایا قلب حزین کو تسلی ہوئی اب تک اِس ہیچ میں کہ کیا عرض کروں جواب میں تاخیر ہوئی مگر چونکہ اظہار مرض میں شرم کرنے سے معالجہ گڑ تا ہے اِسلئے کچھ عرض کرنا ضروری معلوم ہوا جن دو امروں کی نسبت حضور نے ارشاد فرمایا وہ بہت صحیح اور بجا ہے فی الواقع مجھکو انہیں ابتلا ہوا اب حضور کے الطاف و اخلاق کے وثوق پر دونوں امر کی نسبت بلا تکلف اپنے خیالات ظاہر کرنے کی اجازت چاہتا ہوں اُمید ہے کہ اسمیں غور فرما کر جو حکم میری حالت کے مناسب ہو صادر فرمایا جاوے۔ خدا کی قسم میں جو کچھ لکھتا ہوں محض بہ استشارۃ و استرشاداً لکھتا ہوں نعوذ باللہ طالبعلمانہ قیل و قال مقصود نہیں اور میں سچے دل سے پکا وعدہ کرتا ہوں کہ بعد حصول شفا قلب جسطرح حکم ہوگا اُسمیں ہرگز حیلہ و عذر نہوگا امید ہے کہ میری بے تکلفی کو معاف فرمایا جاوے کیونکہ بدون اظہار اپنے جمیع مافی الضمیر کے جواب شافی نہیں ہوتا سے

چندانکہ گفتیم غم با طبیبان　　　درمان نکردند مسکین غریبان

با تمال دل را با یار گفتیم　　　نتوان نہفتن درد از طبیبان

امر اول شرکت بعض مجالس کی۔ الحمد للہ مجھکو نہ غلو و افراط ہے نہ اُسکو موجب قربت سمجھتا ہوں مگر توسع کسی قدر ضرور ہے اور منشا اِس توسع کا حضرت قبلہ و کعبہ کا قول و فعل ہے مگر اُسکو حجۃ شرعیہ نہیں سمجھتا بلکہ بعد ارشاد اعلیحضرت کے خود بھی میں نے جہانتک غور کیا اپنے فہم ناقص کے موافق یوں سمجھ میں آیا کہ اصل عمل تو محل کلام نہیں ہے البتہ تقییدات و تخصیصات بلاشبہ محدثات ہیں سو اسکی نسبت یوں خیال میں آیا کہ اِن تخصیصات کو اگر قربت و عبادت مقصودہ سمجھا جاوے تو بلا شک بدعت ہیں اور اگر محض بامور عادیہ مبنی بر مصلحت سمجھا جاوے تو بدعت نہیں بلکہ مباح ہیں گو مباح کبھی بوجہ واسطہ عبادت بنجانے کے نظیر عبادت سمجھ لیا جاوے چنانچہ بہت سے مباحات کی یہی شان ہے اور میرے فہم ناقص میں تخصیصات طرق اذکار و اشغال اِسی قبیل سے معلوم ہوئیں جو کہ اہل حق میں بلا نکیر جاری ہیں کوئی معتد بہ فرق نہ ان سے بھی تو معلوم ہوا ہاں اُن تخصیصات کو کوئی مقصود بالذات سمجھنے لگے تو اُن کے بدعت ہونے میں بھی کلام نہ ہوگا۔ اسکے ساتھ ایک اور خیال بھی آیا کہ گو اِس صورت میں یہ بدعت اعتقادی ہوگا مگر اسکا اہتمام اور التزام بدعت عملی تو ہوگا لیکن خصوصیات طرق ذکر اسمیں بھی ہم پلہ معلوم ہوئے۔ تیسرا اور خیال ہوا کہ گو ایسے فہیم آدمی کے حق میں بدعت نہوگا مگر چونکہ عوام کو اِس سے شبہ اسکی ضرورت یا قربت کا ہوتا ہے اُنکے حفظ عقیدہ کے لئے یہ واجب الاجتناب ہوگا مگر اسکے ساتھ ہی یہ احتمال ان تخصیصات اذکار میں بھی نظر آیا

کہ اکثر عوام اس طریق کی خصوصیات کو بہت ضروری سمجھتے ہیں اور عملاً و حالاً ان کا پورا التزام رکھتے ہیں گو
اُن کا خیال خواص کے فعل میں موثر نہیں سمجھا جاتا - چوتھا خیال ایک اور پیدا ہوا کہ سب تحقیقی مگر خود
بعض قواعد و اصول فقہ حنفی کے خلاف معلوم ہوتے ہیں مگر یہی امر ان خصوصیات اعمال و اشغال
میں بھی معلوم ہوا بلکہ ذکر جہر وغیرہ تو امام صاحب کے قول کے صریح خلاف ہے مگر باوجود ان سب امور کے
جب خصوصیات طریق سلوک شائع و ذائع ہیں تو اس سے یوں سمجھ میں آیا کہ تخصیص وہی بدعت ہوگی
جو عقیدۃً ہو اور التزام بھی وہی ممنوع ہوگا جس کے ترک پر شرعی حیثیت سے ملامت ہو اور شیوع کا شبہ خواص
کے حق میں اس عمل کو بدعت نہ بناوے گا اور بعض اصول حنفیہ کی مخالفت شرع کی مخالفت نہ سمجھی جاوے گی
ان خیالات کے ذہن نشین ہونے سے ان خصوصیات کے انکار میں کمی پیدا ہوئی اسکا مرتبہ فروع
مسائل اختلافیہ کا سا آنے لگا مگر اسکے ساتھ ہی نہ کسی دن ان اعمال کی وقعت ذہن میں آئی نہ خود
رغبت ہوئی نہ اوروں کو ترغیب دی بلکہ اگر کبھی اس قسم کا تذکرہ آیا تو یہی کہا گیا کہ اولیٰ یہی ہے کہ خلافیات سے
بالکل اجتناب کیا جاوے مگر جس جگہ میرا قیام ہے وہاں ان مجالس کی کثرت تھی اور بیشک اُن لوگوں کو
غلو بھی تھا چنانچہ ابتدائی حالت میں اس انکار پر میرے ساتھ بھی لوگوں نے مخالفت کی مگر میں نے اسکی
کچھ پروا نہ کی تین چار ماہ گزرے تھے کہ حجاز کا اول سفر ہوا تو حضرت قبلہ نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ اسقدر
تشدد و انکار مناسب نہیں ہے جہاں ہوتا ہو وہاں انکار نکرو جہاں نہ ہوتا ہو ایجاد نہ کرو اور اسکے بعد جب میں ہند کو
واپس آیا تو طلب کرنے پر شریک ہونے لگا اور یہ عزم رکھا کہ ان لوگوں کے عقائد کی اصلاح کیجاوے چنانچہ
مختلف مواقع و مجالس میں ہمیشہ اسکے متعلق گفتگو کرتا رہا اور جتنے امور اصل عمل سے زائد تھے سب کا غیر ضروری
ہونا اور انکی ضرورت کے اعتقاد کا بدعت ہونا صاف صاف بیان کرتا رہا حتی کہ اسوقت میری رائے میں
اُن کا عقیدہ بعض کا عین توسط پر بعض کا قریب توسط کے آپہنچا مگر بوجہ قدامت عادت کے عمل سے
ارتفاع کی امید نہیں ہے عدم شرکت میں اس اصلاح کی ہرگز توقع نہ تھی ایک غرض تو شرکت سے یہ تھی
دوسرے میں نے وہاں دیکھا کہ وعظ میں لوگ کم آتے ہیں اور ان مجالس میں زیادہ اور ہر مذاق
اور ہر جنس کے چنانچہ ان مجالس میں مواقع اُن کے پند و نصائح اور اصلاح عقائد و اعمال کا خوب ملا اور
سیکڑوں بلکہ ہزاروں آدمی اپنے عقائد فاسدہ و اعمال سیئہ سے تائب صالح ہوگئے بہت روافض
سُنی ہوگئے بہت سے سود خوار و شرابی و بے نماز وغیرہم درست ہوگئے غرض اکثر حصہ وعظ ہوتا تھا

دوسرا بیان پڑھنے کے نام۔ تیسرے میں یہ دیکھا کہ وہاں بدون شرکت ان مجالس کے کسی طرح قیام
ممکن نہیں ذرا انکار کرنے سے وہابی کہدیا دریئے تذلیل و توہین زبانی و جسمانی کے ہوگئے اور حیلہ و
بہانہ ہر وقت ممکن نہیں یہ تو ممکن ہے اور کرتا بھی ہوں کہ فیصدی نوّے موقع پر عذر کردیا اور دس جگہ
شرکت کرلی اور شرکت بھی اس نظر سے کہ ان لوگوں کو ہدایت ہوگی اور یوں خیال ہوتا ہے کہ اگر خود ایک
مکروہ کے ارتکاب سے دوسرے مسلمانوں کے فرائض و واجبات کی حفاظت ہو تو اللہ تعالیٰ سے امید
تسامح ہے بہرحال وہاں بدون شرکت قیام کرنا قریب بمحال دیکھا اور منظور تھا وہاں رہنا کیونکہ دنیوی منفعت
بھی ہے کہ مدرسے سے تنخواہ ملتی ہے اور بفضلہ تعالیٰ وعظ وغیرہ کے بعد تو لینے کی مطلقاً میری عادت نہیں ہے
باوجود اصرار کے صاف انکار کردیتا ہوں مگر تنخواہ ضرور لیتا ہوں اور دینی منفعت بھی میرے زعم میں تھی اور
اب بھی ہے بلکہ روز افزوں ہے کیونکہ تعلیم و تدریس و وعظ وغیرہ کا سلسلہ جاری ہے ان منافع کی تحصیل کی
غرض سے منظور تھا کہ قیام کروں اور بدون شرکت قیام دشوار تھا اس ضرورت سے بھی شرکت اختیار کی
لیکن ان سب اسباب ضرورات کے ساتھ بھی اگر کسی دلیل صحیح و صریح سے مجھکو ثابت ہوجاتا کہ اسکی شرکت موجب
ناراضی اللہ و رسول کی ہے تو لاکھ ضرورتیں بھی ہوتیں سب پر خاک ڈالتا بفضلہ تعالیٰ بہت سے منافع مالیہ کو
اسی وجہ سے خیرباد کہہ چکا ہوں توسع رائے کے اسباب اوپر معروض ہوچکے ہیں بہرحال میرے خیال میں
یہ امور خلاف اولیٰ ضرور ہیں مگر بمصالح دینیہ ان کے فعل میں گنجائش نظر آتی ہے اور عوام کی اصلاح بھی ساتھ
ساتھ جو واجب سمجھتا ہوں اپنی وسعت کے موافق کرتا بھی رہتا ہوں اور ان کے ساتھ ایک خیال اور بھی ہے
اور وہ بہت نازک بات ہے وہ یہ کہ اگر یہ شرکت بالکل اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف ہے تو حضرت قبلہ
کے صریح ارشاد کی کیا تاویل کیجاوے بلکہ اہل علم کے اعتقاد و تعظیم و تعلق و ارادت سے عوام کا ایہام ہے
اس سے بہ چند پھر کر بھی اطمینان ہوتا ہے کہ شرعاً گنجائش ضرور ہے یہ خلاصہ میرے خیالات و حالات کا تھا
اب حضور جیسا ارشاد فرمادیں اگر اسمیں بالکل گنجائش نہیں ہے تو میں آج ہی تعلق ملازمت کو قطع
کردونگا رزاق حقیقی حق سبحانہ تعالیٰ ہے قیامت میں کوئی کام نہ آویگا مگر اس صورت میں حضرت قبلہ کعبہ
کے ساتھ شرعاً کیا تعلق رکھنا چاہیئے اور حضرت کے قول و فعل کو کیا سمجھنا چاہیئے اور اگر تھوڑی بہت
گنجائش ہو خواہ عموماً یا خاص میری حالت جزئی کی مصلحت سے تو اس گنجائش سے تجاوز نہ کیا جاویگا
اور اگر اسکے کتمان کا حکم ہوگا تو انشاء اللہ تعالیٰ عمر بھر اسکا انتساب حضور حضرت کی طرف میری زبان و قلم سے

نہ سکنے کا عرض جب طرح حضور کا ارشاد ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ بسر و چشم منظور ہوگا اور شاید کچھ شبہ پیدا ہو تو بکلف اُسکے عرض کر دینے کی اجازت کا خواہاں ہوں۔

امر دوم میرے تعلق سے عوام کا معتقد ہوجانا مجھکو چند بار اس امر میں اندیشہ سخت ہوا گرچہ جہانتک میں نے سوچا شاید بمشکل دو تین آدمی ایسے نکلیں گے جنکو اس وجہ سے اعتقاد ہوا ورنہ خود اپنی رائے سے بعض عوام معتقد ہوگئے قبل میرے تعلق کے جن لوگوں کو مجھ سے حسن ظن تھا انہوں نے اس روایت ہی کی تکذیب کی اور جنکو کچھ احتمال سا ہوا بھی سو وہ مجھ سے بدگمان ہوئے اُن سے نیک گمان نہیں ہوسکتا اور زیادہ وہ ہی لوگ معتقد ہیں جنکو عمر بھر بھی مجھ سے کچھ تعلق عمومی یا خصوصی نہیں ہوا اب جہانتک غور کرتا ہوں بالتعیین عدم قابلیت کے اعلان میں بہت سے مفاسد نظر آتے ہیں اولاً اجتک اکثر لوگ اس تعلق کی تکذیب کرتے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے نہ اسکا مشاہدہ کیا نہ معتبر ناقل سے انکو خبر پہنچی ایک آدھ غیر معتبر راوی اسکے ناقل ہیں جنکی اکثر لوگ تکذیب کرتے ہیں اور میں نے ہمیشہ اسکا کتمان کیا اگر اعلان رجوع کا کیا جاوے تو مرجوع عنہ کا اقرار لازم آتا ہے دوسرے چونکہ اس اعلان میں بصورت اُنکی اہانت ہے اسلئے اندیشہ ہے کہ اسمیں زیادہ شور و شر پھیل جاوے تیسرے اسکا معلوم نہیں احباب و اقارب میں کہانتک پہنچے اسلئے یوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک خط تو بے تعلقی کی اطلاع کا انکو لکھدیا جاوے وہ خود اگر اسکا اظہار کر دیں تو اسمیں کوئی فتنہ نہوگا کیونکہ اگر اظہار کیا جاوے گا تو اُس عنوان سے میری اہانت کیجاوے گی اور فتنہ کا احتمال انکی بابت میں ہے اور دوسرے لوگوں کے اطلاع کا یہ طریق ہو کہ تعیین بلا اعلان ہو جاوے اور اعلان بلا تعیین خفیۃً اطلاع کر دی جاوے اور عام مجمع میں بطور قاعدہ کلیہ کے شرائط اہلیت بیعت کے بیان کر دیے جاویں کہ جس شخص میں فلاں فلاں امور پائے جاویں وہ قابل بیعت ہے ورنہ نہیں چنانچہ بندہ نے دونوں امر کا اہتمام کیا ہے اور بھی زیادہ کرنے کا ارادہ ہے چنانچہ جمعہ گذشتہ میں یہ مضمون بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور شرائط بیعت کو مثال کر کے مثلاً حضور والا کا اسم گرامی بھی بتلا دیا کہ جس شیخ کی ایسی شان ہو اسکا غلام بننا چاہئے ورنہ اجتناب چاہئے اس مضمون کو مکرر بھی بیان کرنے کا ارادہ ہے اور خاص طور پر بالتعیین بعض سے کہا جاتا ہے بعض سے کہنا باقی ہے بلکہ یہ فکر ہے کہ جو لوگ اپنی رائے سے بھی معتقد ہوگئے ہیں انکو بھی جہانتک قدرت ہو سمجھایا جاوے چنانچہ بعض مواقع پر کامیابی ہوئی بلکہ یوں بھی خیال ہے کہ خود صاحب تعلق کو بھی بذریعہ خط امور حقہ پہنچائے جاویں اور دعا بھی کی جاوے فقط اعمیٰ کہ

جسطرح یہ تعلق سرزد ہوا ہے قطع تعلق کبھی سرزد ہو جاوے اور جسقدر اُسمیں جہر و اعلان ہوا ہے قطع تعلق میں بھی کبھی جہر و اعلان ہو جاوے بلکہ طریق مذکور میں جہر و اعلان کسی قدر زیادہ ہی ہے اس صورت میں مقصود بھی حاصل ہو جاویگا اور فتنہ بھی نہوگا ورنہ بہت سے خلجانات معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر شرعاً یہ طریق کافی نہو اور مشاق و متاعب کا برداشت کرنا ضروری ہو تو بفضلہ تعالیٰ اللہ و رسول کی تحصیل رضا میں مجھکو یہ منصب کچھ گوارا ہے اگر اللہ و رسول ناراض رہے تو جان و مال و آبرو کو کیا چولہے میں ڈالونگا

احقر نے بلا تکلف اپنا ما فی الضمیر پورا پورا حضور میں عرض کر دیا اب حضور ان مضامین میں اولاً میرے مصالح دنیویہ و اخرویہ میں خوب غور فرما کر ارشاد فرماویں میں ہندوستان میں بجز حضور والا کے کسی عالم یا درویش پر اطمینان کامل نہیں رکھتا نہ کسی کو اپنا خیر خواہ سمجھتا ہوں نہ کسی سے اسقدر عقیدت و محبت و عظمت ہے حضور کی سختی کو اوروں کے لطف پر ترجیح دیتا ہوں گو ان امور کا عرض کرنا گستاخی سے خالی نہیں مگر اللہ جانے ولولۂ قلبی اس عرض کا باعث ہے آجکل بحصول رخصت وطن میں ہوں بوجہ حجاب اور نیز بایں خیال کہ مشافہۃً اسقدر انبساط ممکن نہ تھا حاضری سے قاصر رہا ۲۲ - کو اپنے مدرسہ جانیکا ارادہ ہے اگر ۱۹ - کو بھی جواب تحریر فرمایا جاوے تو یہاں ملسکتا ہے ورنہ مدرسہ میں اب آخر عرض ہے کہ اگر کوئی مضمون خلاف مزاج والا معروض ہوا ہو تو معاف فرمایا جاوے دوسرے توقف جواب سے شاید حضور کو انتظار کی تکلیف ہوئی ہو تو اُسکو عفو فرمایا جاوے زیادہ حد ادب والسلام خیر ختام فقط ۱۴ - ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

جواب از حضرت اعلیٰ مدظلہم العالی

از بندہ رشید احمد گنگوہی عفا عنہ بعنایت فرمائے بندہ مولوی محمد اشرف علی صاحب دام مجدہم بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند آپ کا عنایت نامہ بجواب نیاز نامہ بندہ کے پونچا اُسوقت میرے پاس کوئی سنانے والا نہ تھا اور ہر کسی کو اُسکا دکھانا مناسب نہ جانا بعد مدت کے مولوی محمد صدیق گنگوہی گڑہی سے یہاں آئے اُس خط کے سرنامہ کو دیکھکر اُنہوں نے اُسکے دیکھنے کی خواہش کی چونکہ وہ بھی محرم راز تھے اُن سے بندہ نے پڑہوا کر سنا مگر موقع جواب کا اُسوقت نہ ملا بانتظار مولوی محمد یحییٰ صاحب کے کہ وہ اُسوقت اپنے گھر گئے ہوئے تھے اُس خط کو اٹھا رکھا جب وہ گنگوہ آگئے تو آج دوسری محرم کو اُسکا جواب لکھواتا ہوں۔

آپکو جو کچھ اشتباہ واقع ہوا ہے وہ دو امر ہیں۔ امر اول اشغال طرق کرنا امر اول کے باب میں

مشائخ علیہم الرضوان امر ثانی اشارہ جناب مرشد ظلال بقاؤہ لہذا ہر دو امر کے باب میں بندہ کچھ لکھتا ہے وہ آپ بغور ملاحظہ کریں کہ اشغال مشائخ کی قیود و تخصیصات جو کچھ ہیں وہ اصل سے بدعت ہی نہیں اُس کو مقیس علیہ ٹھیرانا سخت حیرانی کا موجب ہے خاصکر تم جیسے فہمیدہ آدمی سے کیونکہ تحصیل نسبت اور توجہ الی اللہ مامور من اللہ تعالیٰ ہے اگرچہ یہ کلی مشکک ہے کہ ادنیٰ اُسکا فرض اور اعلیٰ اُسکا مندوب اور صدہا آیات واحادیث سے مامور ہونا اُسکا ثابت ہے اور طرح طرح کے طرق واوضاع سے اُسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ خاص حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے گویا ساری شریعت اجمالاً وہ وہی ہے کہ جسکا بسط بوجہ طول ناممکن ہے اگر آپ غور کرینگے تو معلوم ہوگا کہ ہر آیت و ہر حدیث سے وہ ہی ثابت ہوتا ہے پس جس چیز کا مامور بہ ہونا اس درجہ کو ثابت ہے اُسکی تحصیل کے واسطے جو طریقہ مشخص کیا جاویگا وہ بھی مامور بہ ہوگا اور ہر زمانہ اور ہر وقت میں بعض موکد ہو جاویگا اور بعض غیر موکد لہذا ایک زمانہ میں صوم و صلوٰۃ و قرآن و اذکار مذکورہ احادیث اس مامور بہ کی تحصیل کے واسطے کافی ووافی تھے اُس زمانہ میں یہ اشغال بایں قیود اگرچہ جائز تھے مگر انکی حاجت نہ تھی بعد چند طبقات کے جو رنگ نسبت کا دوسری طرح پر بدلا اور طبائع اُس اہل طبقہ کی بسبب بُعد زمان خیریت نشان کے دوسرے ڈھنگ پر آگئیں تو اوراد اُس زمانہ کے اگرچہ تحصیل مقصود کر سکتے تھے مگر بدقت و دشواری لہذا طبیبان باطن نے کچھ انمیں قیود بڑھائیں اور کچھ زیادتی اذکار کی کی گویا کہ حصول مقصود ان قیود پر موقوف ہو گیا تھا لہذا ایجاد بدعت نہوا بلکہ اگر کوئی ضروری کہدیوے تو بجا ہے کیونکہ حصول مقصود بغیر اسکے دشوار ہوا اور وہ مقصود مامور بہ تھا اُسکا حاصل کرنا مرتبہ خود ضروری تھا پس گویا قیود مامور بہ ہوئیں نہ بدعت بعد اسکے دوسرے طبقہ میں اسی طرح دوسرا رنگ بدلا اور وہاں بھی دوبارہ تجدید کی حاجت ہوئی ثم و ثم۔ جیسا کہ طبیب موسم سرما میں ایک علاج کرتا ہے کہ وہ علاج موسم گرما میں مفید نہیں ہوتا بلکہ حصول صحت کو بعض اوقات مضر ہو جاتا ہے اور باعتبار اختلاف زمانہ کے تدبیر علاج اول دوسرے وقت میں بدل جاتی ہے جو معالجات کہ سو برس پہلے ہمارے ملک کے تھے اور جو طب کہ کتب سابقین میں لکھے ہوئے ہیں اب ہرگز وہ کافی نہیں اُنکا بدل ڈالنا کتب طبیہ کے اصل قواعد کے موافق ہے اگرچہ علاج جزوی کے مخالف ہو پس اسکو فی الحقیقت ایجاد نہ کہا جاویگا بلکہ تعمیل اصل اصول کی قرار دی جاویگی۔ دوسری نظیر اعلاء کلمۃ اللہ ہے جسکو جہاد کہتے ہیں بتامل دیکھو کہ طبقہ اولیٰ میں تیر اور نیزہ اور سیف بلکہ پتھر بھی کافی تھا ملاحظہ احادیث سے آپکو معلوم ہے اور اس زمانہ میں استعمال اُن

آلات کا سراسر مشعر اور ایجاد توپ اور بندوق اور تار برقی کا واجب ہوگیا کیونکہ تحصیل اعلاء کلمۃ اللہ بدون اسکے محال اب ان ایجادات کو نہ کوئی بدعت کہہ سکے اور نہ تشبہ بکفار کہکر حرام بتا سکے بلکہ اسکو فرض اور واجب اور مامور بہ کہنا ہوگا کیونکہ تحصیل مقصود اسپر موقوف سی ہوگئی ہے پس یہ بھی مامور بہ ہوگیا علیٰ ہذا القیاس اشغال کا حال ہے میں تعجب کرتا ہوں کہ آپ نے اشغال کو کیسے مقیس علیہ بنالیا اسواسطے کہ مقیس علیہ ضروری اور مامور بہ اور مقیس نہایت سے نہایت مباح اور کسی وجہ سے موقوف علیہ کسی امر مندوب کا بھی نہیں بلکہ بعض امور اسمیں حرام اور مکروہ پھر اسکو اسپر قیاس کرنا آپ جیسے آدمی سے اسطرح موجب حیرانی ہو لہذا اس آپ کے قیاس کو اسپر حمل کیا جائے کہ آپ نے بدعت کے مفہوم کو نہ سمجھا ہی نہیں کاش منہاج الحق البصیح آپ دیکھ لیتے یا براہین قاطعہ کو ملاحظہ فرماتے پایہ کہ تسویل النفس و شیطان ہوئی اسپر آپ بدون غور عامل ہوگئے اب امید کرتا ہوں کہ اگر آپ غور فرمائینگے تو اپنی غلطی پر مطلع و متنبہ ہو جاویں گے۔

اور امر ثانی کے باب میں اگرچہ بہت آپکو بوجہ فرط عقیدت و محبت کے ناگوار گزرے اور اس بندہ کو گستاخ و بے ادب تصور کرو مگر حق کہدینے سے مجھے یہ امر مانع نہیں رو یہ ہے کہ بندہ جو حضرت شیخ سے بیعت ہوا ہے اور جتنے اہل علم ذی فہم قدیم سے بیعت ہوتے رہتے تھے اور ہوتے رہتے ہیں تو باوجود علم غیر عالم سے جو بیعت ہوا تو اس خیال سے بیعت ہوئے اور ہوتے ہیں کہ جو کچھ استادوں سے کتب دینیہ میں انہوں نے پڑھا اور علم حاصل کیا کسی شیخ عارف سے اس علم کو علم الیقین بنالیویں تاکہ عمل کرنا نفس کو اس علم پر سہل ہو جاوے اور علوم مشہود و منجلی ہو جاوے علی حسب استعداد اسواسطے کوئی بیعت نہیں ہوا اور ہوتا کہ جو کچھ ہمنے پڑھا ہے اسکے صحت و سقم کو کسی شیخ غیر عالم سے پڑتال لیں اور احکام محققہ قرآن و حدیث کو اسکے قول سے مطابق کریں کہ جسکو وہ غلط فرما دیں اسکو آپ غلط مان لیں اور جسکو صحیح کہیں اسکو صحیح رکھیں کہ یہ خیال سراسر باطل ہے پس اگر کسی کا شیخ کوئی امر خلاف امر شرع کے فرماویگا تو اسکا تسلیم کرنا جائز نہوگا بلکہ خود شیخ کو ہدایت کرنا مرید پر واجب ہوگا کیونکہ ہر دو کا حق ہر دو پر ہے اور شیخ معصوم نہیں ہوتے اور جب تک شیخ کسی مسئلہ کو جو بظاہر خلاف شرع ہو بدلائل شرعیہ قطعیہ ذہن نشین نہ کردے مرید کو اسکا قبول کرنا ہرگز روا نہیں اسکی نظیریں احادیث سے بکثرت ملتی ہیں ایک نظیر بیان کرتا ہوں اسپر غور کیجئے۔

جب واقعہ یمامہ میں قرا بہت سے شہید ہوگئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ذہاب کثیر من القرآن کا

ہوا اُنھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کا مشورہ دیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
نے بعد مباحثہ بسیار قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قبول فرمایا اور اسکا استحسان اُن کے ذہن نشین ہوگیا اور دونو
کی رائے متفق ہوگئی اور سنیت بلکہ وجوب مقرر ہوگیا اور پھر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس امر کے واسطے فرمایا تو
باوجود اسبات کے کہ شیخین رضی اللہ عنہما زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے علم و فضل میں بہت زیادہ تھے اور صحبت
اُنکی بہ نسبت زید کے طویل تھی اور اُن کے باب میں حکم عام شارع علیہ السلام سے ہوچکا تھا کہ اقتدوا بالذین
من بعدی ابی بکر و عمر رواہ البخاری معہذا زید نے چونکہ اس امر کو محدث سمجھا تو یہی فرمایا کیف تفعلون
شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے کہنے کو ہرگز تسلیم نہ کیا کیونکہ ایجاد بدعت اُن کے نزدیک
سخت معیوب تھا اور شیخین کو معصوم نہ جانتے تھے لہذا مناظرہ شروع کردیا مگر جسوقت حضرات شیخین نے
اُنکو سمجھا دیا اور سنیت اس فعل کی زید کو ثابت ہوگئی تو اُسوقت بدل و جان قبول کرکے اُسکی تعمیل میں مصروف
ہوگئے۔ بخاری کو تمنے خود پڑھا پڑھایا اور دیکھا ہے زیادہ کیا لکھوں۔

پس ایسا بدعت شیخ ہونا کہ مامور و منہی کی کچھ تمیز نہ رہے یہ اہل علم کا کام نہیں لا طاعۃ للمخلوق فی
معصیۃ الخالق یہ امر بھی عام ہے اس سے کوئی مخصوص نہیں اور اگر کسی عالم نے اسکے خلاف کیا ہے تو
بسبب فرط محبت کے اور جنون عشقیہ کے کیا ہے سو وہ قابل اعتبار کے نہیں اور ہم لوگ اپنے آپکو اس درجہ کا
نہیں سمجھتے علاوہ بریں سجادہ نشین کہ اگرچہ بزرگان گزرے یہ انہیں لوگوں کی شان میں ہے اور شیخ نصیر الدین
چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ کہ تخلیص سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ سے مجتنب رہتے تھے اور کہا کرتے تھے
کہ فعل مشائخ سنت نباشد آپ نے سنا ہوگا اور حضرت سلطان المشائخ کا اُسپر یہ فرمانا کہ نصیر الدین درست
کہتا ہے تصدیق تحریر بندہ کی کرتا ہے وہ امر بہت باریک جو آپ نے لکھا ہے اسکے جواب میں اسی قدر کافی ہے
اسی واسطے مشائخ اپنے مریدین علماء سے مسائل دین کی تحقیق کرتے رہتے تھے اور کرتے رہتے ہیں اور اپنی
معلومات مخالفہ سے تائب ہوجاتے تھے چنانچہ حضرت نے غذائے روح میں قصہ اُس عذرت کا جو غار میں رہتا تھا
اور تکیہ موم کی آنکھ میں اور بیچ نجاست کی ناک میں رکھتا تھا لکھا ہے کہ اُنھوں نے سید کے کہنے سے کہ اس صورت میں
نماز نہیں ہوتی اپنی نمازوں کا اعادہ کیا اور اس مسئلہ کو قبول کیا اور خود بندہ کو یہ واقعات پیش آئے ہیں
کہ جناب حضرات جناب حاجی صاحب و جناب حافظ صاحب جو پہلے سے مولوی شیخ محمد صاحب سے
مسائل دریافت کرکر اُن پر عامل تھے بندہ کے کہنے سے کتنے مسائل کے تارک ہوگئے اور واللہ کہ حافظ صاحب

نے یہ کلمہ میرے سامنے فرمایا کہ "ہمکو بہت سے مسائل میں ہمیشہ دھوکا رہا" پس چونکہ بندہ ابتدائے صحبت سے
خوکردہ ایسی عادات کا ہے اور فرط محبت و عقیدت سے عاری حضرت کے ارشاد کو جو بسبب تصدیق کرنے
قول بعض مریدین بدفہم یا کم فہم کے اور مریدین خودغرض بدنام کنندہ پیران کے بحسن ظن خود صحیح سمجھ گئے
ہیں سردست قبول نہیں کرتا بلکہ حضرت کو معذور جانکر خطا سے بری سمجھتا ہوں قال علیہ الصلوٰۃ والسلام
من افتی بغیر علم فانما اثمہ علی من افتاہ لہذا حضرت کو معذور و بری جانکر اُن خودغرضوں کو آثم اور ضال و مضل
و مکتسب مستعد دنیویہ در پردۂ دین یقین کرتا ہوں اور واللہ باللہ کہ تیرا خاصۃً ہرگز مجھے یہ گمان نہیں ہے
بلکہ تمکو جو کچھ پیش آیا ہے بفرط عقیدت واقع ہوا ہے میں تمکو بھی اس امر میں معذور سمجھتا ہوں اور تمہارے واسطے
دعائے خیر کرتا ہوں اگرچہ میں تمہارا شاکی بھی ہوں مگر یہ شکوہ میرا بوجہ محبت کے ہے کیونکہ شکوہ اپنوں کا ہی ہوتا ہے
غیروں سے کسی کو شکوہ نہیں ہوتا۔ امر اول کا جواب تمام ہو چکا۔

امر ثانی کے باب میں جو کچھ آپ نے تحریر لکھی ہیں اُنمیں بندہ کچھ دخل نہیں دیتا جسطرح مناسب
جانو اور مصلحت سمجھو اُسکی تدبیر کرو غرض خلق خدا کو مبتدع کے پنجے سے چھڑانا منظور ہے جسطرح حاصل ہوا اور جو تشدد
کہ موجب فساد ہو اُس سے بچنا مناسب ہے۔

اس مرتبہ کے سوا خط و بیانات آپ کے جو نقل شدہ ہوں ہوئے اُنکو سُن سنکر بندہ بہت خوش ہوا اور
تمہارے واسطے دعائے خیر کرتا ہوں فقط

اس تحریر میں اگر کوئی بات کچھ شبہ ہو تو اُسکے اظہار کی اجازت ہے ہرگز شرم نہ کریں بندہ ہرگز ناخوش نہ ہوگا اگر کچھ بندے
کی بھی خطا ہوئی ہوگی تو بشرط فہم اُسکے قبول کرنے میں دریغ نہ ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ ۵ محرم الحرام۔

تیسرا خط از مولانا اشرف علی صاحب مد ظلہ

از کمترین خدام محمد اشرف علی۔ بعالیخدمت سراپا برکت دستگیر درماندگان رہنمائے راہ گم گشتگان
حضرت مولانا الحاج الحافظ المولوی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم۔ بعد تسلیم نیاز خادمانہ التماس ہے
والا نامہ عین انتظار میں شرف صدور لایا حضور نے جو اس نادان ناکارہ کی دستگیری فرمائی اگر ہر بُن مُو سے
اُسکا شکر ادا کروں تو محال ہے پس بجز اسکے کیا عرض کروں ع شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو +
بالخصوص کلمات محبت و شفقت آمیز سے جو کچھ مسرت و طمانیت ہوئی شاید عمر بھر بھی کبھی مجھکو میسر نہیں ہوئی
اللہ تعالیٰ حضور کی ذات اقدس کو بایں افادہ ہم نیازمندوں کے سر پر سلامت رکھے چونکہ حضور کے

دربار سے مکرر استفسار کی اجازت عطا ہوئی ہے اسلئے بہت ادب سے پھر اپنے بعض خیالات بغرض استفادہ عرض کرتا ہوں۔ امر اول میں ارشاد عالی اچھی طرح سمجھ میں آگیا مگر ابھی اسقدر شبہ باقی ہے کہ مقیس کو اگر ذریعہ حصول ایک امر مامور بہ کا کہا جاوے تو ممکن ہے یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف کرنا اور آپ کی محبت و عظمت کا دل میں جگہ دینا ضرور مامور بہ ہے زمان سابق میں بوجہ شدت ولوع و قرب عہد جا بجا چرچا بھی تھا اور عظمت و محبت سے قلوب بھی لبریز تھے بعد چندے لوگوں کو ذہول ہوا محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے آپکے حالات و شمائل و معجزات و فضائل جداگانہ مدون کئے تاکہ اُسکے مطالعہ سے وہ غرض حاصل ہو پھر یہی مضامین بہیئت اجتماعیہ منابر پر بیان کئے جانے لگے پھر اہل ذوق نے اور کچھ قیود و تخصیصات جن میں بعض سے سہولت محل مقصود تھی بعض سے ترغیب سامعین بعض سے اظہار فرح و سرور بعض سے توقیر و تعظیم اس ذکر و صاحب ذکر کی منظور تھی بڑھا کر مطمح نظر یہی حصول حب و تعظیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رہا گو کہ حصول حب و عظمت کا توقف اس ہیئت خاصہ پر بمعنی لولاہ لامتنع عقلاً ثابت نہیں مگر یہ توقف مقیس علیہ میں بھی نہیں ہاں اگر توقف بمعنی ترتب ہے یا بمعنی لولاہ لامتنع عادۃً سو اسکی گنجائش مقیس میں بھی ہے کیونکہ ترتب تو ظاہر ہے اور عند التامل امتناع عادی بھی ہے گو اسقدر فرق بھی ہے کہ امتناع مقیس علیہ میں باعتبار اکثر طبائع کے ہے اور مقیس میں باعتبار بعض طبائع کے چنانچہ دیار و امصار شرقیہ میں بوجہ قلت العلم و دوری یا کثرت جہل و غفلت یہ حال ہے کہ وعظ کے نام سے کوسوں بھاگتے ہیں اور ان محافل میں بوجاہت میزبان یا اور کسی وجہ سے آکر فضائل و شمائل نبویہ اور اسی ضمن میں عقائد و مسائل ضروریہ سن لیتے ہیں اس ذریعہ سے میرے مشاہدہ میں بہت لوگ راہ حق پر آگئے ورنہ شاید انکی عمر گزر جاتی کہ کبھی اسلام کے اصول و فروع انکے کان میں بھی نہ پڑتے اور اگر توقف سے قطع نظر کیا جاوے تب بھی ترتب یقیناً ثابت ہے سو جواز کے لئے یہ بھی کافی معلوم ہوتا ہے چنانچہ حضور کا ارشاد ہے کہ اس زمانہ میں یہ اشتغال بایں قیود اگرچہ جائز تھے مگر انکی حاجت نہ تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز ذریعہ تحصیل مامور بہ کا ہو خواہ وہ محتاج الیہ ہو یا نہ ہو جائز ہے سو ذریعہ ہونا اسکا تو بہت ظاہر ہے سامعین کے قلوب اُسوقت آپ کے احترام و عظمت و شوق و عشق و ادب و توقیر سے مملو و مشحون ضرور نظر آتے ہیں البتہ اسمیں جو امور مکروہ و حرام مخلوط ہو گئے ہیں وہ واجب الترک ہیں چنانچہ احقر ہمیشہ سے انکے منع میں ساعی ہے اور رسالہ بعض اصلاحیں جو کئی ماہ ہوئے وعظ میں تفصیلاً بیان کی گئی تھیں بعض لوگوں نے اختصار کے ساتھ اُسے چھپا کر شائع بھی کر دیا تھا ملاحظہ کے لئے مرسل ہیں۔

بفضلہ تعالیٰ سب نے اسکو تسلیم کیا اور اکثروں نے عمل بھی کیا سو ایسے امور کہ وہ مقیس علیہ میں کچھ بہت
سے شامل ہو گئے ہیں جنکی اصلاح واجب ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ اسکے متعلق بھی ایک رسالہ عنقریب لکھکر حضور کے
ملاحظہ میں بغرض اصلاح پیش کرونگا دعا کا امیدوار ہوں کیونکہ جہلا صوفیہ کے سبب زندقہ کی بہت ترقی ہو رہی
ہے۔ سو ابتک مقیس و مقیس علیہ میں اچھی طرح سے فرق سمجھ میں نہیں آیا ہاں یہ بدعت کی تعریف لکھی
گئی وہ ماشاء اللہ تعالیٰ بالکل مقبول و صحیح ہے انشاء اللہ تعالیٰ تمام معروضات میں وہ پیش نظر رہا کریگی۔

دوسرا امر جو متعلق اتباع شیوخ کے ارشاد ہوا ہے الحمد للہ کہ میرا اعتقاد کبھی اسکے برخلاف نہیں ہوا امر خلاف
شیخ کے فرمانے سے کبھی جائز نہیں ہو سکتا لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق پر ایمان و ایقان ہے مگر آنا عرض
میرے خیال میں ہے کہ اگر مختلف فیہ مسئلہ میں شیخ کامل کسی شق کا حکم کریں اسکا اتباع اقل درجہ جائز ہے
تین شرط سے اول یہ کہ اس مسئلہ میں دلائل و قواعد شرعیہ سے اختلاف کی گنجائش ہو۔ دوسرے یہ کہ شیخ گو
عالم اصطلاحی نہ ہو مگر نورانیت قلب و شرح صدر و سلامت فہم رکھتا ہو جس سے یہ توقع ہو کہ انہیں ایک شق کے
ترجیح دینے کی قابلیت ہے بالخصوص جبکہ شیخ پر مسئلہ کے متعلق دونوں حکم متعارض پیش کئے جاویں اور
دلائل جانبین کے بھی ذکر کر دئے جاویں اور پھر وہ ایک شق کو ترجیح دیں۔ تیسرے یہ کہ مرید کو بھی خواہ
دلیل سے یا تصرف شیخ سے شرح صدر ہو جاوے سو احقر کے نزدیک مسئلہ متکلم فیہا میں یہ سب امور موجود ہیں یعنی
بوجہ اسکے کہ ایک جم غفیر اسکے جواز کی طرف گئے ہیں مختلف فیہ و مجتہد فیہ معلوم ہوتا ہے اور حضرت شیخ مد ظلہ کے
فہم میں اسقدر قوت ضرور سمجھ رہا ہوں کہ قولین متعارضین کے پیش ہونے کے بعد ایک جانب کو ترجیح دیسکیں
اور مجوزین سے حضرت صاحب مد ظلہ کو حسن ظن ہے مگر میں تو خود مشاہدہ کر آیا ہوں کہ ان میں سے کوئی
بھی حضرت شیخ کی نظر میں خدام والا کی برابر مقبول و منظور و مبصر و محقق نہیں بارہا اس قسم کے تذکرے آئے
حضرت صاحب خدام والا کی نسبت "نعمت عظمیٰ و غنیمت کبریٰ اند ہندوستان میں عدیم النظیر" وغیرہ
وغیرہ الفاظ ارشاد فرماتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ "خدام والا کے جمیع احکام و فتاویٰ محض للّٰہیت پر
مبنی ہیں" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کو خود اس مسئلہ میں شرح صدر ہے اور اسکو باصرار فرماتے
ہیں اور دوسرے قول پر انکار بھی نہیں فرماتے ہیں اور مخاطب کو حضرت کے ارشاد سے اطمینان بھی ہو جاتا
ہے ایسی صورت میں اتباع کو اب تک جائز سمجھا ہوا ہوں یہ اظہار تھا ما فی الضمیر کا۔ احقر نے بہت کوشش
کی ہے کہ تمام عریضہ میں کسی مضمون میں مناظرہ کا رنگ نہ آنے پائے محض استفادہ و استفسار مقصود ہے

شاید بلا قصد کہیں ایسا ہوگیا ہو تو حضور کے مکارم اخلاق اور مراحم اشفاق سے اُمید ہے کہ انما الاعمال بالنیات
اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے
پر نظر فرما کر معاف فرمایا جاوے۔ حضور نے جو محبت کے ساتھ شکوہ فرمایا ہے اُسپر اُسی قدر مسرور ہوں جیسے کہ
اسی سلسلہ و ہی جارتہ آیتہ واذ ہمت طائفتان منکم ان تفشلا واللہ ولیہما کے نزول پر اللہ تعالیٰ حضور کی برکت سے
ہم بے راہوں کو راہ پر لگاوے انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے باب میں خصوصًا و عمومًا سعی کی جاوے گی دعا سے مدد
فرمایئے مواعظ پر حضور نے اپنی خوشنودی کا مژدہ ارشاد فرمایا میں سچ عرض کرتا ہوں کہ حضور کی رضا کو دلیل
قبول و وسیلہ نجات سمجھتا ہوں خدا کرے حدود خطا پر بھی حضور ہم خدام سے کبھی ناخوش نہ ہوں بلکہ تنبیہ
فرماویں بخدمت جناب کاتب صاحب کہ غالبًا مولوی محمد یحییٰ صاحب ہیں سلام شوق قبول ہو اگر کوئی اور
صاحب ہوں تو اسم گرامی سے مطلع فرماویں میں خط سے نہیں پہچان سکا باقی خیریت ہے والسلام مع الاکرام
از کانپور ۸ محرم الحرام یوم الخمیس ۱۳۰۱ ہجری۔

جواب از حضرت مولانا قدس سرہٗ

از بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند آپ کا خط آیا آپ نے جو شبہ ساواۃ
مقیس و مقیس علیہ میں لکھا ہے موجب تعجب ہے مگر بمقتضائے حبک الشئ یعمی و یصم ایسے شبہات کا ورود عجب
نہیں بغور دیکھو کہ مقیس علیہ خود ذکر ہے کہ مطلق ذکر مامور بہ کا فرد ہے اور اُسکے مناجات و ہیئات یا ذکر
ہیں یا وہ امور ہیں کہ نقل سے اُنکی اصل ثابت ہے پس وہ ملحق بالسنۃ ہیں اور بضرورت موقوف علیہ
مقصود کے تخصیص اور تعیین اُنکی کی گئی اور عوام تو کیا خواص میں بھی صدہا میں معدود شخص عامل ایسا
لہٰذا عوام کے ضرور سمجھ جانے کا وہاں محل نہیں اور مقیس میں جو قیود مجلس ہیں بعض موہم شرک ہیں اور
بعض امور در اصل مباح مگر بسبب شناعت ہر خاص و عام کے بلوث بدعت ہو کر ممنوع ہو گئے کہ عوام اُنکو
ضروری بلکہ واجب جانتے ہیں اور مجالس مولود میں جسقدر عوام کو دخل ہے خواص کو نہیں اور یہ قیود مذکورہ
غیر مشروعہ موقوف علیہ محبت کے ہرگز نہیں آپ خود معترف ہیں پس اُنکو مقیس علیہ کے ساتھ کیا مناسبت اور
رغبت عوام کو سماع ذکر کی طرف ہونا اُسوقت تک جائز ہے کہ کوئی امر منع شرعی اسکے ساتھ لاحق نہ ہو مذ حقّ و
سرود زیادہ تر دواعی ہیں اور روایات موضوعہ زیادہ تر موجب محبت گمان کیجاتی ہیں پس کون ذی فہم علت
دعوت عوام ان کا مجوز ہو جائیگا یہ جواب آپ کی تقریر کا ہے کہ سماع ذکر ولادت بہئیت کذائیہ کو آپ موجب ازدیاد
محبت تصور کرتے ہیں اور بذریعہ غیر مشروع کے تحصیل محبت کی اجازت دیتے ہیں ورنہ فی الحقیقت جو

امر خیر کہ بذریعہ تماشہ و رعد جاہل ہو وہ خود ناجائز ہے اور جو کچھ بندہ کا مشاہدہ ہے وہ یہ ہے کہ مولود کے سننے والے اور شوقین مجالس مولود صدہا ہوتے ہیں کہ اُن میں ایک بھی سنت کا متبع اور محب نہیں ہوتا اور عمر بھر مولود سننے سے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و محبت سنت ذرہ بھر بھی اُن کے دل میں پیدا نہیں ہوتی بلکہ بے اعتنائی عبادات اور سنن سے بیجا اُن کے حق میں آجاتی ہے اور اگر تسلیم کیا جاوے کہ آپ کی محفل میلاد خالی ہے جملہ منکرات سے اور کوئی امر نامشروع اُس میں نہیں ہے تو دیگر مجالس تمام عالم کی تو سراسر منکر ہیں اور فعل آپ کا اُن کے لئے مؤید ہے پس یہ فعل مندوب آپ کا جب مغوی خلق ہوا تو اُسکے جواز کا کیسے حکم کیا جاوے گا اگر حق تعالیٰ نے نظر انصاف بخشی تو سب واضح ہے ورنہ تاویل و شبہات کو بہت کچھ گنجائش ہے مذاہب باطلہ کی اہل حق نے بہت کچھ تردید کی مگر قیامت تک بھی اُن کے شبہات تمام نہ ہوں گے فقط۔

امر ثانی میں سنئے کہ حضرت اعلیٰ کا ارشاد پانچ چھ سال پہلے یہی تھا کہ "نفس ذکر جائز اور قیود بدعت" چنانچہ اس قسم کی تحریرات اب بھی موجود ہیں مگر بعد حضور مجوزین کے جو تحقیق ہوئی ہے خلاصہ اُس کا حضرت مسئلہ میں آپ نے خود لکھا ہے کہ جناب حضرت مدظلہ مجوزین و مانعین ہر دو کی تصویب فرما رہے ہیں حالانکہ ایک مسئلہ جزئیہ علمیہ جو مجتہدین میں مختلف فیہ ہے عند اللہ حق اُس میں ایک ہی ہے اور دوسرا غلط تو کشف سے اگر صاحب کشف حق ایک جانب کو حق جان لیوے تو دوسری جانب کو حق نہیں کہہ سکتا کیونکہ کشفاً ایک ہی حق ہوتا ہے پس دونوں کی تصویب اور ایک سے ترجیح کے کیا معنی سوائے اسکے کہ دونوں جانب عمل تصویب فرما کر اس مسئلہ کو مختلف فیہ خیال فرمایا اور اسکو مسئلہ فرعیہ تصور فرمایا حالانکہ یہ مسئلہ اعتقادیہ ہے اگرچہ بادی النظر میں مسئلہ فرعیہ خیال کیا جاتا ہے اور مسئلہ اعتقادیہ میں حق ایک ہی ہوتا ہے ظاہر میں بھی مثل باطن کے اسی واسطے اہل اہوا اگرچہ صدہا علماء ہیں اُنکی کثرت پر نظر نہیں ہوتی اور مسئلہ مختلف فیہا نہیں کہا جاتا اور حضرت اعلیٰ وجہ ترجیح کو خود ہی تحریر فرماتے ہیں آپ نے اپنے قلم سے لکھا ہے کہ ان قیود کو بدعت ہی نہیں سمجھا کیونکہ فرماتے ہیں کہ "بدعت وہ ہے کہ غیر دین کو دین میں داخل کیا جاوے" اور اسپر حدیث من احدث فی امرنا ہذا الخ کو دلیل لائے ہیں اس سے صاف واضح ہے کہ یہ ترجیح کشفی نہیں ہے باقی یہ بات کہ ترجیح اعلیحضرت کی صحیح نہیں اسکو میں نہیں لکھتا اگرچہ یہ اصل اُنکی صحیح ہے مگر اندراج اس جزئیہ کا اس اصل میں صحیح نہیں ہے آپ تامل کریں گے تو واضح ہو جاویگا۔

اور اس مسئلہ کو مختلف فیہا و مجتہد فیہا سمجھنا تو بے تعجب ہے کیونکہ جو مسئلہ مختلف فیہا ہو بظاہر دونوں طرف صواب ہوتا ہے
کہ مجتہد مطلق یا مقلد یا علماء اور محققین طرق میں ہم میں مختلف فیہ ہوا اور عوام کا اختلاف مسئلہ کو مجتہد فیہ نہیں بناتا بلکہ
اُنمیں ایک ہی جانب حق ہوتی ہے کہ جو موافق قانون شریعت کے ہو اور دوسری جانب باطل ہوتی ہے فقط
اور یہ جو کچھ بندہ نے لکھا ہے اگر میں ایسا ہی سمجھتے لوگوں کو میں نے بھی کہ شفقاء سکو معلوم کر لیا ہے تو بجا ہے
اگر میرا منشاء اس کلمہ کے کہنے کا نہیں ہے اور چونکہ آپکو حسن عقیدہ اسکے خلاف شرح صدر ہو گیا ہے تو امید ہے
کہ کسی کا لکھنا یا کہنا آپکو مفید نہ ہوگا۔ البتہ اتنی شکر کہ نہیں کہ جیسا آپ ہر دو میں سے آج تک کسی کو ترجیح صرف
نہیں دیکھا فقط والسلام مورخہ ۱۲ شعبان ۱۳۰۶ ہجری۔

از مولانا الحافظ الحاج المولوی اشرف علی صاحب مد فیضہم

از احقر خلق محمد اشرف علی عفی عنہ بخدمت سراپا برکت حضرت مولانا و مقتدانا سیدنا الحافظ الحاج المولوی
رشید احمد صاحب دامت برکاتہم۔ پس از تسلیمات معروض آنکہ والا نامہ ... موجب عز
موجب اعزاز و افتخار ہوا اپنی کج فہمی پر حضور کے اشفاق کی ... فرماتے ہیں ... اور حضور
سے دوبارہ عرض کرنے کی ہمت نہیں ہوتی گو حضور نے اجازت دی اس سے پہلے عریضہ میں اپنے شبہات کو
پیش کیا تھا لیکن اس والا نامہ کا یہ مضمون (اور چونکہ آپکو حسن عقیدہ اسکے خلاف شرح صدر ہو گیا ہے
تو امید ہے کہ کسی کی تحریر آپکو کافی نہ ہوگی) کسی قدر موہم تکدر خاطر خدام والا ہوا اعوذ باللہ من غضب اللہ
و غضب رسول اللہ و غضب ورثۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی وجہ سے کچھ عرض کرنے کی جرات نہ ہوتی
تھی کئی روز اسی کشمکش و پیچ میں گزر گئے مگر آخر میں یہ رائے ہوئی کہ اگر استفتاء علمی یا سوال سمجھ کر عرض کیا جاوے تو
امید ہے دل صاف ہوگا اور یہ خیال ہوا کہ اب تک اس شعر میں کچھ شبہات پیدا ہو سکتا گو پہلے سے تحقیق
جرات کیلئے تو یہ نوبت کاہے کو آتی اور پھر عرض کرنے کی ہمت ہوتی لیکن اسکے ساتھ ہی یہ التماس ہے کہ اگر میرا
عرض کرنا خدام والا کو ذرہ برابر بھی موجب تکدر ہو تو بے تکلف صراحۃً فرما دیا جاوے میں ان شاء اللہ تعالیٰ اتباع
کرونگا کیونکہ احقر اپنی نسبت حضور سے ایسی سمجھتا ہے کہ جیسے مقلد کی نسبت مجتہد سے اور اگر اجازت ہوگی
تو عرض کرونگا احقر بقسم کہتا ہے کہ میرے قلب میں تو اس عمل کی محبت ہے نہ اسکے ساتھ تشبث ہے بلکہ
میں خود اسکے ترک کو افضل و اولیٰ سمجھتا ہوں چنانچہ اسی شبہ کے مجلس کی بنا پر حضور ... ...
ترک کر دیا گیا اور اس مضمون کو چھپا کر شائع بھی کر دیا مگر یہاں کے مجموعی حالات کے مقتضی یہ تھے کہ موافقت

کرنا سخت دشوار و موجب فتنہ ہے اور اس موقع پر ہر قسم کے لوگ مواعظ بھی سُن لیتے ہیں منکرات کی اصلاح
بھی اس طرح سے سہل ہے شریک ہوجاتا تھا اگرچہ ہی تک کہ اسکو جائز سمجھا جاوے اسی واسطے جو شبہات
دل میں آئے معروض ہوئے اور اُن سے مقصود محض حصول شفا ہے کہ جس سے مجھکو بفضلہ تعالیٰ جلدی
امید کامیابی کی ہے اور متعصبین کو تو دل سے طلب حق مقصود نہیں ہوتی اسلئے اُنکو عمر بھر حق کا پتہ
نہیں لگتا میں تو ہر نماز کے بعد دل سے دعا مانگتا ہوں اہدنا الصراط المستقیم لم ربنا لاتزغ قلوبنا الخ اللھم
ارنا الحق حقا الخ تنہائی میں بیٹھکر سوچا کرتا ہوں کہ حق کیا ہے میرے اختیار میں بجز طلب توجہ الی اللہ
و سوال علماء محققین اور کیا ہے آیندہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے اور تو بہ تو بہ میں کیا میرا شرح صدر کیا اور حضور
کے جن کمالات کا مجھے اعتقاد ہے اُن کے روبرو کشف کیا چیز ہے جسکی تصدیق میں مجھکو تردد ہو آپ کے
ارشاد کو بدل و جان تصدیق کرتا ہوں مگر بمقتضائے حدیث انما شفاء العی السوال اسوقت پھر کچھ عرض کرتا ہوں
امر ثانی میں تو مجھکو اجمالاً یوں اطمینان و شفا کامل ہوگئی کہ اعلحضرت مد ظلہم کی معرفت جسقدر حضور کو
ہے ہم لوگوں کو قیامت تک بھی نصیب نہوگی اُس میں کلام طویل کرنا خدام والا کو پریشان کرنا ہے اب عرض
امر اول رہگیا سو مقیس و مقیس علیہ میں واقعی یہ فرق تو ہے کہ مقیس علیہ کے عامل خواص میں پھر بھی کم ہیں
اگرچہ اسوقت مدعیوں نے عوام جہلاء میں بھی یہ قصہ پھیلا دیا ہے اور وہ بھی بُرے عقیدوں کے ساتھ مگر
پھر بھی مقیس کی برابر شیوع نہیں اور یہ بات بھی ہے کہ عاملان مقیس میں متبعان سنت کم ہیں اگرچہ اسکی وجہ
سوء تعلیم بیان کرنیوالوں کی ہو مگر خیر کچھ ہی سہی قلت ضرور ہے اور یہ امر بھی یقینی ہے کہ جو امر غیر ذریعہ غیر مشروع
کا حاصل ہو وہ امر خیر نہیں ہے اور جب قیود کا غیر مشروع ہونا ثابت ہوجاوے تو اُسکا ثمرہ کبھی ہی ہو جائز الحصول
نہ ہوگا اور یہ امر بھی ظاہر ہے کہ مجالس مذکورہ بکثرت ہوتی ہیں اور منکر کی تائید اگر غیر منکر سے ہو تو وہ بھی سزاوار
ترک ہے جبکہ عند الشرع فی نفسہ مفید ثواب اسوقت دو امر قابل عرض ہیں کہ تقیید مطلق کی آیا مطلقاً
ممنوع ہے یا جبکہ اُس قید کو مرتبہ مطلق میں سمجھا جاوے یعنی اگر مطلق واجب تھا تو قید کو بھی واجب سمجھا جاوے
اور اگر وہ مندوب موجب قرب تھا تو قید کو بھی مندوب اور موجب قرب سمجھا جاوے صورت اولیٰ تقییدات
عادیہ میں شبہ ہوگا صورت ثانیہ میں جب مطلق کو عبادت سمجھا اور قید کو بنا بر مصلحت عادت سمجھا جاوے
تو فی نفسہ اُسمیں قبح نہ ہوگا ہاں اگر مودی بہ فساد عقیدہ عوام ہو تو اُسمیں قبح لغیرہ ہوگا لیکن اگر اسکا عامل
زبان سے اصلاح عقیدہ عوام کی بالاعلان کرتا ہے اُسوقت بھی یہ قبح رہیگا یا نہیں اگر نہ رہیگا فبہا اور اگر

رہیگا تو اس صورت میں بعض اعمال میں جو عوام میں شائع ہو رہے ہیں اور ظاہرًا اُنکی عقیدت میں اُنکی نسبت غلو وافراط بھی ہے اور خواص کے فعل بلکہ حکم سے اور قول سے بھی اُسکی تائید ہوتی ہے اور اُسکا وجوب شرعی بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوا اور عوام بلکہ بعض خواص میں اُسپر مفاسد بھی مرتب ہو رہے ہیں ایسے اعمال میں شبہہ واقع ہوگا مثلاً تقلید شخصی کہ عوام میں شائع ہو رہی ہے اور وہ اُسکو عملاً اور علمًا اسقدر ضروری سمجھتے ہیں کہ تارک تقلید سے گو کہ اُسکے تمام عقائد موافق کتاب وسنت کے ہوں اسقدر بغض ونفرت رکھتے ہیں کہ تارکین صلوٰۃ فساق وفجار سے بھی نہیں رکھتے اور خواص کا عمل وفتویٰ وجوب اسکا موید ہے گو خود اُنکو علی سبیل الفرض اتنا غلو نہ ہو اور دلیل ثبوت اسکی یہ مشہور ہے کہ ترک تقلید سے مخاصمت ومنازعت ہوتی ہے جو کہ ممنوع ہے سو مودی الی الممنوع ممنوع ہوگا پس اُسکی ضد واجب ہوگی مگر دیکھا جاتا ہے کہ بوجہ اختلاف آراء علماء وکثرت روایات مذہب واحد معین کے مقلدین میں بھی عوام کیا خواص میں مخاصمت ومنازعت واقع ہے اور غیر مقلدین میں باہم اتفاق واتحاد پایا جاتا ہے غرض اتفاق واختلاف دونوں جگہ ہے اور مفاسد کا ترتب یہ کہ اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اسقدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے اُنکے قلب میں انشراح وانبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اُسکے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اُس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہو بلکہ خود اپنے دل میں اُس تاویل کی وقعت نہو مگر نصرت مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کرلیں بعض سنن مختلف فیہا مثلاً آمین بالجہر وغیرہ پر حرب وضرب کی نوبت آجاتی ہے اور قرون ثلثہ میں اسکا شیوع بھی نہ ہوا تھا بلکہ کیفما اتفق جس سے چاہا مسئلہ دریافت کرلیا اگرچہ اس امر پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر مذہب خامس مستحدث کرنا جائز نہیں یعنی جو مسئلہ چاروں مذہبوں کے خلاف ہو اُسپر عمل جائز نہیں کہ حق دائر ومنحصر ان چاروں میں ہے مگر اسپر بھی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اہل ظاہر ہر زمانہ میں رہے اور یہ بھی نہیں کہ سب اہل ہویٰ ہوں وہ اس اتفاق سے علیحدہ رہے دوسرے اگر اجماع ثابت بھی ہو جاوے مگر تقلید شخصی پر تو کبھی اجماع بھی نہیں ہوا البتہ ایک واقعہ میں تلفیق کرنے کو منع لکھا ہے تاکہ اجماع مرکب کے خلاف نہ ہو جاوے باوجود ان سب امور کے تقلید شخصی کا استحسان ووجوب مشہور ومعمول ہے سو اس کا قبح کس طرح مرتفع ہوگا دوسرا امر یہ کہ مسئلہ متکلم فیہا اعتقادی ہونیکی کیا صورت ہے بادی النظر میں تو فرعی عملی معلوم ہوتا ہے۔

تتمیم فائدہ جس کے لئے دو امر کی تحقیق اور منظور ہے کہ تشبیہ مثنوی بعض کی جو بجماعت ممانع کیا ہے بعض طرق زیارت
سے مثل تعزیہ و علم وغیرہ کے اہل بدعت کے افعال سے ہیں اگر کوئی اہل بدعت کا لباس پہنے ہے تحقیق عمری کو بیعت
رواج کے وقت ان میں تخصیص تھی سو اب وہ رسوم اہل بدعت اپنے معمول کے ساتھ کرتے ہیں دوسرے یہ کہ التزام
مالا یلزم اعتقاد وجوب سے ممنوع ہوتا ہے یا بلا اعتقاد کے بھی مستمر ہے کہ کسی قدر صلابت و اہتمام کے ساتھ ہو
التزام ممنوع ہو جاتا ہے حنفیہ کا التزام قرأت نقل ہوا اس حدیث سے اکثر کمی لزوم ہو وہ سورۃ دریافت فرما کر تعین فرمائیں
دلیل تقریر جواز لزوم عمل کی معلوم ہوتی ہے ان شبہات کے صاف ہونے کے بعد امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ
حضور کو تکلیف دینے کی نوبت نہ آوے گی میں بہت ادب سے اس جرأت کی معافی چاہتا ہوں مگر کیا کروں خدا جانے
سب جگہ سے ناامید ہو کر خدام والا سے رجوع کیا ہے اگر حضور بھی ناامید کر دینگے تو پھر کہاں جاؤنگا پھر شیطان
بہکاویگا کہ اجتہاد کر پھر خرابی ہوگی اللہ تعالیٰ آپ کو بالیقین بفیوض و برکات سلامت باکرامت رکھے آمین۔

تازہ خبر حسرت اثر یہ ہے کہ کل مکہ معظمہ سے میرے ایک ملاقاتی کا خط ایک حاجی صاحب لائے ہیں لکھا
ہے کہ حافظ حاجی احمد حسین صاحب امین الحجاج ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کو رحلت فرما کے عالم بقا ہوئے
انا للہ وانا الیہ راجعون اللہم اغفر لہ وارحمہ حضرت ذات میں بیحد رنج ہے کسی طرح سے دل خود ان کے انتقال کا رنج
دوسرے ان سے چھپا ہو کہ کس قدر نفع تھا اس سے حضرت صاحب کی تنہائی و تشویش کا جو رنج ہے چھوٹے چھوٹے
بچوں کا خیال پانچویں خدا کرے وہ روداد ان میں کوئی تفصیل ہو اور آنحضرت بحفظہ تعالیٰ خیریت سے ہیں بعد السلام
نگاہ گمان فیض زیادہ حضرت مولوی محمد یحییٰ صاحب مولوی صادق الیقین صاحب اگر حاضر
ہوں سلام مسنون ارشاد ۱۳ محرم ۱۳۰۶ ہجری۔

جواب

از بندہ رشید احمد گنگوہی بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند خط آپ کا آیا بظاہر آپ نے جملہ مقدمات محررہ
بندہ کو تسلیم کر لیا اور قبول فرما لیا البتہ تقلید شخصی کے سبب کچھ تردد آپ کو باقی ہے لہذا اس کا جواب لکھواتا ہوں
عقیدہ یا امر مباح میں اگر مباح اپنی حد سے نہ گزرے یا عوام کو خرابی دین نہ لاوے تو جائز ہے اور اگر ان دونوں
سے کوئی امر واقع ہو جاوے تو ناجائز ہوگا اس مقدمہ کو خود تسلیم کرتے ہو اب تقلید کو سنو کہ مطلق تقلید مامور
ہے لقولہ تعالیٰ فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون اور بوجوہ دیگر نصوص مگر بعد ایک مدت کے تقلید غیر شخصی کے
سبب مفاسد پیدا ہوئے کہ آدمی بسبب اس کے لا ابالی اپنے دین سے ہو جاتا ہے اور اتباع ہوائے نفسانی

اتباع ائمہ معین کو بالالزام ہے اور تعیین مجتہدین تو بعد زمانہ صحابہ کرام کے ہوا ہے اور اس کے سبب یا لزوم ترک عمل بالحدیث پیدا ہوتا ہے اگر تم بغور دیکھو
تو معلوم ہوگا کہ تقلید غیر شخصی سے بھی آفات نظر آئیں گے اور ایسا امر مرتب ہوگا آپ پر واضح ہو جاوے گا لہذا تقلید غیر شخصی ایسی
سبب کے یا ممنوع من الشرع تعلق ہوگی پس ایسی حالت میں تقلید شخصی گویا فرض ہوگی سوا اس کے کہ تقلید مامور بہ کی دونوعیں شخصی
و غیر شخصی اور تقلید مطلق جو جنس ہے اور مطلق کا وجود خارج میں بدون اپنے کسی فرد کے محال ہے پس جب غیر شخصی حرام ہوئی بوجہ
لزوم مفاسد تو اب شخصی متعین مامور بہ ہوگی اور جو چیز کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض ہو اگر اسمیں کچھ مفاسد پیدا ہوں اور اس کا وجود
بدون اس ایک فرد کے ناممکن ہو تو وہ فرد حرام نہ ہوگا بلکہ ازالہ ان مفاسد کا اس سے واجب ہوگا اور اگر کسی مامور بہ کی ایک نوع
میں نقصان ہو اور دوسری نوع میں اس نقصان سے خالی ہو تو وہ بھی فرد خاص مامور بہ ہی ہوگا اور اسی طرح جائز ہیں اگر کوئی نقصان
ہو تو اس نقصان کا ترک کرنا لازم ہوگا نہ اس فرد کا یہ حال جب تقلید شخصی کا ہے سو اسی لئے تقلید غیر شخصی کو ہمارے اکابر نے
میں منع لکھا ہے مگر جو کہ غیر شخصی کے سبب مبتلا ان مفاسد مذکورہ کا نہ ہو اور نہ اس کے سبب عوام میں ہیجان ہو تو اس کو تقلید
غیر شخصی اب بھی جائز ہوگی مگر اتنا دیکھنا چاہیے کہ تقلید شخصی و غیر شخصی دو نوعیں ہیں کہ شخصیت و غیر شخصیت دو فصل ہیں جنس
تقلید کی کہ تقلید کا وجود بغیر ان فصول کے محال ہے کیونکہ یہ فصول ذاتیات میں داخل ہیں پس ان کا حال قیود مجلس میلاد سے
جدا ہے یا ذکر یا نظر میں یہ دونوں یکساں معلوم ہوتے ہیں پر واضح ہو کہ اگر غور کیا جاوے تو واضح ہے کہ ذکر ولادت جدا شے ہے اور
فرش و فروش و روشنی و غیرہ قیود مجوزہ کوئی داخل ذکر ہی نہیں بلکہ امور منضمہ ہیں کہ بدون ان کے ذکر ولادت حاصل ہو سکتا ہے
سو ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں اور یہ کہ مکتب سے پہلے منضم کا حال معلوم ہو چکا کہ جب تک اپنی حد پر ہوگا جائز
اور جب اپنی حد سے خارج ہو تو ناجائز ہو اور اگر کوئی ایک جز بھی ناجائز ہو جاوے تو مجموعہ پر حکم عدم جواز کا ہو جاتا ہے
یہ معلوم ہے کہ مرکب حلال و حرام سے حرام ہوتا ہے یہ کلیہ قاعدہ ہے امید کرتا ہوں کہ اس تقریر سے آپ کی اس طویل
تحریر کا جواب حاصل ہو گیا ہوگا جو آپ نے در بارہ تقلید لکھی ہے اب زیادہ بسط کی حاجت نہیں ہے کیونکہ تم خود فہیم ہو اب
مسئلہ کے باب عقائد میں سے ہونے کا سبب جو دریافت فرمایا ہے سو مختصر عرض کرتا ہوں جو جنس جوا اور حدیث ہیں ان سب کو
ناجائز اور موجب ظلمت و حرام و واجب سمجھتے ہیں یہ اعتقاد کا ہی مدار ہے اگرچہ عمل ان کا خیالات سے ہی ہو جیسے کہ
کتب کلامیہ میں جواز مسح خفین و جواز اقتداء فاسق و جواز صلوٰۃ علی الفاسق و غیرہ بھی لکھتے ہیں کیونکہ گو یہ اعمال ہیں مگر
اعتقاد جواز و عدم جواز اعتقادیات میں داخل ہیں۔ آپ نے تشبہ کی قسم کی تعریف دریافت کی ہے سو تشبہ امر مذموم میں مطلقاً
حرام ہے اور جو امر غیر مذموم مباح ہے وہ اگر شعار خاص کسی قوم کا ہو تو بھی ناجائز اور اگر بقصد تشبہ کوئی فعل کیا جاوے تو
وہ مطلقاً نادرست ہے سوا ان کے اور سب درست ہے اور یہ بحث براہین قاطعہ میں بسط سے لکھی گئی ہے

اُنھیں دیکھ لیویں اور یہ بھی مستطراداً لکھتا ہوں کہ شارح منیہ شرح کبیری حنفیہ میں جو دہلی میں چھپ گئی ہے صلوٰۃ رغائب کی کراہت کے جو وجوہ لکھے ہیں اُنکو آپ دیکھیں کہ مجلس مولود کا حال اُسپر قیاس کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

رہا حبس دم سو وہ فی حد نفسہ مباح ہے اور عقلاً اُسمیں چند منافع ہیں جذب رطوبات اور جلب حرارت اور دفع تشتت خواطر چنانچہ اطباء اسکو صراحۃً معالجہ رطوبت قلبیہ میں تحریر کرتے ہیں اور ہر عاقل اسکو جانتا سمجھتا ہے لہذا جوگیوں نے صورت صفائے باطن جانکر اسکو اختیار کیا اور اسلامیین نے بھی اس وجہ سے اسکو اختیار کیا جوگیوں کا فعل ہونے کی وجہ سے نہیں لیا بلکہ عقلاً اسکو نافع سمجھکر اختیار کیا ہے اسی واسطے قادریہ چشتیہ کے یہاں چونکہ حرارت کی ضرورت ہے اُنہوں نے اسکو موکد اپنے اعمال میں داخل کیا اور نقشبندیہ کے یہاں استحساناً کہ وہ حرارت کو ضروری نہیں جانتے مگر بعض درجہ میں بعض وجہ سے یعنی بوجہ استحکام ذکر اسکو مستحسن سمجھتے ہیں اور سہروردیہ کے ہاں چونکہ حرارت کی مطلقاً حاجت نہیں لہذا اُن کے ہاں ممنوع ہے بلکہ وصول کے واسطے عدم حبس کو شرط کرتے ہیں پس اسکا اختیار کرنا اس ضرورت کے واسطے ہے اور حبس خاصہ جوگ کا نہیں بلکہ یہ امر عقلی ہے کہ سب عقلاء اپنے اپنے موقع پر اُسکو کرتے ہیں اور نظیر اسکی شرع میں موجود ہے کہ تشہد میں رفع سبابہ کیطرف ادامۃ النظر الی السبابہ مشروع ہے اور غرض بعض تحصیل خشوع کے واسطے اور غض بصر غیر محارم سے رفع تشتت کے واسطے پس اسمیں تشبہ کا کیا امکان ہے یہ کوئی امر حسی نہیں اور نہ خواص کفار سے اور مشتمل ہے منافع ضروریہ کا لہذا اسکے جواز میں کلام نہیں ہو سکتا اور اگر کسی ہر دو فریق میں شائع ہے اسمیں تشبہ نہیں ہو سکتا البتہ پردہ کا فرق ہے کہ اسمیں تشبہ حرام ہے کہ علامت خاصہ ہے رعیت قیصری خاصہ کسی قوم کا نہیں ہے۔

التزام مالا یلزم بدون اعتقاد وجوب بھی ممنوع ہے اگر باصرار ہو اور اگر امر مندوب پر دوام ہو بلا اصرار وہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ عوام کو مضر نہ کرے اور اگر عوام کے اعتقاد میں نقصان ڈالے تو وہ بھی مکروہ ہے چنانچہ کتب فقہ میں سور معینہ کا التزام مکروہ لکھا ہے اور سورہ قل ہو اللہ احد کی صورت میں جو آپنے لکھا ہے خود ہی غور فرماویں کہ جب اُس صحابی نے اسپر التزام کیا اور جملہ صحابہ نے اُسپر اعتراض کیا تو اعتراض صحابہ کا اس التزام پر بلا وجہ شرعی نہ تھا اسی واسطے جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ امر پیش ہوا تو آپنے صحابہ کو منع نہ فرمایا کہ اس امر پر کیوں اُسکے ساتھ تکرار کرتے ہو بلکہ خود اُنکو بلا کر پوچھا کہ ان کا کہنا کیوں نہیں مانتے ہو پس اگر یہ امر ناجائز و موہم نہ ہوتا تو آپ صحابہ کو ہی منع کر دیتے اور جب اُس شخص نے اپنی محبت کا حال بیان کیا تو اُس وقت آپ نے اُنکو اجازت دی کیونکہ حد ذاتہ یہ امر جائز تھا اور فضل اس سورۃ کا محقق تھا اور اس اجازت

ایہام رفع ہوگیا تھا کیونکہ ایہام کا تغیر شروع ہوتا سب صحابہ پر واضح ہوگیا کیونکہ اُسوقت کے آدمی ایسے عوام کے درجہ میں نہ تھے کہ باوجود اس واقعہ کے پھر بھی اُسکو واجب جانتے اور پچھلوں کے واسطے یہ انکار صحابہ کا اور تقریر اُن کے انکار کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہونا حجت ہوگیا تو اس واقعہ سے کچھ شبہ نہیں ہوسکتا اس بحث کو براہین میں بسط سے لکھا ہے مگر آپنے اس کتاب کو دیکھا ہی نہیں میں اُمید کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص براہین کو اول سے آخر تک بتدبر دیکھے تو باب بدعات میں اُسکو کوئی شبہ نہ ہو کیونکہ اُسکے مؤلف نے اس باب میں سعی بلیغ کی ہے جزاہ اللہ خیر الجزاء اگر آپکو اب بھی کوئی شبہ ہو تو بندہ کی طرف سے اجازت ہے آپ اُسکو ظاہر کریں اگر گنجائش جواب ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ جواب لکھوں گا ورنہ خیر مگر تحریرات بندہ کو تدبر سے محفوظ کر کر اُسکے بعد شبہ کرنا چاہیے عوام علماء کو جو جرأت ارتکاب بدعت کی ہوئی تو کلام اہل حق کے عدم فہم سے ہوئی فقط والسلام علیکم وعلی من لدیکم ۲۵ محرم ۱۳۱۵ ہجری -

جواب از مولانا المولوی اشرف علی صاحب دام اللہ ظلہ

بخدمت بابرکت قدوۃ العرفاء زبدۃ الفضلاء حضرت مولانا رشید احمد صاحب دامت برکاتہم تسلیم بعد تعظیم مقبول باد- والا نامہ مشرف صدور لایا معزز فرمایا حضرت عالی کے ارشادات سے اس عمل کے جو مفاسد علمیہ و عملیہ عوام میں غالب ہیں پیش نظر ہوگئے اور ارادہ کرلیا کہ ہرگز ایسی مجالس میں شرکت نہ ہوگی- اب یہاں کی حالت عرض کرکے حکم کا منتظر ہے- الحمدللہ کہ میں یہاں نہ کسی کا محکوم ہوں نہ کسی سے مجبور مگر پوری مخالفت کے قیام دشوار ہے- گو اب بھی یہاں کے بعض علماء مجکو وہابی کہتے ہیں اور بعض بیرونی علماء بھی یہاں آکر لوگوں کو سمجھا گئے کہ یہ شخص وہابی ہے اسکے دہوکہ میں مت آنا مگر چونکہ من وجہ عوام سے موافقت کلی تھی اسلئے کسی کی بات نہ چلی اب چونکہ شرکت کلی کا بھی ارادہ نہیں تو دقتیں ضرور پیش آوینگی- اب تین صورتیں محتمل ہیں ایک یہ کہ ایسے مواقع پر کوئی حیلہ کر دیا کرونگا مگر اسکا ہمیشہ چلنا محال ہے دوسرے یہ کہ صاف مخالفت کی جاوے مگر اس میں نہایت شور و فتنہ ہے جسکی حد نہیں دنیوی مضرت یہ ہے کہ اسمیں جہلاء عوام سے ایذا رسانی کا اندیشہ ہے دینی مضرت یہ کہ اب تک جو ان لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کی گئی سب بے اثر و بے وقعت ہوجاویگی اس بدگمانی میں کہ یہ شخص تو وہابی ہے اب تک پوشیدہ رہا تیسری صورت یہ کہ یہاں کا تعلق ملازمت ترک کر دیا جاوے اور میں تو اس صورت کو بلا انتظار حکم عالی اختیار کرلیتا مگر دو امر کا خیال ہوا ایک یہ کہ خود سبب معیشت کو ترک کرنا اکثر موجب ابتلاء و امتحان ہوتا ہے کہ خدا جانے اسکا تحمل ہو یا

اور اسوال سوروپیہ کا تیرا پانچ پہلے سے کر چکا ہوں اور دوسری جگہ تعلق ملازمت سے اعلیٰحضرت منع فرما چکے ہیں اور میرا بھی دل نہیں چاہتا۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ نظم مدرسہ کا دشوار ہے اور یہاں دین کا چرچا عوام وطلباء میں اس مدرسہ کی وجہ سے ہے ورنہ عوام میں زیادہ تر رسمیں اور خواص میں فلسفیت کا زور تھا حضور کے امر سے یہ دونوں اندیشے رفع ہو جاویں گے یعنی انشاء اللہ تعالیٰ کچھ بھی دشواری پیش نہ آوے گی یا اگر آوے گی تو اُس کے برداشت کی قوت ہو جاوے گی اور یہ بھی حضور کی دعا سے ملتا رہے گا اب جو ارشاد ہو عمل میں لاؤں یہاں ربیع الاول والآخر میں بات مجالس کی زیادہ کثرت سے ہے اگر شق ثالث کا حکم ہو تو انتظام صفر تک اس کا انتظام کر لوں حقوق وغیرہ ادا کر دوں مدرسہ کا کوئی مناسب انتظام بتدریج کر دوں۔ اور اب سے انشاء اللہ تعالیٰ کوئی نیا کام بلا استیجاز حضرت والا کے وقوع میں نہ آوے گا اور اگر غلطی سے کوئی امر صادر ہو جاوے تو بے تکلف احقر کو متنبہ فرما دیا جاوے انشاء اللہ تعالیٰ امتثال امر میں کوتاہی نہ ہوگی۔ اب جواب عریضہ کے ساتھ اس امر سے بھی اطمینان فرما دیا جاوے کہ اب تو حضور کو کسی قسم کی ناخوشی اس خادم سے نہیں ہے زیادہ حد ادب بخدمت مولوی محمد یحییٰ صاحب سلام مسنون۔ اشرف علی بارگاہ پور ۲۹ محرم ۱۳۲۵ ہجری

اس کے جواب میں حضرت قدس سرہ نے مولانا کی اس درجہ قابل تحسین کی شکریہ دعا پر مشتمل تحریر فرمائی اور جواب میں مولانا مدظلہ کی طرف سے شکریہ آکر کتابت ختم ہوئی ختم اللہ لنا بالحسنیٰ آمین۔

مراسلت کے دوسرے پہلو یعنی مکتوب الیہ کو نافع ہونے کا انداز دکھلانے کے لئے بمقتضائے تعرف الاشیاء باضدادہا دوسرا مراسلہ بعینہٖ درج کرتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اگر تقسیم کا تقاضا او محض ضد پر ہونا معلوم اور متیقن ہو جائے تب بھی حضرت امام ربانی قدس سرہ محض مسائل کے جواب میں کوتاہی نہ فرماتے تھے کہ مبادا جاہل تو ضد ہے اور شان تحریر کے غلبہ سے گمراہی زیادہ ہو جائیں اس لئے خود وہ بیاحثہ کرتے یا تبلیغ واظہار حق بہر حال جب تک کسی درجہ میں نفع خلق کا گمان رہتا تھا حضرت نفسہ کبھی دریغ نہ فرماتے تھے باقی یہ بات تو اکثر ہوئی ہے کہ انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء۔

کسی شخص نے آپ کی خدمت میں یہ استفتا بھیجا جو ذیل میں درج ہے حضرت امام ربانی نے بعنوان الجواب اپنے قلم سے فتویٰ لکھ دیا جس کو بعینہ لکھتا ہوں۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل مفصلہ ذیل میں بحوالہ کتاب تمام فرما کر عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور ہوں۔

(۱) قبلہ وکعبہ، قبلۂ دارین، کعبۂ کونین، یا قبلۂ دینی وکعبۂ دنیوی یا قبلۂ آمال وحاجات یا قبلۂ مرادات یا قبلۂ صوری وکعبۂ معنوی یا دیگر مثل ان الفاظ کے، القاب آداب میں والد کو یا عمو کو یا خسر کو یا اور کسی کو تحریر کرنے جائز ہیں یا نہیں، حرام ہے یا مباح اور مکروہ ہے تو تحریمی یا تنزیہی؟

(۲) گردن کے بال جو کانوں سے نیچے ہیں منڈوانا جائز ہیں یا نہیں، مکروہ تحریمی ہیں یا تنزیہی۔

(۳) چاندی سونے کے بٹن اگر کمیض یا کورتہ میں لگائے اس حال میں کہ یہ امر یقینی ہے کہ وزن کئی تولہ ہو ہے جبکہ زنجیر بھی ایک ان میں ہوتی ہے لگانے جائز ہیں یا نہیں؟

(۴) خطبہ عیدین یا جمعہ میں اشعار فارسیہ یا عربیہ یا اردو پڑھنے درانحالیکہ اس سے مقصود ترغیب وترہیب ہوتا ہے اور اشعار میں بھی مضمون خشیت ورغبت ہی کا ہو جائز ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) ایسے کلمات مدح کے کسی کی نسبت کہنے اور لکھنے مکروہ تحریمہ ہیں لقولہ علیہ السلام لا تطرونی الحدیث جب زیادہ حد شان نبوی سے کلمات مدحیہ آپ کے واسطے ممنوع ہوئے تو کسی دوسرے کے واسطے کس طرح درست ہو سکتے ہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) گردن دوسرا عضو ہے سر کی حد سے نیچے کے بال گردن کے مونڈانے درست ہیں البتہ بعض سر کے بال لینے اور بعض چھوڑنے مکروہ ہیں تحریمًا لقولہ علیہ السلام نہی عن القزعۃ الحدیث فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) چاندی سونے کے بٹن درست ہیں ان میں مساحت کا اعتبار ہے نہ وزن کا، وزن خاتم میں معتبر ہے بٹن تابع ثوب کا ہے مثل چشمہ گوٹہ کے کہ ان میں مساحت کو دیکھتے ہیں نہ وزن کو، ازہار المذہب درمختار کے باب الحظر والکراہۃ میں جائز لکھتے ہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) خطبہ جمعہ وعیدین میں اشعار پڑھنا خلاف سنت کے ہے لہٰذا مکروہ ہوگا کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں ثبوت اس کا نہیں اور یہ رفتہ رفتہ منجر بافراط ہو جاتا ہے پس مکروہ ہوا فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

خط مولوی قاسم علی صاحب بن مولانا المولوی عالم علی صاحب مرادآبادی

اقول وباللہ التوفیق کہ جواب سوال اول صحیح ہے اور جواب سوال دوم کا صحیح طور سے یہ ہے کہ مونڈوانے صرف بال گردن کے بغیر سر کے بال کے مکروہ تحریمی ہیں البتہ سر کے بال مع گردن مونڈوانا درست ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے وعن ابی حنیفۃ یکرہ ان یحلق قفاہ الا عند الحجامۃ کذا فی الینابیع اور اسی طور سے فتاویٰ ابراہیم شاہی

یں کتاب رشید لستفیہ سے منقول ہے من شاء فلیطالع - جواب سوال سوم کا بدین تفصیل ہے کہ چاندی اور سونے کے بٹن لگانے محض بنظر زینت بلاقصد تکبر اور تفاخر کے اگرچہ درست ہیں مگر مکروہ بکراہت تنزیہیہ ہے کہ ترک انکا اولی اور مستحب ہے اسلیے کہ جواز انکا جو درمختار سے جناب مجیب صاحب نے ثابت فرمایا ہے وہ ساتھ کلمہ لاباس کے ہے وعبارتہ ہکذا لاباس بأزرار الدیباج والذہب اور کلمہ لاباس دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ خلاف اسکا اولی اور مستحب ہے اور ترک اولی کو مکروہ تنزیہیہ کہتے ہیں چنانچہ خزانۃ الروایات میں لکھا ہے لفظ لاباس دال علی ان المستحب غیرہ وہ بنظر تکبر اور تفاخر کے لگانا مکروہ تحریمیہ ہے جیسا کہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں والحاصل ان کل ما کان علی وجہ التکبر یکرہ وان فعل لحاجۃ وضرورۃ وہو المختار وظاہرہ انہ لو کان لمجرد الزینۃ بلا تکبر ولا تفاخر یکرہ لکن نقل بعدہ عن الظہیریۃ ایجالہ تامل فقط - جواب سوال چہارم کا اس بنا پر صحیح ہے کہ باوصف وجود مقتضی کے خطبہ عیدین اور جمعہ میں اشعار کا قرون ثلاثہ سے عدم منقول ہونا دلیل بدعۃ مکروہ کی ہے کما حررہ ملا سعد رومی فی کتابہ مجالس الابرار

فقط محمد قاسم علی عفی عنہ (مہر)

جواب جواب الجواب حضرت قدوۃ العلماء قدس سرہ العزیز

از بندہ رشید احمد عفی عنہ السلام علیکم مولوی قاسم علی صاحب کے تعاقبات دیکھے سو بہت شکر کرتا ہوں کہ مولوی صاحب نے پہلے جواب کو تو صحیح فرمادیا اگر اسکو بھی غلط کہدیتے تو کیا کوئی ان کا کرلیتا۔ دوسرے جواب میں جو مولوی صاحب نے روایۃ عالمگیریہ سے نقل کیا ہے تو ان سے عجب ہے کہ مولوی صاحب کو یہ بھی تحقیق نہیں ہوا کہ قفا کے معنی کیا ہیں قفا موخر سر کو کہتے ہیں کہ وہ اجزاء سر کے ہیں حدیث ہے یعقد الشیطان علی قافیۃ احدکم ثلث عقد الخ کیا گردن میں گرہ لگانا مولوی صاحب اسکا ترجمہ کرینگے سبحان اللہ گردن کا ترجمہ عربی میں رقبہ ہے نہ قفا سوال رہبی فقط قفا کا مسئلہ کا فرعہ میں داخل ہے کہ تحریماً مکروہ ہے جسکو آخر جواب میں لکھا ہے اور گردن کا مسئلہ جسکو رقبہ کہتے ہیں دوسری شے ہے چونکہ مولوی صاحب قفا اور رقبہ کے ایک معنی سمجھ گئے اعتراض کردیا ہے ورنہ قفا جزو سر ہے اور گردن دوسرا عضو ہے پس یہ تعاقب فقط بقصد تقدیم اور عدم فہم معنی قفا سے ہوا ہے ورنہ جواب مسئلہ صحیح وہی ہے جو بندہ نے لکھا ہے فقط تیسرے جواب میں چاندی سونے کے بٹن کو بندہ نے مباح لکھا ہے اور معنی لاباس کے مباح کے ہی ہوتے ہیں اور ترک اولی اکثر جا ہوتے ہیں اور کہیں مستحب و مندوب پر بھی لاباس بولدیتے ہیں سو یہاں لاباس بمعنی مباح ہے اگر مباح کو ترک اولی کہا جاوے مضائقہ نہیں مگر یہاں کراہۃ تنزیہیہ مراد نہیں چنانچہ درمختار کی عبارت میں جہاں یہ مسئلہ بٹن کا لکھا ہے لاباس باسبال الالوان یعنی سوائے سرخ و زرد کے تو اب مولوی صاحب کو لازم ہے کہ مہر اور

سیاہ کو بھی مکروہ تنزیہی فرماویں اور یہ غلط ہے غرض مولوی صاحب نے یہ قاعدہ کلیہ بنا لیا ہے کہ لا بأس کراہت تنزیہیہ بولا جاتا ہے حالانکہ یہ کلیہ نہیں ترک اولیٰ کو کراہت تنزیہ ہر جگہ لازم نہیں ہوتی اگر فقہ کا فہم ہو تو دریافت ہو جاوے کسی جگہ ایسا ہو جاتا ہے کسی جگہ نہیں سو یہاں مکروہ تنزیہ مراد نہیں البتہ مباح ہے مگر مباح کو ترک اولیٰ کہا جاوے تو درست ہے مگر کراہت تنزیہ کے واسطے دوسری دلیل اثبات کراہت کی حاجت ہوتی ہے سو یہ بحث مولوی صاحب کی عبث ہے اب رہا کراہت تحریمہ بشرط تکبر کے سو یہ چاندی کے بٹن پر کیا موقوف ہے اگر دیس کا دوپٹہ ململ کا انگرکھا تکبر سے پہنے گا تحریم ہو جاوے گی سب مباحات میں یہی ہے اس تحریر مولوی صاحب سے بندہ کو نہایت تعجب ہوا کہ مولوی صاحب کو فقط روایات پر نظر ہے مگر فہم تفقہ نہیں معلوم ہوتا چوتھے جواب کی تصحیح مولوی صاحب نے کی اور دلیل صحت وہی جو بندہ نے لکھی مگر عبارت بدلکر ادا کیا ہے سو کچھ مضائقہ نہیں شکر ہے کہ جواب تو صحیح رہا فقط والسلام۔

(بعد ایں تحریر از جناب مولانا قاسم علی صاحب صدائے برنخاست نہ بتصویب و نہ بتغیر آں)

سوال اول کسی شخص نے دریافت کیا کہ حضرت بندوق سے جو شکار کیا جاوے اور وہ بلا ذبح کے صرف گولی لگنے سے مرجاوے اسکو اکثر اہلکیہ آجکل حلال کہتے ہیں اور ابنا زمان علماء کو بھی انہیں تردد ہے بظاہر تیر کے مرے ہوئے کے مثل معلوم ہوتا ہے

(جواب) حضرت نے ارشاد فرمایا لوگوں کو اسکی حلت کا اس وجہ سے شبہ ہوا کہ فقہ میں احراق بالنار کو قاطع لکھا ہے اور اسی بنا پر بندوق کی گولی کو بھی محرق اور قاطع سمجھکر بعض علماء نے حلت کا فتویٰ دیدیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے مولانا مملوک العلی صاحب سے جب اسکو دریافت کیا تھا فرمایا کہ روئی پر نشانہ لگاؤ معلوم ہو جائیگا چنانچہ جب ایسا ہی کیا گولی پار ہو گئی اور روئی کچھ نہ جلی سو گولی توڑنے والی ہے محرق نہیں ہے جب تک ذبح نہ کیا جاوے بندوق کا شکار حلال نہیں۔

(سؤال) ایک پنجابی عالم نے استفتا بھیجا جس میں ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ معین ذابح یعنی جانور کے ہاتھ پاؤں پکڑنے والے کو بھی بسم اللہ کہنا ضروری ہے اور اسکی سند میں نواب قطب الدین خاں مرحوم کی عبارت پیش کی تھی کہ مولانا شاہ اسحق صاحب اسکے قائل تھے اور بس۔

(ج) حضرت نے جواب میں فرمایا کہ جو شخص ذابح کے ہاتھ پر ہاتھ رکھکر چھری چلانے میں شریک ہوا سے تو بسم اللہ کہنا واجب ہے اور ہاتھ پاؤں پکڑنے والے پر واجب نہیں ہے اور حضرت شاہ اسحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب وہی خیال تھا جیسا کہ نواب صاحب نے لکھا ہے مگر جب شاہ صاحب ہجرت کر گئے تو عرب میں ایک حنفی عالم کے سامنے (نام بندہ بھول گیا) جو بڑے فقیہ تھے یہ استفتا پیش ہوا انہوں نے یہ جواب لکھا ہے کہ فقط ذابح پر واجب ہے

اور یہ فتوی مولوی احمد علی صاحب کی ترمذی میں چھپاں تھا جنہ یہ فتوی مولوی صاحب کے پاس اپنی آنکھوں سے
دیکھا ہے عبارت یہ تھی "رب زدنی حنابل علی المذبح فقط - اس قسم کا سوال شاہ عبد العزیز صاحب کے زمانہ
میں ہوا مگر اسوقت شاہ صاحب کی بصارت جاتی رہی تھی اور استفتا کا جواب مولانا شاہ اسحق صاحب نے لکھا مگر ان
سے چوک ہوگئی اور اسی جواب پر شاہ صاحب نے بھی مہر کر دی بس غلطی یہاں سے واقع ہوئی مگر جب شاہ اسحق
صاحب نے ہجرت کی تو استفتا کے بعد وہ بھی عدم وجوب کے قائل ہو گئے اسکے بعد حضرت امام ربانی نے ارشاد فرمایا
اور میں نے تو اس کو اس حدیث سے ثابت کیا ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ ما انہر الدم وذکر اسم اللہ علیہ فکل
(اور کھا ڈالو) کیونکہ اسمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط چھری پر جو ہرق دم ہوا اور اسپر نام خدا لیا گیا
کھانے کا حکم دیا ہے پس جب چھری چلانے والے نے بسم اللہ کہا اور چھری پر جو ہرق دم ہے تشمیہ ہوا اگرچہ ہاتھ پاؤں
پکڑنے والے نے نہیں کہا تو اُس جانور کی حلت میں شبہ کیا رہا۔
(ش ۱۱) مرزا غلام احمد قادیانی کے خیالات متعلق بہ وفات عیسی علیہ السلام جو کچھ ہیں ظاہر ہے پس اس مرزائی جماعت کا
اپنی مساجد میں نہ آنے دینا اور انکے ساتھ نماز میں شریک ہونے سے تنفر کرنا کیسا ہے ؟
(ج) مرزا قادیانی گمراہ ہے اُسکے مُرید بھی گمراہ ہیں اگر جماعت سے الگ رہیں اچھا ہے جیسا رافضی خارجی کا جدا رہنا
اچھا ہے انکی واہیات مت سُنو اگر ہو سکے اپنی جماعت سے خارج کر دو بحث کیکے ساکت کرنا اگر ہو سکے ضرور ہے
ورنہ ہاتھ سے اُنکو جواب دو - اور ہرگز فوت ہونا عیسی علیہ السلام کا آیات سے ثابت نہیں رد کیا ہے اُسکا جواب
علماء نے دیدیا ہے مگر وہ گمراہ اپنے اغوا اور اضلال سے باز نہیں آتا - جیسا اسکو نہیں رہی کہ شرماوے جو عقیدہ صحابہ سے
آجتک ہے وہ یہ ہے کہ زندہ آسمان پر گئے اور نزول فرما کر دنیا میں فوت ہوویں گے اسکے خلاف باطل ہے فقط والسلام۔
(ش ۱۲) یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ کسی میت کے واسطے ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا جاوے وہ جنتی ہے پس اگر دو
روز پڑھتے ہیں تو دو دیا اور تیسرے روز پڑھیں تو تیجا علی ہذا القیاس چوتھیا وغیرہ ہیں اور اسکو علما بدعت کہتے ہیں پس
اب میت کو ثواب کسطرح پہنچایا جاوے اور میت کی قبر کے پاس یا مکان پر یا قریب کسی مسجد میں بیٹھکر قرآن مجید یا کلمہ
طیبہ کسی روز مقررہ پر پڑھیں یا نہیں اور قبر پر قرآن پڑھوانا یا قاریوں کو کچھ دینا اور تیجہ دسویں وغیرہ میں جانا کیسا ہے ؟
(ج) جب وقت میت پر جمع ہوتے ہیں اُسکی تجہیز و تکفین کے واسطے وہاں جو لوگ کاروبار میں مشغول ہیں وہ اپنے
کاروبار میں رہیں اور باقی گھر چلے جاویں جسقدر ہو جاوے اور باقی مقدار کو اپنے اپنے گھر پڑھ دیویں کوئی حاجت
اجتماع کی بھی نہیں حدیث میں ایک جلسہ میں پڑھنا یا جمع ہو کر پڑھنا تو نہیں ذکر ہوا پڑھنا فرمایا ہے جسطرح ہو پڑھ دیوے

تیجہ پر قرآن پڑھوانا درست ہے اگر توجہ الی اللہ تعالی ہو۔ اُجرت کا خیال دونوں کو نہ ہو اور جو حسب عادت وعرف دیا جاتا ہے وہ بھی بحکم اجرت ہے ایسے پڑھنے کا ثواب نہیں ہوتا نہ قاری کو نہ میت کو اور رسم تیجہ و دسویں وغیرہ میں جانا بھی منع ہے فقط واللہ اعلم۔

(س ۳) ایک گائے مابین مسلمان اور ہندو کے مشترک ہے اور دونوں ایسی جگہ رہتے ہیں کہ ریاست وحکومت اہل اسلام کی ہے اور گائے مسلمان کے پاس ہے وہ قریب المرگ ہوا اُسکے مُردار ہونے کا خوف ہوا اور شریک ہندو کی طرف سے قطعاً اجازت ذبح کی نہیں بلکہ سخت مخالفت ہے تو آیا ایسی صورت میں شریک مسلمان کو جائز ہے کہ اُس گائے کو ذبح کرے یا واجب ہے یا ممنوع ہے اگر وہ شریک مسلمان ذبح کرلے تو آیا تاوان نصفی حصہ شریک ہندو کا بذمہ اس مسلمان کے واجب ہوگا یا نہیں اور اگر برعایت مذہب شریک ہندو کے ذبح نہ کرے اور مُردار مرنے دے تو آیا یہ مسلمان شریک گنہگار رہے یا نہیں اور اگر وہ گائے شریک ہندو کے پاس ہے تو کیا ایسی حالت میں بروئے شرع اُس ہندو پر لازم ہے کہ اُسکی حالت کی مسلمان کو اطلاع کرکے اُسکو ذبح کرادے یا نہیں اگر لازم ہے اور اطلاع نہ کرے تو کیا شرعاً اُسپر کوئی تعزیر یا سزا واجب ہوگی یا نہیں اور اگر اُس ہندو نے اطلاع نہ کی اور گائے مرگئی تو شرعاً تاوان نصفی حصہ شریک مسلمان کا بذمہ شریک ہندو واجب ہوگا یا نہیں مفصل جواب ہر ایک شق کا بدلائل شرعیہ بیان فرمایا جاوے بینوا توجروا۔ خلیل احمد

(ج) مرتے جانور کا ذبح کرنا مستحب ہے واجب نہیں کیونکہ ذبح نہ کرنے سے اضاعت نہیں ہے۔ اضاعت کسی فعل ضائع کرنے والے کے ایقاع کا نام ہے یہاں کوئی فعل مقتضی واقع نہیں ہوا بلکہ اصلاح سے امتناع ہے اور فرق ہے دونوں ضرر دینے یا کمانے میں اور روا نہ کرنے میں کہ اول حرام ہے اور دوسرا مباح۔ ابوداؤد کے باب المضطر الی المیتة میں ہے ان رجلا نزل الحرة ومعه اهله وولده فقال رجل ان ناقة لي ضلت فان وجدتها فامسكها فوجدها فلم يجد صاحبها فمرضت فقالت امرأته انحرها فابى فنفقت فقالت اسلخها حتى نقدد شحمها ولحمها ونأكله فقال حتى اسأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتاه فسأله فقال هل عندك غنى يغنيك قال لا قال فكلوها قال فجاء صاحبها فاخبره الخبر فقال هلا كنت نحرتها قال استحييت منك انتهی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتے جانور کا ذبح کرنا واجب نہیں مگر ہاں برعایت مذہب ہنود ذبح نہ کرنا البتہ گناہ ہے لقولہ تعالی ولا تتبع اهواءهم عما جاءك من الحق الآیة (مائدہ) ولا تتبع اهواء الذين لا يؤمنون بالآخرة الآیة (انعام) پھر جو مسلمان نے ذبح کردیا تو ضمان حصہ کا فریق پر نہیں آسکتا کیونکہ ضمان اتلاف وافساد میں ہوتا ہے نہ اصلاح میں اور ذبح سے اصلاح ہوئی نہ افساد پس ضمان

اس طرح ہو سکتا ہے کہ نصف قیمت چمڑہ گوشت کی ہندو کو دینا ضرور ہے اور جو گائے ہندو کے پاس ہے اور اُس نے شریک کو خبر نہ کی اور مر گئی تو اُسپر ضمان نہیں آتا کیونکہ اُن کے مذہب میں یہ خبر کرنا سخت منع ہے اور ذبح کرنا ہماری شریعت میں مرنے کو واجب نہیں انا اُمر تا مر کم وہ یہ میون اور حدیث بالا سے بھی واضح ہوا اور رد محتار کے باب اللقطہ میں لکھا ہے لو انفتح زق فر بہ رجل فنقولم یا خذہ بری انتہی لو منع المالک عن اموالہ حتی ہلک یاثم ولا یضمن انتہی ان روایات سے عدم ضمان واضح ہے البتہ اگر یہ امر اُن کے عہد میں لکھا ہوا ہو تو مواخذہ ہوویگا " فی رد المحتار فصل الجزیہ " وقد ذکر الامام ابو یوسف فی کتاب الخراج فی صلح ابی عبیدۃ مع اہل الشام انہ صالحہم واشترط علیہم حین دخلہا وان لا یشتموا مسلما ولا یضربوہ الی ان قال فان نحن خالفنا شیئا مما شرطنا لکم فلا ذمۃ لنا وقد حل لکم منا مایحل لکم من اہل المعاندۃ والشقاق انتہی مختصراً پس اس صورت میں اُنپر جو کچھ ضمان سزا مناسب ہے دینا چاہیئے واللہ اعلم

(س ۶) مقدس ورڈ لیا علما کے مجمع میں ایک مرتبہ یہ فقہی معما پیش ہوا وہ کون صورت ہے کہ کوئی عورت کسی طفل بچہ کو دودہ پلائے اور دوسری عورت یعنی اُسکی سوکن اپنے خاوند پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے اسکو سائل نے نظم کر کے بھیجا تھا جو ذیل میں درج کیجاتی ہے حضرت اُسوقت مولوی رشید احمد اور خود مولانا خلیل احمد صاحب بھی نکاح کی تقریب میں تشریف

دخترے مرد و زن نکاح	ہر یکے در سن چو بود شیر	زاں دو یکے مرچہ خیر را	از رہ نادانی خورد داد شیر
گشت برو آں زن دیگر حرام	تا بقیامت نہ شود حل پذیر	ہر کہ ازیں مسئلہ گوید جواب	مفتی آفاق بود بے نظیر

سارا مجمع حیران تھا اور فکر دوڑا رہا تھا مگر حل نہ ہوتا تھا آخر حضرت کے سامنے جو پیش ہوا تو بے تکلف ارشاد فرمایا۔

(ج) کہ ایک عورت نے اپنے صغیر سن خاوند کو دودہ پلایا پھر کسی دوسرے سے نکاح کر لیا اب اُسکی سوکن اس بچہ کو دودہ پلائے تو دوسری عورت یعنی بچہ کی پہلی دودہ پلائی اپنے خاوند پر حرام ہو جائیگی - چونکہ اسقدر گہرے معمے کا اتنا جلد بے تکلف جواب واقعی تھا اسلئے تمام علما متحیر رہ گئے حاضرین میں سے جناب مولوی محمد اسحق صاحب نہٹوری نے سوال کی بحر میں جواب کو نظم فرمایا اسکو بھی ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

مرضعہ شد با پسر خورد جفت	پس برضاعت شدہ محرم صغیر	باز زنے ہندو وداں مرضعہ	عقد نمود نہ بمرد سے کبیر
ہند بداں طفل کہ مذکور شد	از رہ غفلت بیشے داد شیر	زاں سبب مرضعہ اولیٰ شدہ	محرم آں شوہر خود بے نکیر

مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ عورت مرد کے ابن رضاعی کی بیوی ہے کیونکہ سابق میں اُس طفل کے نکاح میں تھی بدیں وجہ ہندہ کی سوکن خاوند پر حرام ہو گئی وضاحت کے لئے یوں سمجھئے کہ رابعہ جوان عورت ہے اسکا کسی کمسال بچہ سے نکاح ہوا جسکا نام زید ہے رابعہ نے اپنے شوہر یعنی زید کو دودہ پلایا تو وہی ماں بنگئی اسلئے حرام ہو گئی

اب رابعہ اور ایک اجنبی عورت یعنی ہندہ نے عمر سے نکاح کیا چند روز کے بعد ہندہ نے اسی بچہ یعنی زید کو جو ابھی تک
شیر خواری کی عمر میں ہے دودھ پلا دیا تو رابعہ عمر پر حرام ہو جائیگی کیونکہ رابعہ اس صورت میں زید کی منکوحہ بی بی رہ چکی
ہے اور ہندہ کے اسکو دودھ پلانے سے یہ بچہ یعنی زید اس ہندہ کے خاوند یعنی عمر کا رضاعی بیٹا بن گیا ہے پس وہ پہلی
عورت یعنی رابعہ اپنے خاوند یعنی عمر کی بہو ہو گئی اسلئے کہ اسکے رضاعی بیٹے یعنی زید کی بی بی ہے پس حرام ہو جائیگی
یہی اس میں اشکال تھا کہ تعجب ہے دودھ پلائے ہندہ اور خاوند پر حرام ہو جائے اسکی سوکن یعنی رابعہ سو ظاہر
ہو گیا کہ مذکورہ صورت میں ایسا ہو جائیگا للہ درہ للہ درہ جسکا جواب سمجھنے میں ہم بھی گھنٹوں دماغ چکرائے
اسکا ابتداً اگر اختلال اور وہ بھی اس قدر جلد کس فقہی مرتبہ پر ہے عجب استغراق ہیں اور سابق فہم و ذکا پر زوال ہے۔

(سوال) زوج نے اپنی زوجہ کا بقدر چار سو روپیہ کے مال جہیز اور جو کچھ اسکو میراث پدری سے ملا تھا برضاء زوجہ خرچ کر لیا
اور کوئی تذکرہ قرض یا ہبہ کا درمیان میں نہ ہوا بعد اسکے زوج نے اس زوجہ کو خود چند بار زیور بنوا دیا اور خرچ کر لیا
آخر میں زیور بقدر دو سو روپیہ کے زوجہ کو بنوا دیا اور فوت ہو گیا اور کوئی تصریح معاوضہ یا ہبہ کی نہ کی اسکے بعد زوجہ
بھی فوت ہو گئی اور وہ زیور قبضہ ورثہ زوج میں بعد وفات زوجہ پہنچ گیا زوجہ نے قریب وفات خود مہر معاف کر دیا
اب ورثہ زوجین میں اس زیور کے متعلق نزاع ہے ورثہ زوج اسکو ملک زوج قرار دیتے ہیں پس شرعاً اس
زیور کے مستحق ورثہ زوج ہیں یا ورثہ زوجہ؟

جواب از علماء دیگر جب وہ زیور زوج نے زوجہ کو بنوا کر دیا اور اظہار عاریت نکیا اور پیشتر زوجہ کا زیور خرچ کر چکا تھا اور
تا حیات خود زوجہ اسپر قابض و متصرف مالکانہ رہی تو وہ مملوک زوجہ سمجھا جائیگا کہ شہادت ظاہر دلیل ملک زوجہ ہے
قال فی الشامی وما یصلح للنساء فھو للمرأة لشھادة الظاھر وفی العالمگیریہ امرأة زفت لہا متاعاً الی الزوج وقالت
بع ہذا واصرفہ فی لوازم البیت الی علیہ قیمتہا انتہی اور قاعدہ فقہاء ہے کہ موت احد الزوجین میں قول حی معتبر ہوتا ہے والسلام

جواب ثانی جواب مذکورہ غلط ہے بلکہ وہ زیور متنازعہ فیہ ملک ورثہ زوج ہے ورثہ زوج ذوالید ہیں اور مدعا علیہ
اور ورثہ زوجہ مدعی اور مدعیان بینہ یعنی گواہ سے تملیک ثابت نہیں کر سکتے کہ زوج نے زوجہ کو بمعاوضہ مال زوجہ
یا بمعاوضہ مہر یا بطور ہبہ مستقلاً مالک کیا اور ورثہ زوجہ اصل ملکیت زوج کے مقر ہیں پس اسوقت صرف دلیل ظاہر
موجب استحقاق نہیں ہو سکتی واللہ اعلم۔

(ج) از حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ۔ دونوں جواب مذکورہ بالا غلط ہیں اول میں غلطی اس طرح ہے کہ زوج کا
زوجہ کو زیور بنا کر دینا محتمل دو امر کا ہے یا عاریت یا ہبہ پس مجیب کو یہ کہنا کہ تصرف مالکانہ زوجہ کا رہا صورت سوال سے

کہیں ظاہر نہیں عاریت کا تعرف بھی ساری عمر زیور پہ رہتا ہے اور قولہ لا یصلح للنساء فہو للمنساء کو اس مسئلہ سے
علاقہ نہیں کیونکہ یہ روایت وہاں ہے جہاں معلوم ہو کہ مال اصل کس کا تھا بخلاف یہاں کے کہ زوج کا دینا
اور ملک زوج کی محقق ہے علی ہذا بعد موت حی کا قول معتبر ہونا اسی مسئلہ میں ہے کہ اس مال کا مالک معلوم نہ ہو
اور فریقین اپنی اپنی ملک ہونا دعویٰ کریں البتہ روایت عالمگیریہ سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ جو مال زوجہ نے
زوج کو بلا تصریح ہبہ کے دیا ہے وہ قرض ہوگا بنا علیہ اگر بقدر چارسو روپیہ ملک زوجہ قرار دیا جاوے تو درست ہے
نہ کل زیور میں اور دوسرا جواب یوں غلط ہے کہ ذوالید کا قول جب معتبر ہے کہ اس مال کی ملکیت محقق نہ ہو اور
یہاں ایسا نہیں بلکہ یہاں کلام اس بات میں ہے کہ انتقال ملک بذریعہ ہبہ ہوا یا نہ ہوا دعویٰ انتقال ملک
ہے نہ نفس ملک میں۔ بندہ کے نزدیک جواب حق اس مسئلہ کا یہ ہے کہ عرف اُس قوم کا دیکھنا چاہیے
اگر اس قوم میں عرف اس بات کا ہے کہ جو زوج زوجہ کو دیتا ہے بطور تملیک دیتا ہے تب تو وہ در حکم ہبہ ہے
اور اگر بطور عاریت دیتا ہے تو وہ عاریت ہے اور اگر کوئی عرف شائع نہیں ہے بلکہ دونوں طرح عمل درآمد ہوتا
تو بقدر چارسو روپیہ کے ملک زوجہ کی ہے کیونکہ اُس نے اسقدر زیور زوج کو دیا تھا وہ محمول قرض پر کیا جاوے
اور باقی ملک زوج کی ہوگا اسواسطے کہ جو قول یا فعل محتمل دونوں معنوں کا ہوتا ہے اسکو ادنیٰ پر حمل کیا کرتے
ہیں پس قرض و ہبہ میں قرض ادنیٰ ہوتا ہے اور ہبہ و عاریت میں عاریت ادنیٰ ہوتا ہے بر حمل حملا علی
وایتیقن یراد بہ الھبۃ تارۃ والعاریۃ اخریٰ واذا نوی احدھما صحت نیتہ وان لم یکن لہ نیۃ حمل علی الادنیٰ فلا یلزم
الاعلیٰ بالشک انتہیٰ کذا فی درالمختار فی باب العاریۃ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۸) اکثر ایسا ہوتا ہے کہ گائے بھینس یا اور کوئی حلال جانور ریل گاڑی کی پٹری پر آجاتا اور کٹکر دو ٹکڑے
ہو جاتا ہے کچھ دیر تک تڑپتا رہتا ہے اور مر جاتا ہے اسکے ذبح کی بھی شرعاً کوئی صورت ہے یا نہیں؟

(ج) اگر اونٹ گائے ریل میں دو ٹکڑے ہو جاوے اس طرح کہ سر کی جانب اکثر اعضا ہوں یا نصف بدن
ہو تو اودھر کے نصف کو ذبح کر کے کھالیویں دوسرے ٹکڑے کو مردار کینگے اور جو فقط سر اگر دن کٹی ہے اور دو انگشت
الی قدر بھی گردن باقی ہے تو ذبح ہو سکتا ہے جانور مترد یہ کے ذبح کو درست کہتے ہیں اضطراری ذبح سے روایتاً
میں جزئیات ملجاتینگی صراحۃً یا اشارۃً اور جو گردن بالکل نہ رہی تو محل ذبح نہیں رہا ذبح سے حلال نہیں ہو سکتا۔

(س ۹) ایک شخص کی در باب جواز طواف قبور تحریر مفصلہ ذیل نظر سے گزری تحقیق دلیل کا مشتاق ہو کر ارسال
خدمت والا کرتا ہوں (تحریر جو از زبان فارسی تھی عدم تفہیم عوام کی غرض سے اُردو میں درج کرتا ہوں) آدمی

[illegible]

بوجہ غلبۂ شوق و آداب مزارات اولیاء اللہ کا طواف کرتے ہیں اور بعض علماء اُسکو حرام کہتے ہیں پس تحقیق اس کی ضروری ہوئی بات یہ ہے کہ جواز طواف مزارات اولیاء کرام حسب قاعدہ اصول شریعت ہے کیونکہ اصل جملہ اشیاء میں ہمارے نزدیک اباحت ہے پس جب تک کوئی دلیل اُسکی حرمت کی نہ پائی جاوے اُسکو حرام نہیں کہہ سکتے۔ مزارات کے طواف کا جواز محتاج دلیل نہیں ہے البتہ اُسکی حرمت دلیل کی محتاج ہے خواہ آیت قرآنی ہو یا حدیث یا قول مجتہد۔ اور بعض علماء معاصرین جو آیت ولیطوفوا بالبیت العتیق کو دلیل میں بیان کرتے اور کہتے ہیں کہ طواف اس آیت سے بیت اللہ کے ساتھ مختص ہے اُنکی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اس آیت میں کوئی کلمہ حصر کا نہیں ہے جس سے آیت کا مطلب یہ سمجھا جاوے کہ "بیت اللہ ہی کا طواف کرو" پس تخصیص و حصر کا دعویٰ بلا دلیل اور غلط ہے زیادہ سے زیادہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ طواف بیت اللہ ارکان حج سے ہے اور مستحب عبادات سے ہے اور یہ ایک عبادت خاص ہے بیت اللہ کے ساتھ مگر مزارات اولیاء کرام کا طواف عبادت نہیں ہے بلکہ از قبیل آداب و تعظیم ہے اور تعظیم اولیاء اللہ کا حکم ہے پس طواف مزارات جائز ہے تعظیماً نہ عبادۃً ہاں اگر کوئی فعل تعظیم بحکم شارع ممنوع ہو جیسا کہ سجدۂ تعظیمی تو بیشک وہ حرام ہوگا اور تاوقتیکہ اُسکی حرمت شارع سے ثابت نہ ہو اُسوقت تک دعویٰ حرمت مسلم نہیں بلکہ اصل کی بنا پر جواز و اباحت کا قائل ہونا پڑیگا اسلئے التماس ہے کہ اگر کوئی آیت یا حدیث یا قول مجتہد محرم طواف مزارات اولیاء اللہ ہو تو بیان کیا جاوے۔

(ج) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حامداً و مصلیاً۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے واذ بوانا لابراہیم مکان البیت ان لا تشرک بی شیئا وطہر بیتی للطائفین والقائمین والرکع السجود۔ الخ اسمیں حق تعالیٰ نے ترک شرک کو مطلقاً ارشاد فرمایا کہ کوئی فرد شرک کی نہ ہونی چاہیے اور تطہیر بیت کی طائفین کے واسطے کہ تطہیر اوثان یعنی اصنام سے یہاں مراد ہے حکم کیا چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ طواف مثل سجود کے عبادت ہے اور اسکے ایقاع کے واسطے تطہیر عن الاغیار ضرور ہے پس ظاہر ہوا کہ طواف بھی مثل سجود کے ایسی شے ہے کہ بدون غیر کے درست نہیں سو عبادت ہونا طواف کا ثابت ہوا عبارۃ النص سے اور غیر کو کرنا اُسکا شرک محقق ہوا اشارۃ النص سے اور پھر بعد اس آیت کے دوسری آیت میں فرمایا کہ ولیطوفوا بالبیت العتیق کہ امر و ایجاب طواف کا حکم ہے اور ایجاب بوجہ تعظیم میں نہیں ہوتا مگر بوجہ عبادت کے پس عبادت ہوا طواف بعبارۃ النص اور اسکو صغریٰ بنا سکتے ہیں کہ بحکم "الطواف عبادۃ" ہے اور دوسری آیت میں حکم ہے امر ان لا تعبدوا الا ایاہ الخ اسمیں حصر کر دیا عبادۃ کو حق تعالیٰ کے واسطے کہ بحکم "العبادۃ لا یکون الا للہ" ہے جسکا نتیجہ شکل اول سے حاصل ہوا کہ "الطواف لا یکون الا للہ"

طواف نہیں ہوتا مگر اللہ کے لیے — عبادت نہیں ہوتی مگر اللہ کی

حصر عبادت طواف کا حق تعالیٰ کے واسطے بعبارۃ النص و باشارۃ النص ثابت ہوا بمعنہ حدیث فخر عالم علیہ السلام
کہ ”لا تقوم الساعۃ حتی تضطرب الیات نساء دوس حول ذی الخلصۃ“ کہ جس سے طواف غیر اللہ تعالیٰ کو کفر اور شرک
ثابت ہوتا ہے اور اجماع امت کا بھی یہ ہے کہ عبادت خاصہ حق تعالیٰ کی غیر کو جائز نہیں اور علی قاری شرح مناسک
میں لکھتے ہیں ”(ولا یطوف) اے لا یدور حول البقعۃ الشریفۃ لان الطواف من مختصات الکعبۃ المنیفۃ فیحرم
حول قبور الانبیاء والاولیاء“ انتہی پس باصول اربعہ سے شرک ہونا طواف غیر کا ثابت ہوتا ہے اب رہا قول سائل
کہ طواف تعظیم ہے اور تعظیم اولیاء اللہ کی جائز ہے اور حصر موجود نہیں اور اصل شے کی حل ہے ہر جائے قدم ممنوع
ہیں کیونکہ تعظیم اولیاء کی وہ جائز ہے کہ مخصوص حق تعالیٰ کے ساتھ نہ ہو اور حد عبادت کو نہ پہونچی ہو اور جو تعظیم کہ
عبادت ہو وہ ہرگز غیر کو جائز نہیں لقولہ تعالیٰ ”امر ان لا تعبدوا الا ایاہ“ پس تعظیم عبادت غیر کو اگرچہ انبیاء علیہم السلام
ہوں حرام و شرک ہوئی البتہ وہ تعظیم کہ عبادت کے درجہ میں نہیں ہو اولیاء کو درست ہے مگر اسکا درجہ دریافت
کرنا بھی نصوص سے ہوگا بہرحال جو تعظیم کہ بابت اللہ تعالیٰ بذات حق تعالیٰ کے واسطے فرض ہوئی وہ خوبی
حق تعالیٰ سے ہوئی اور غیر کے واسطے حرام ٹھیری پس طواف جو عبادت مقررہ عند اللہ تعالیٰ ہے اولیاء کو حرام ہوگئی
اور حصر ہونا عبادت کا نص سے ثابت ہو لیا اور یہ کہ عبادت اولیاء کی درست قطعاً باطل کیونکہ عبادت غایۃ التذلل
والتعظیم ہے ہرگز کسی کو درست نہیں اور اصل حل ہونا اسوقت ہے کہ کوئی نص اس باب میں وارد نہ ہوئی ہو چونکہ
نص تحریم عبادت لغیر اللہ یہاں موجود ہے پس یہاں اصل حرمت ہوگئی اب کسی تعظیم کو درجہ عبادت سے خارج
کرنا اور غیر اللہ کے واسطے جائز کرنا خود محتاج دلیل کا ہووے گا سو عہدہ علی القائل ہے سائل نے یہاں نظر تحریم عبادت
کی نص پر نہیں کی ورنہ ایسی بات نہ کہتے حالانکہ یہ نص نہایت ظاہر ہے ”ایاک نعبد“ کہ ہر روز بہت دفعہ تکرار اسکا
ہوتا ہے۔ الحاصل یہاں اس مسئلہ میں نص تحریم موجود ہے پس اصل تعظیم غایۃ تعظیم کی حرمت ہے مگر جسکو رب یا نص
ہی مماثل نص تحریم سے مستثنیٰ فرما دیوے وہ جائز ہوجاویگا والا لا فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۱) ایک شخص جو خود عصر دو مثل سے قبل باجماعت ادا کرتا اور اسپر مصر ہے یوں کہتا ہے کہ صحیح قول یہی ہے
اور دو مثل کے بعد عصر کی نماز پڑھنے کا قول صحیح نہیں نہ کسی روایت معتبرہ سے ثابت اس شخص کا یہ قول اور
عمل باقی نمازیان مسجد کو ناگوار گزرتا ہے پس شافی جواب مرحمت ہو کہ کسکو برسر حق سمجھا جاوے۔

(ج) بعد ایک مثل کے وقت عصر کا ہو جانا مذہب صاحبین اور ائمہ ثلثہ علیہم الرحمۃ کا ہے اور اسپر امامت
جبرئیل علیہ السلام جو کہ مروی واقعہ ہوا دلیل ہے اور بعد دو مثل کے وقت عصر کا ہونا مذہب مشہور امام ابو حنیفہ

علیہ الرحمۃ کا ہے اور اسکی دلیل چند احادیث میں از انجملہ یہ حدیث ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جسکو بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سفر میں تھے جب ان ڈھلا تو حضرت بلال نے اذان کہنا چاہا چونکہ موسم گرمی شدید کا تھا آپ نے فرمایا ابرد یعنی سرد کر وقت کو چند بار ایسا ہی ہوا اور راوی فرماتے ہیں کہ حتی ساوی الظل التلول یہاں تک کہ برابر ہوگیا سایہ ٹیلوں کے ساتھ پس اس حدیث سے مثل روز روشن کے واضح ہوگیا کہ گرمی شدید کے موسم میں کہ مدینہ و نواح مدینہ کہ ساڑھے تیئس ۲۳½ درجہ میں واقع ہے اور چوبیس درجہ تک آفتاب میل کرتا ہے لہذا وہاں شدت گرما میں سایہ اصل کم ہو جاتا ہے تو جو ٹیلوں کا سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا تو اس وقت بالضرور ایک مثل گزر کر دوسرا مثل شروع ہو جاتا ہے اور اسوقت میں اذان ظہر ہو کر نماز پڑھی گئی یہ اہل دانش پر بدیہی امر ہے پس دو مثل میں جب سنت ظہر باقی رہا تو بالضرور بعد دو مثل کے وقت عصر ہوگا۔ اس حدیث سے مثلین کے بعد وقت عصر ہونا بحجت واضحہ ہے اب یہ حدیث معارض امامت جبرئیل علیہ السلام کے ہوئی تو واقعہ مدینہ کا موخر ہے اور امامت کا واقعہ مقدم ہے اور باتفاق ائمہ آخر قول و فعل شارع علیہ السلام کا ناسخ و محقق ہوتا ہے اور پہلا منسوخ ہوتا ہے تو احتمال نسخ یہاں بھی موجود ہے پس بایں وجہ مذہب مشہور امام صاحب کا راجح معلوم ہوتا ہے لہذا یہ مذہب بھی قوی ہوا اسی واسطے بہت سے اکابر محققین علما و فقہا نے دو مثل کو ماخوذ و راجح فرمایا ہے چنانچہ در مختار و رد محتار و بحر الرائق کے مطالعہ سے ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر واضح ہو جاتا ہے پس جب دو مثل کی روایت و مذہب دونوں صحیح اور قوی ہیں تو اس سے اعراض ایسے مواقع میں کہ مخالفت پیدا ہو مسلمانوں میں تفرقہ ہو اور مخالفت نص قطعی "ولا تفرقوا" کے حرام و گناہ کبیرہ اور موجب رضائے ابلیس ملعون ہے شارع علیہ السلام نے مستحبات کو رفع نزاع کے محل میں ترک فرمایا اور ترک کا حکم دیا پس غایت الامر ایک مثل سایہ میں نماز مستحب ہو اور دو مثل کے بعد بھی وقت مستحب رہتا ہے اگرچہ اول افضل ہو پس ایک امر افضل کے واسطے تفرقہ مسلمانوں کی جماعت میں ڈالنا اور ایک مسجد میں دو آدمی سے جماعت کر کے علیحدہ نماز پڑھنا سوائے ناواقفی حکم شرعی کے کوئی امر مفہوم نہیں ہوتا لہذا اس شخص کو تفریق جماعت سے روکنا چاہئے اور جو باز نہ آوے تو بہ تشدد منع کرنا چاہئے اگر قوۃ ہو کیونکہ رفع مفسدہ واجب ہے کما ہو مبسوط فی الحدیث والفقہ فقط

(مثل ۱۱) جلد و لحم انسان کی نجاست کی علت ہدایہ مصطفائی صفحہ ۴۳ پر کرامت قرار دی ہے حالانکہ یہ علت نجاست کی علت نہیں ہو سکتی البتہ اگر ہے تو حرمت کی علت ہے اگرچہ اعلیٰ درجہ کی حرمت نجاست کو مستلزم ہے لیکن اسکی حرمت کو حرمت لعینہ کا قائل ہونا بحیثیت استدلال بعید ہے کیونکہ مثل خنزیر منصوص نہیں ہے دار مدار ظنیات پر ہے پس اسکی نجاست کے قائل ہونیکی کوئی وجہ نہیں بہت اشیاء ایسی ہیں کہ حرام ہیں اور

نجس نہیں باایں ہمہ اگر تامل کیا جاوے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کراہت کے ساتھ نجاست کا قائل ہونا اجتماع متضادین ہے اس مقام کے علاوہ شرعاً کوئی جزئی مکروہ ونجس پائی نہیں گئی علاوہ ازیں آگے بڑھکر صاحب ہدایہ طہارت سؤر انسان کے قائل ہوئے ہیں اور اسکی علت بیان کی ہے "لانہ متولد من لحم طاہر" پس بظاہر یہ صریح تہافت ہے کیونکہ اول دلیل سے نجاست ثابت کی اور یہاں اسکی طہارت بیان فرمائی پس اگر جلد ولحم نجس ہیں تو سؤر کی طہارت کی کوئی وجہ نہیں اور اسکی علت "لکونہ فی معدنہ" قرار دیجاوے تو سوائے خنزیر سب سباع میں جاری کرنا چاہئے اور وہاں بھی سور کی طہارت کا حکم کیا جائے اور یہ دوسرا تعارض ہوا کہ نجاست اپنے معدن میں بحکم طہارت رہتی ہے تو پھر سباع کا لحم انکی حیات میں لکونہ فی معدنہ حکماً طاہر ہوا تو سور بھی طاہر ہوگا "لکونہ متولداً من لحم طاہر" حالانکہ وہ نجس ہے پس قضیہ منعکس ہوگیا اور اگر انسان کی طہارت ونجاست کا دار ومدار باعتبار حی ومیت کے کہا جاوے تو یہ حکم بھی تمام سباع میں مشترک ہوا جاتا ہے غرض بیچ در بیچ شبہات ہیں مختصر خلاصہ عرض کردیا ہے۔

(ج) شبہات ہدایہ آپ نے کیا لکھے اجتہادیات کی لم کا استفسار ہے بھلا یہ کسطرح کسی سے نبھے گی اگر عبارت ہدایہ پر خدشہ ہو تو اسکا جواب سہل مگر محشیوں کے کلام اور قدماء کی روایات کی علل پوچھتے ہو خیر خاطر عزیز کے لئے کچھ تو لکھتا ہوں ہدایہ صفحہ ۴۱ میں کہیں تصریح نہیں کی کہ کراہت علت نجاست ہے آپ نے خود ہی تراش لیا اور اعتراض کئے وجہ شبہ یہ ہوا کہ ماتن نے کہا "کل اہاب دبغ فقد طہر وجازت الصلوٰۃ والوضوء فیہ الا جلد الخنزیر والآدمی الخ" تو متن سے دریافت ہوا کہ جلد آدمی دباغت سے پاک نہیں ہوتی اور پھر شارح نے آدمی کی جلد کی وجہ کراہت بیان کی تو آپ سمجھے کہ چونکہ جلد آدم بوجہ کراہت نجس بھی پاک نہوئی اور شبہ قائم کردیا اور فی الحقیقت یہ عبارت متن حدیث کی عبارت ہے مگر استثناء حدیث میں نہیں سو حدیث کی شرح میں طول ہوتا ہے گو لطف اور علم بھی ظاہر ہوتا ہے سو اس سے تو عرض کرتا ہوں اور اصل شارح کا مطلب بیان کرتا ہوں کہ جلد آدمی جب انسان سے سلخ کیجاویگی تو یا وہ مردہ ہوگا یا زندہ اگر مردہ کی کھال ہے تو بوجہ موت نجس حکمی ہوگئی تھی اور جو زندہ سے جدا ہوئی وہ بوجہ حدیث "ما ابین من الحی فہو میت" نجس ہوئی بوجہ میتہ ہونے کے اور جو اتارتے اتارتے آدمی مرگیا اور پھر جلد الگ ہوئی تو وہ بھی نجس بوجہ موت ہوئی کیونکہ انسان مردہ میتہ اور نجس ہوتا ہے مثل دیگر حیوانات میتہ کے مگر یہ شرافت انسان کی ہے کہ غسل سے پاک ہوتا ہے بخلاف دیگر حیوانات کے "سو یہ نجاست بوجہ موت جو حاصل ہوئی تھی اسکو ہدایہ کہتا ہے "لیطہر الا جلد

الا آدمی فانہ لا یطہر" اور اسکی وجہ کراہت بیان کردی کہ اگر یہ بھی حکم طہارت کا پیدا کرلی تو لوگ اسکو استعمال کرتے
مہان بناتے شارع نے اسکی طہارت کو منع کردیا سوا سمیں کوئی خدشہ نہیں کراہت منجس نہیں منجس ہوتے
اور کراہت مانع طہارت ہے کہ طہارت موجب اہانت ہے جو کراہت کے خلاف ہے غرض شارع کراہت کو
مانع طہارت ٹھیراتا ہے تاکہ بوجہ اسکے اہانت کو رفع کرے نہ موجب نجاست جیسا آپکو شبہ ہوا۔ اگر اسمیں
اطمانیت نہو تو سنو کہ استثنا فقط "طہر" سے نہیں بلکہ "طہر و جاز" سے ہے کہ مجموعہ سے جواز استعمال مستفاد
ہوتا تھا تو گویا یہ معنی ہوئے "اذا دبغ حل استعمالہ" اس سے استثنا کیا اور وجہ حرمت استعمال کی خنزیر
میں نجاسۃ العین اور آدمی میں کراہت بیان کردی سو یہ توجیہ ان سب رافع خدشہ ہے اور بعموم روایت
کے موافق ہوگی کہ جلد آدمی کو اگر دباغت دیویں تو بعض طہارت کے قائل ہوئے ہیں مگر استعمال کے محرم
ہیں اور بعض طہارت کو بھی تسلیم نہیں کرتے اور تحقیق یہ ہے کہ خنزیر اور آدمی کی کھال بدن سے جدا ہو ہی نہیں
سکتی اور جو جھلی اتاری وہ دباغت پذیر نہیں ہوتی بعض مسائل فقہاء کے محض بوجہ فرض ہوا کرتے ہیں اور
حدیث سے قید صلوح دباغت واضح ہے معنی یہ ہیں "کل اہاب یصلح للدباغۃ اذا دبغ فقد طہر" واللہ تعالیٰ اعلم

(ورق ۲۱) کمینہ غلامان خلیل احمد اپنے ملجا و ماوی میزاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علی العالمین غیاث المریدین غوث
المسترشدین نائب رسول رب العالمین قطب زمانہ مجتہد عصرہ داداء حضرت مولائی و مرشدی مولانا مولوی
رشید احمد صاحب ادام اللہ ظلال برکاتہم علی العالمین کے خدام کی خدمت عالی میں ملتمس عرضداشت ہے
کراہت نامہ بجواب عرضداشت توقع سے بہت پیشتر اور امید سے نہایت بڑھکر بغتۃً غیر مترقبہ ہوکر شرف ورود لایا
اس کمترین غلامان کے سر نیاز کو تاج افتخار پہنایا بوجہ عدیم الفرصتی حضور کے خیال تھا کہ جوابات بدیر اور مختصر
ہوں گے لیکن الحمد للہ کہ حسب خواہش جوابات تحریر ہوئے کس کس عبارت اور کن کن الفاظ سے
شکریہ ادا کروں ؎

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ اگر خار و اگر گل ہمہ پروردۂ تست

کہ اس ناکارہ غلامان کے واسطے باوجود عدیم الفرصتی و ضعف طبع کے تکلیف گوارا فرمائی صلوٰۃ کے بعد
بیساختہ دعا نکلی کہ حق تعالیٰ شانہ ذات مصدر فیوض و برکات کے علم و عمل و عمر میں برکت عطا فرماوے اور یا ایں
فیض رسانی قائم رکھے بتوجہ حضور اکثر جوابات علیہ فہم میں آگئے اور شبہات رفع ہوگئے لیکن بعض جوابات میں تا ہنوز
خدشہ باقی ہے حسب اجازت خدام عرض کرتا ہوں اور نہایت نادم ہوں کہ غلام کی کم فہمی سے خدام حضرت کو

وقت گرامی ضائع ہو متعلق علیہ کرامت شبہ رفع ہو گیا لیکن یہ شبہ باقی ہے کہ لحم حیوانات سباع حالت حیوۃ میں
طاہر ہے کیونکہ صاحب ہدایہ نے ثبوت نجاست کو "لا ینفصل المار" لکھا ہے اور دلیل لکھی ہے لان المائعات فی معدنہا لا
یعطی لہ حکم النجاسۃ کیفیتہ حال سمجھا دیا گیا تو اس سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ لحوم سباع بھی جبکہ وہ اپنے معدن میں ہوں
طاہر ہونگے کیفیت لحم کیونکہ طہارت و نجاست اجسام میں بحکم نقیضین ہیں تو اس صورت میں بات کا سور بھی طاہر
ہونا چاہئے "لانہ متولد من لحم طاہر" بخلاف خنزیر و سگ کے کہ خنزیر بجمیع اجزائہ نجس ہے ظاہر و باطن سے
نجس العین ہے اور ایسا ہی میتہ بھی ہو اُن کے لئے معدن ہی نہیں پایا ہے تو نجس ہے اور علاوہ اُن کے سباع
وغیرہ کے حالت حیات میں ظاہر جلد نجس نہیں ہے بلکہ طاہر ہے جو اُن کے لحم کی معدن ہے تو لحم طاہر ہوا پھر ان کے
سور کی نجاست اس اصل کے خلاف ہے یہ شبہ پہلی عرضداشت میں بضمن سوال اول عرض کیا تھا۔

(ج) مولوی خلیل احمد صاحب السلام علیکم لقایا تحدشتہ نئے تجربے پیدا ہوئے ۔ شئے نجس ہر جگہ نجس ہی ہوتی
ہے مگر جب تک اپنے مقام و معدن میں ہے اُس پر احکام نجاست جاری نہیں ہوتے اور بعد نقل کے جاری
ہوتے ہیں مثلاً آدمی کے معدہ میں نجاست ہے عروق میں دم نجس ہے اسکو حامل نجاست نہیں کہتے جب اپنی
جگہ چھوڑ کر عضو پر آگئی حکم نجاست جاری ہوا حامل نجاست کہیں گے علی ہذا لحم سباع جب تک جلد ہی میں ہے گو نجس
ہے مگر حکم نجاست کا نہیں دیا جاتا جو کوئی اُسکو مثلاً گردن پر رکھکر نماز پڑھے حامل نجاست ہو گا نماز درست
ہو جاویگی جب وہ مر گیا تو بوجہ میتہ ہونے کے نجس ہوا اور جو زندہ کا گوشت جدا کیا وہ نجس ہوا اب اسکو سور پر قیاس
کرنا عجب ہے کیونکہ لحم نجس تھا لعاب نجس تھا تا مقام معدن حکم نجاست نہ تھا جب پانی میں لعاب مخلوط ہوا اپنے
معدن سے الگ ہوا نجس ہو گیا پانی بھی نجس ہو گیا اول تو آپکو خیال ہوا کہ معدن میں پاک ہوتا ہے یہ بے محل
ہے بلکہ نجس ہے پر حکم نجاست نہیں دیا جاتا دوسرے یہ نہ سوچا کہ لعاب معدن سے جدا ہو کر پانی میں ملا ہے پھر
کیونکر نجس نہ ہو ویگی اور پانی مخلوط کسطرح طاہر ہو ویگا۔

(ش ۱۱) ہدایہ مصطفائی صفحہ ۴۳ سے "اذا تیمم المار علی الماء" کی نسبت لکھا ہے کہ اُسکا تیمم بسبب مرور علی الماء منتقض
ہو جاتا ہے "ناسی الماء فی الرحل" پر لکھا کہ اعادہ صلوۃ نہیں حالانکہ عذر نائم فوق الناسی ہے نوم مستلزم
نسیان کو ہے من غیر عکس تو نائم کا عدم قدرت بہت زیادہ ہے پس باعتبار دلیل کے نائم کا انتقاض غیر معقول
ہے اور باہم ہر دو امر متعارض اگرچہ روایات صحیحہ عدم انتقاض ہے لیکن تعجب ہے کہ صاحب ہدایہ نے اسکو ترک
فرما کر متعارضین روایات جمع کر دی ہیں پس اول توجیہ علت انتقاض تیمم ہونی چاہئے کہ کس بنا پر اس روایت کا

دار مدار ہے پہلی تقریر رفع تعارض کی فرمائی جاوے۔

(ج) فرق نسیان اور نوم کے مسئلہ میں یہ ہے کہ نسیان باختیار العبد نہیں سو ایسی حالت میں کہ اصل عدم الماء ہے اگر سفر نسیان مانع قدرت ہوا اور کوئی امر مذکر بھی نہیں جیسا حالت صلوٰۃ میں معتبر نہیں ہوتا بخلاف عدم کے کہ وہاں معتبر ہو کر ناقض تھا سو بوجہ ثبوت اصل کے کہ عدم ماء ہے اور بذل سعی طلب ماء کے کہ ظن عدم الوصول ہے تیمم درست ہوا اور نائم میں ابعد تیمم کے نوم مثل اختیاری کے ہے اور بحالت نوم میں امر ضرور بقا کا جو بذل سعی ہے اور ظن عدم الحصول دونوں مفقود لہذا اسکو حکم قادر کا دیا کہ اپنی غفلت سے گویا اور قدرت کو ضائع کیا اب رہا یہ کہ یہ روایت قوی ہے یا ضعیف اس سے کیا بحث ہے صاحب ہدایہ کو یہ روایت معلوم و معتبر سمجھا یا انکے نزدیک یہ روایت قوی ہو یا ایں وجہ باوجود دیگر سو کوئی التعجب کی بات نہیں پچھلے لوگوں کو دوسری روایت کی قوت معلوم ہوئی فقط

(ش ۴۱) یہ جواب فہم میں نہیں آیا کیونکہ اس جواب کی بنا اس فرق پر ہے کہ نسیان باختیار العبد نہیں تو مانع قدرت ہے اور نوم باختیار العبد ہے کہ اپنے اختیار سے سویا اور قدرت کو ضائع کیا تو مانع قدرت کی نہیں تامل سے ظاہر ہوتا ہے کہ نوم و نسیان ہر دو اختیاری نہیں بلکہ نوم عدم اختیار میں نسیان سے بڑھکر ہے کیونکہ اگر کوئی شخص جزم کے ساتھ کسی امر کا تذکر رکھے تو ممکن ہے کہ نسیان طاری ہو بخلاف نوم کے کہ سخت ضروریہ میں سے ہے بسا اوقات تیقظ قدرت و امکان سے خارج ہو جاتا ہے اگرچہ صرف دواعی ہر دونوں کے اختیاری ہیں لیکن ایسی حالت میں نوم کے دواعی بھی اختیاری ہونے سے نکل جاتے ہیں اور حق جل و علی شانہ نے نوم بے اختیاری بمنزلہ موت ارشاد فرمایا ہے اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر نائم کو مثل ناسی کے قرار دیا "من نام عن صلوٰۃ او نسیہا فلیصلہا اذا ذکرہا" صاحب ہدایہ نے بھی امام شافعی کی دلیل میں نوم کا عذر نسیان سے زیادہ تسلیم کیا ہے "والعذر بلغ لعدم القصد" لیکن مقتضائے نہیں امتیت باعتبار شعور و عدم شعور کے ہوگی غرض زوال قدرت میں نوم نسیان سے ابلغ معلوم ہوئی ہے باقی رہا بذل سعی طلب ماء اور اصلیت عدم الماء اور ظن عدم الحصول تو بذل سعی اگر ناسی میں مفقود ہے تو نائم میں بھی مفقود ہے ترک سعی میں ہر دو مساوی بلکہ بوجہ عدم شعور نائم کچھ زیادہ اور اصلیت عدم الماء باعتبار مغائرہ جو متعلق مسئلہ نائم کا ہے پائی جاتی ہے اور اصلیت عدم الماء باعتبار رحل مسافر جو متعلق مسئلہ ناسی ہے فہم میں نہیں آئی کیونکہ رحل فی الحقیقۃ مسافر کے واسطے معدن الماء ہے تو اصل میں وجود ماء ہے نہ عدم ماء تو ناسی کے حق میں

ظن عدم الحصول ناسی پر متفرع تھا تو ناسی کے لئے صرف امر مفقود اور نائم کے لئے اول مفقود اور ثانی و ثالث موجود ہے تو اس اعتبار سے بھی عذر نائم فوق الناسی ہوا اور بعد تسلیم فرق مذکور جبکہ حقیقت قدرت زائل ہو کر بشریت اور عادت کے ہو گیا تو اسکو حکما قادر کہنا ایک عجیب بات ہے مثلاً اگر کوئی شخص اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ کر معذور ہو جاوے یا کوئی شئے کھا کر ایسا مریض ہو جاوے کہ استعمال پانی کا اسکو مضر ہونے لگے اگرچہ اس حالت میں باختیار خود قدرت زائل کی ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شخص حکما قادر ہے اور اسکا تیمم منتقض ہو گیا یا اسکو تیمم جائز نہیں تو ایسا ہی نوم اگرچہ اسکا کسب باختیار ہوتا ہم جبکہ وہ حقیقۃً معذور ہو چکا تو اب اسکو قادر کہنا گویا اجتماع متنافیین کا قائل ہونا ہے اور عنداللہ البدا و محشی کے ہر سے جواب یہ بات کہ نوم کا عذر من العباد ہونا یا امر باطنی لا یوقف علیہ ہونا یا صورت نوم کا وقوع نادر ہونا بخلاف نسیان کے خلاف ہدایہ کے ہیں اور دل خلش کو دفع نہیں کرتے بہر حال فہم میں نہیں آیا کسی قدر واضح تر ارشاد ہو کہ فہم نارسا کی رسائی ہو۔

(ج) اس نائم کے مسئلہ میں بندہ نے دعویٰ ترجیح اس روایت کا نہیں کیا تھا مگر چونکہ آپ نے لکھا تھا کہ توجیہ علت استحصاص کرو کس بنا پر ہدایہ نے لکھا ہے تو بندہ نے اسکی توجیہ کی تھی اور آخر میں یہ بھی لکھدیا تھا کہ قوت و ضعف روایت سے بحث نہیں مگر تم متفق ہو کر اسکے خلاف کے دلائل پیش کرنے لگے سو درست ہے جب یہ روایت ضعیف اور مقابلہ اسکے قوی تو یہ وجوہ قوت دوسری روایت کے ہونگے گویا تمام ہوں کلام یہ تھی کہ نسیان میں بعض وجوہ قوت عذر معلوم ہوتی ہے گو بنظر دقیق مساوات نوم ہو جیسا فتح وغیرہ لکھتے ہیں تو غرض فرق ظاہری بیان کرنا تھا نہ نظر دقیق کی طرح اسطرح کہ ناسی الیقظان ہے اور مخاطب بطلب آب ہے اس نے طلب میں جسقدر ہو سکا سعی کی اور نسیان اسکا مرفوع الحکم ہوا اور یہ بندہ شبہ کہ اسکو طلب ماء میں ڈیرہ کا بھی دیکھنا واجب تھا کہ وہاں پانی ہوتا ہے عادۃً لازماً تو اُس نے کوتاہی فی الطلب کی چاہیے کہ تیمم درست نہو اسکو دفع کیا تھا کہ اہل ہی پانی کا عادۃً لازماً ہونا حضر میں بلاد میں ہے نہ صحرا کو جو تعریف میں کہ وہاں اصل عدم ہے اور یہ امر ظاہر ہے انکار اسکا نہ محتاج کلام ہے پس کوتاہی اس سے طلب میں نہیں ہوئی اور نائم اگرچہ مخاطب ہے مگر اس سے سعی نہیں ہوئی کیونکہ وہ عاجز ہے سستی کی غرض میں مبتلا سو معذور ہوا اور نوم کو مثل اختیاری کے کہا تھا نہ اختیاری سو یہ فرق ہے اور اس فرق کے آثار دیکھ فروع میں ظاہر بھی ہیں اگرچہ وہاں دوسری وجہ بھی ہو کہ صوم میں نسیان سے کھانا مفسد صوم نہیں اور نوم میں کھانا مفسد ہے سو یہ وجہ فرق کی تھی اگرچہ اسکو مقابل روایت والے ترجیح دیویں تو بس انکو استحسان کریں کا و کرنے دلیل فرق کو اٹھانے کی حاجت نہیں گو آپ کے دلائل مساوات کے بھی ضعیف ہوں

نسیان کی نوم سے مساوات حدیث میں آور وجہ سے ہے کہ ہر دو مخاطب ہیں اور قوت نسیان کی دلیل مذکور میں بوجہ دیگر ہے علی ہذا توفی روح نائم کی من امر اللہ تعالیٰ ہونا اور وجہ ہے کہ سب اشیاء باذن اللہ موجود ہوتی ہیں اور قوت عذر نسیان یا ہیں وجہ کہ وہ سعی کر رہا ہے جو اسکو حکم تھا اُسکا امتثال کیا خلاف نائم کے کہ وہ غافل ہے "والساکت لاینسب الیہ شیئ" علی ہذا البقیۃ عذر نائم ہے مگر پھر بھی یہ ہے کہ جب دوسری روایت قوی تسلیم کی گئی
(اور اسکی طرف کوئی نسبت نہیں ہو سکتی)
ان سب دلائل کو توڑ کر قوی کہے جائینگے بہرحال ترجیح ظاہری بیان کرنا تھا تحقیقی سوا آپکی فہم میں کیوں نہ آیا اور کیوں اسکے رفع میں ہمت لگائی فقط زیادہ بحث بے سود ہے لہٰذا اسی قدر لکھ دیا ہے گو اسکی بھی حاجت نہ تھی واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش ۵) صفحہ ۵ س ۸ "والوظیفۃ فی ہذہ الاعضاء تعبدیۃ الخ" اگر "والوظیفۃ فی ہذہ الاعضاء" سے مطلق وضوء مراد لیجاوے تو عبارت سابق "وہذا القدر فی الاصل معقول الخ" کے مخالف ہے کیونکہ وہاں بجواب استدلال شافعی "ولان غسل الخ" کے گویا غسل وضو کی تعبدیۃ کے قائل ہوئے البتہ اقتصار علی الاعضاء الاربعہ کو غیر معقول کہا ہے اور اس جگہ اس تقدیر پر غسل وضو کی تعبدیۃ کے قائل ہوئے اور اگر اس جگہ بھی اقتصار علی الاعضاء الاربعہ مراد ہے تو اسکو ثبوت مدعا میں کچھ دخل نہیں کیونکہ عدم جواز توضی بماء اعتصر من الشجر کو اقتصار کی تعبدیۃ سے کیا علاقہ البتہ اگر یہ ثابت ہو اور عبارت اسطرح کہی جاوے "والوظیفۃ فی التوضی بالماء المطلق تعبدیۃ فقد تتعدی الی غیر المنصوص علیہ" تو ثبوت مدعا ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ محشی نے جو نیچے لکھا ہے "وہو الماء المطلق" اگر مرجع مضاف ہے تو غلط ہے اور اگر مضاف الیہ ہے تو صحیح لیکن خلاف ظاہر اسکے بعد استثناء "وہو الماء الذی یقطر من الکرم" فہم میں نہیں آیا کیونکہ مدار جواز توضی و عدم جواز کا ماء مطلق و مقید پر ٹھیرا چنانچہ تفریعات اسکی دال کرتی ہیں صنع عبد کو کچھ دخل نہیں اور دلیل سابق مقتضی عدم جواز توضی بھی اسمیں جاری ہے کیونکہ علت عدم جواز توضی مقیدیۃ یا تعبدیۃ ہر دو میں مشترک ہے تو حکم عدم بھی مشترک ہونا چاہیئے باوجود اسکے پھر جواز توضی کا قائل ہونا اصل معدول عن القیاس میں قیاس جاری کرنا ہے جو سراسر قواعد اصول کے خلاف ہے اور اگر یہ کہا جاوے کہ ماء الکرم بسبب عدم دخل صنع عبد کے محض ماء مطلق ہوگیا تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ مدار اطلاق و تقیید کا اسپر ہے کہ اگر ماء مطلق بولکر ذہن کی سبقت اسکی طرف ہو تو مطلق ہے ورنہ مقید ہوگا بہر کیف یہ ماء مقید ہے اور غیر منصوص علیہ تو عدم صنع للعبد کی وجہ سے مطلق نہیں ہو سکتا ہے غرضکہ جواز توضی بماء یقطر من الکرم مخالف اصول ہے یہ عبارت مع ماسبق فہم میں نہیں آئی توجیہ ارشاد ہو؟

(ج) صاحب ہدایہ اول کہہ آیا تھا کہ ماخرج من السبیلین ناقض جو ہوا تو اسمیں یہ امر معقول تھا کہ خارج نجس ہے بعلت اسکی عقل میں آگئی تھی سو جیسا سبیلین سے خارج نجس نے نقض کیا ایسا ہی دوسرے محل سے اگر خارج نجس ہوویگا تو ناقض ہوویگا مگر خروج نجاست سے سارا جسد نجس ہونا چاہیے جیسا نقطہ سے سو اگرچہ شارع کے ارشاد خارج سبیلین سے یہ تو فہم میں آگیا کہ نجاست کے خروج سے جسد نجس ہوا مگر یہ اعضاء اربعہ کا دھونا ہی رافع نجاست ہوا اسکی وجہ عقل میں نہیں آئی فقط اب والوظیفہ میں اگر دوسری بات کہی وہ یہ کہ شارع نے رافع نجاست ماء مطلق کو قرار دیا فی قولہ فان لم تجدوا ماء الخ میں کیونکہ مطہر ماء ہوا اور ماء نہو تو تراب ہو دیگر مائعات کا ذکر نہ کیا تو معلوم ہوا کہ وظیفہ یعنی جو شے کہ مقرر کی گئی طہارت اعضاء وضو کا فقط پانی ہے دیگر مائع نہیں تو یہاں شبہ تھا کہ نجاست حقیقیہ کے ازالہ میں بھی شارع نے ماء کو ہی مقرر کیا تھا تنے مائعات سے بھی جائز رکھا تھا حالانکہ شافعی نے انکار کیا یہاں بھی تم قیاساً مائعات سے وضو جائز کہدو تو جواب دیا کہ وظیفہ ازالہ نجاست حکمیہ کا ماء ہے اور یہ امر خلاف قیاس ہے کیونکہ ازالہ نجاست حقیقیہ میں تو عقل کہتی تھی کہ جس شے سے قلع نجاست ہو جاوے وہ مثل ماء کے ہے مائع اور قالع مگر حکمی کا تو حال معلوم ہی نہیں اسلئے کہ خروج نجاست تو مثلاً دبر سے ہوا اور سارا بدن نجس ہوا عقل میں نہیں آتا کہ کیا وجہ مگر سبیلین کے خروج سے حکم نقض کا جو دیا تھا تو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ جب اصل نجاست عقل میں نہیں آئی کہ کس وجہ سے ہے اسکے ازالہ میں فقط پانی کو فرمایا تو اب عقل کیا حکم دیدے کہ دیگر مائع بھی بمقام پانی کے ہو جاوے۔ قلع نجاست مرئیہ میں فہم کی رسائی تھی حکمیہ تو فقط حکم سے معلوم ہوئی اسکی حقیقت معلوم نہیں اسکے قلع کی کیفیت سے خبر نہیں لہذا ماء پر حصر طہارت ہوا اگر دوسری شے کو فرماتے تو وہ بھی معلوم ہو جاتی اب فقط ایمان ہے کہ نجاست حکمی ہوتی ہے اور اسکا رفع ماء سے ہوتا ہے اور عقل کا دخل نہیں لہذا ماء مطلق پر قصر ہوا مگر ماء مطلق واقع میں وہ ہے کہ جسکو عرف اہل لسان میں ماء بولتے ہوں کیونکہ قرآن بزبان و لغت عرب نازل ہوا ہے تو اب عشرات تو خارج ہو گئے مگر ماء الذی یقطر من العنب میں کلام ہے سو اصل جواب یہ ہے کہ اسکو اہل لسان ماء مطلق جانتے ہیں یہ بات لغت کی ہے قیاس کا دخل نہیں مگر اسکی دلیل محض فرق معتصر و قاطر کے لئے بیان کر دی ورنہ اثبات لغت بالقیاس ہو جاوے یہ نہیں بلکہ وجہ اصطلاحی لغوی کی بتانا مقصود ہے بس آپکا خدشہ رفع ہوا کیونکہ اثبات لغت بقیاس درست نہیں نقض بقید اشتراک وغیرہ سب زائد ہو گئے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ اللہ اس تبحر کا کیا ٹھکانا ہے جو حضرت مولانا قدس سرہ کی مختصر و جامع تحریر کے لفظاً لفظاً و حرف

صورت سے فوارہ کی طرح اُبل رہا ہے اگر ناظرین کو معلوم ہو کہ زبردست شبہات کے قلم برداشتہ جوابات کس حالت اور
کس زمانہ میں مولانا قدس سرہ نے تحریر فرمائے ہیں تو تعجب پر تعجب ہو ۔ ان ایام میں حضرت مولانا پر پے در پے چند اموات
کے صدمے پڑ چکے تھے آپ کا صدمہ سوز دہ دل مولوی علاء الدین مرحوم کی جانکاہ موت کے بعد ہی بھائی سے زیادہ پیارے
اُستاد زادے جناب مولانا مولوی محمد یعقوب صاحبؒ کی اہلیہ مع فرزند فرید الدینؒ کی رحلت کا سانحہ برداشت کر چکا
تھا کہ یکے بعد دیگرے چند اموات اور ہوئیں چنانچہ جس والا نامہ میں یہ جوابات تحریر فرمائے گئے ہیں اُسی کا آخری جملہ
یہ ہے "صدمہ فوت مولوی علاء الدین صاحب مرحوم کا سنا ہو گا اب والدہ بہاء الحق زوجہ مولانا محمد یعقوب صاحب
مع اپنے فرزند فرید الدین کے رحلت فرمائی حق تعالیٰ رحم فرماوے اور بخشے مولانا پر کیا کچھ صدمات ہوئے کہ اُنکی نسل
کے چھ سات آدمی اور زوجہ فوت ہوئے ایک سخت صدمہ وہاں یہ ہوا کہ حافظ محمد سعید جو وکیل تھے اور مولوی محمد حسن
صاحب کے برادر زوجہ تھے ہیضہ میں فوت ہو گئے ہائے ہائے دنیا کیا ناپائدار جا ہے اور ہم کو کس قدر غفلت ہے۔"
علامہ عصر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مد ظلہ کے ہاتھ جیسی بارق فقہی کتاب پر شبہات دیکھئے اور صدمات
شکستگی کی حالت میں حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کی قلم برداشتہ وہ جوابی تحریر جسکے سمجھنے میں اب بھی ذہین
آدمی کو غایت غوض و تدبر کی حاجت ہے۔ وہ ایک والا نامہ جس میں سے تین شبہات کے جوابات ہدیہ ناظرین
کئے ہیں اسی درجہ کے قوی نو دس شبہات کے جوابات سے بھرا ہوا ہے لیکن چونکہ سوانح میں صرف نمونہ کا
دکھانا مقصود ہے اسلئے اسی پر اکتفا کیا گیا اور اجتہادی قابلیت کے اظہار کی غرض سے جہاں علل احکام کا
علم بیان ہوا ہے اسکو درج سوانح کر دیا گیا ہے۔ میری موجودہ تعداد (۱۵) ختم ہو گئی اسلئے باقی فیضانات علمیہ کو علیحدہ
رکھتا ہوں گو جی بالکل نہیں چاہتا کہ اس بے بہا جواہرات انمول یواقیت کے بھرپور خزانے کو جسکا ایک ایک دانہ
ہفت اقلیم کے معاوضہ میں ارزاں ہے ترک کیا جائے مگر مجبوری کا کیا علاج اگر سوانح کے اجزا زیادہ بڑھ گئے تو حضرت
کے متوسلین جن میں زیادہ جماعت غربا و مفلسین کی ہے اسکو خرید نہ سکینگے دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ دوسرے وقت
اسکو ہدیہ ناظرین کرنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائے۔ تاہم شبہات قرآن و حدیث کے متعلق وحید العصر شیخ
مولانا الحافظ الحاج المولوی خلیل احمد صاحب مد ظلہ کی چند تحریرات جنکے جوابات حضرت قدس سرہ نے تحریراً عطا
فرمائے ہیں بیان کئے بغیر قلم آگے نہیں چلتا انہیں بھی طبع پر جبر کر کے دس پر اکتفا کرتا ہوں ان دس جوابات
شبہات سے وہ نکات علمیہ ناظرین کو معلوم ہوں گے جنکا وجود اب کہیں مشکل سے ملیگا۔ گو ان مضامین علمیہ کا زیادہ
نفع علم دوست جماعت طلبا و علما کے لئے مخصوص ہے مگر حسب تفاوت استعدادات ناظرین اوراق بھی کتاب

ذکاوت ورسائی فہم سے لذت وکیفیت ضرور حاصل فرماوینگے یہی وہ نکات ہیں جنپر علم کے طلبگار شخص کو جان اور مال کا نچھاور کرنا شہادت میں داخل اور ذریعہ افتخار دین ودنیا ہے۔ میری استدعا ہے کہ یہ مباحث دقیقہ کبھی کبھی مرتبہ خلوت میں خالی الذہن ہوکر دماغی تفکر اور غایت تدبر کے ساتھ دیکھتے جائیں اور طہارت تامہ وحسبہ کے ساتھ توجہ الی اللہ کی معیت میں اس چمنستان محمدی کی گلچینی کیجائے" واللہ الہادی ہو حسبی ونعم الوکیل"۔

(س ١) قولہ تعالیٰ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ الآیۃ اور وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ الآیۃ بہر دو آیات باعتبار معنی متحد معلوم ہوتی ہیں پھر تکرار سے کیا نفع نیز وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ الآیۃ میں ہبوط وسقوط حجر کو ثمرہ خوف الٰہی بیان کیا گیا ہے پس تفجر وتشقق اور ہبوط کی اس ترتیب لمذکور فی القرآن کی حکمت سمجھ میں نہیں آئی نیز وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ الخ اور أَفَتَطْمَعُونَ الخ کو اس آیت سے کیا ربط ہے؟

(ج) تفجر انہار اعلیٰ درجہ کا متاثر ہونا ہے کہ نہریں پھوٹ کر جاری ہوئیں اور تشقق ہوکر پانی نکلنا ادنیٰ درجہ ہے اور فقط ہبوط اس سے بھی کم درجہ تو اعلیٰ سے اسفل کو کلام کا سوق ہوا ہے کہ پتھروں کا یہ حال ہے کہ بعض سے نہریں جاری ہوگئیں اور بعض سے شق ہوکر پانی نکلا اور بعض ہابط ہی ہوگئے مگر بنی اسرائیل کو بوصف ان معجزات باہرہ اور رویت قدرت قاہرہ اور احسانات بینہ ظاہرہ کے اعلیٰ تو کیا ادنیٰ تاثر بھی نہوا تو ادنیٰ وادق حال حجر سے بھی انکا حال خوار وخراب ہے تفجر انہار اعلیٰ درجہ کا متاثر ہوکر بہ تن خشیہ سے پانی ہوا اور اسکا نفع خلق کثیر کو ہوا ہر قسم کا اور تشقق خود منتفع کسی درجہ کا ہوا اسکے مارے بھی واحدًا بعد واحد کو کچھ نفع ہوا یا نہوا مگر خود منتفع بخشیہ ہوا اور تہبیط کو خود تو اتضع وخشیہ حاصل ہوا اگرچہ سب کو اس سے کوئی فائدہ نہوا مگر متاثر ہوکر ممتثل امر ہوا خلاف بنی اسرائیل کے کہ وہ اپنی جبلت عصیان پر برابر ہیں اور چھوٹے میل ان کے اور نہ باقی لغو ہے وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ الخ پس ایسے قدیم بدنفسوں بدترین از حجارہ سے" الولد سر لابیہ" کیا توقع ہدایت کرتے ہو أَفَتَطْمَعُونَ الخ والسلام۔

(س) مسلمان نے جو مال بہ نیت رشوت جدا کیا یا تقرب لغیر اللہ کے لئے قبور پر چڑھاوا چڑھایا تو اسکی حرمت کا تحقق کس وقت ہوتا ہے اور اسکا استعمال کیا مالک یعنی رشوت دینے والے یا چڑھاوا چڑھانے والے کے لئے بھی ناجائز ہے اگر ایسا ہے تو مال رشوت دینے والے پر مال کے رد کا حکم کیونکر صحیح ہوگا نیز سائبہ یعنی جو جانور غیر اللہ کے نام پر چھوڑا جائے اسکی حرمت کس وقت متحقق ہوگی اور مالک کو اپنی نیت حرام سے واپس کر لینے کا یہاں

اختیار ہے یا نہیں امید کہ قولہ تعالیٰ وما اہل لغیر اللہ بہ کے مفہوم کو واضح فرما دیں؟

(ج) جو مال مسلم نے رشوت کے واسطے یا تقرب لغیر اللہ کے واسطے جدا کیا تو یہ مال حرام نہیں ہوا اگر اس مالک کو خود کھاوے یا ہدیہ دیوے بدون اس نیت کے یا اللہ دیوے تو حلال ہے اور نیت لغو ہو گئی اگرچہ قبل ان تصرفات کے گناہ اور شرک ہو چکا تھا اور جو اسی نیت پر دوسرے کو دیا گیا تو عقد تام ہوا اور بسبب عقد باطل کے مال حرام ہو گیا سب کے حق میں سوائے مالک کے اگر اسکے پاس رد ہو جاوے نہ بہ ملک دیگر تصرف کرنے میں پس یہی حال چڑھاوے قبور اور نذر لغیر اللہ کا ہے خواہ حیوان ہو یا غیر حیوان اور جو حیوان تھا اور خود مالک نے اسی نیت پر ذبح کیا بسم اللہ پڑھکر تو وہ بسبب میتہ ہونے کے حرام ہوا اگرچہ ملک سے نہیں نکلا گوشت مردار کھال بدباغت پاک ہے اگر استعمال کرے حلال ہے گناہ نہیں اور جو اسکو چھوڑ دیا اس نیت کر جو لیوے مالک ہو جاوے تو الفور اسکے حرمت محقق ہو گئی جیسا اوپر گزرا کہ عقد تام ہو گیا پھر اس آخذ نے اگر اس نیت مسیّب پر ذبح کیا تو مردار ہو گیا گوشت مردار نجس کھال پاک اور حرام الاستعمال سب کے حق میں اور جو اس نیت پر ذبح نہیں کیا بلکہ خالص بسم اللہ کے ساتھ ذبح کیا اور تعظیم غیر بالکل نہ تھی تو وہ حیوان میتہ نہیں مگر حرام ہے گوشت اور پوست اسکا کھانا استعمال کرنا حرام مگر نجس نہیں مثل طعام حرام کے ہے بسبب عقد حرام کے اور جو اس نیت سے نہیں چھوڑا بلکہ فقط ارواح خبیثہ کی ملک پر چھوڑا ہے تو آخذ غاصب بحق مالک ہے کیونکہ ملک مسیّب سے نہیں نکلا تھا۔ اب اگر ذبح کیا تو غصب کا قاعدہ اس پر جاری ہو ویگا حرمت اہلال کا دخل اسمیں نہ ہو ویگا۔ الحاصل ایک حرمت بسبب تعظیم غیر پر ذبح ہونے کی ہے وہ تو ہر حال ہے خواہ مالک کرے خواہ غیر کرے اور دوسری حرمت نذر غیر اللہ ہونیکی ہے وہ بدون قبض دوسرے کے حاصل نہیں ہوتی انشاء اللہ تعالیٰ قاعدہ فقہ سے یہ صحیح ہے اور دوسروں کی تحریر کی تحقیق نہیں کہ وہ کیا لکھتے ہیں اور مراجعہ کتب کی اسوقت فرصت نہیں اور حشرہ سے طبع معاف بھی نہیں یہاں مرض بہت کم ہے بعضہ شاذ و نادر کسی کو ہوتا ہے انہ کثرت سے محمد ہاشم کا فوت عبرت انگیز ہے۔

(س) صاحب خزانۃ الروایات نے اپنی کتاب میں یہ جزئیہ لکھا ہے "زید نے عمر کو نوکر رکھکر ایک جگہ سے دوسری جگہ کو سفر کیا راستہ میں عمر (نوکر) کا وطن اصلی آگیا تو عمر بحکم تبعیت مسافر ہی رہیگا بحکم وطن اصلی مقیم نہوگا لہٰذا قصر نماز پڑھے آنحضرت کی اسکے متعلق کیا رائے ہے۔

(ج) اس جزئیہ میں بندہ کے نزدیک وطن اصلی کا اعتبار ہو کر سفر نہ رہیگا تمام صلوٰۃ پڑھے نہ قصر صاحب خزانہ کو جواب میں خطا ہوئی مسافر ہے مسافر مستقل بنفسہ سمجھ لینا صحیح نہیں مسافر وہ ہے کہ سفر اسمیں موجود

اور وطن اصلی ضد سفر ہے مشتق میں مبداء اشتقاق کا بالفعل ہونا واجب ہے اگر حقیقی معنی صحیح ہوویں ورنہ مجاز ہو جاویگا وہو خلاف الاصل اور صاحب خزانہ کا استنباط "نوی الاقامة" سے ہے بایں وجہ کہ صاحب نیت ہونا چاہیئے واضح ہو کہ تابع صاحب نیت ہے کیونکہ مطلب عبارت فقہاء "والمعتبر نیة المتبوع" الخ سے صاف نکلتا ہے کہ نیت تابع کا اعتبار نہیں نہ یہ کہ وہ صاحب نیت ہی نہیں مگر متبوع کی نیت مرجح ہے اسلئے کہ تابع بدون متبوع کچھ نہیں کرسکتا۔ سو محض نیت سے کام نہیں چلتا نیت تابع کی محل تردد ہے کہ اسپر عمل ہوگا یا نہوگا خلاف متبوع کے۔ اور جس جا متبوع کی نیت میں تردد ہوگا وہ بھی معتبر نہیں ہوتی۔ دار الحرب میں قیام کی نیت اگر لشکر اسلام کرے تو معتبر نہیں باسواسطے کہ قیام محل تردد ہے نہ یہ کہ صاحب نیت نہیں۔ در مختار میں قرضخواہ کا اصل قرضدار کو تابع لکھا ہے اور پھر لکھتا ہے کہ اگر قرضخواہ نے اپنے وطن میں مسافر قرضدار کو پکڑ لیا تو مفلس تو مسافر ہی رہیگا اور مالدار اگر قبل پندرہ روز دین دینے کا ارادہ رکھتا ہے تو مسافر رہیگا" دیکھو تابع کو صاحب نیت کہا

الصبی اذا خرج مع ابیہ فبلغ فی اثناء الطریق وقد بقی الی المقصد اقل من ثلثة ایام لا یقصر حالانکہ ابن بالذات تابع اب ہوتا ہے مگر صبی پر خطاب بعد بلوغ آیا تو اب وہ مسافر جب ہو کہ منزل باقی ہوں پہلے نیت معتبر نہیں اور نیز تبعیت اب نے کام دیا علی ہذا اگر مسافر کسی بلد میں اقل مدت قیام کرے اور نوکر مقیم کو رکھے تو وہ نوکر مقیم اپنے بلد میں تبعاً للمسافر مسافر نہیں ہوتا کیونکہ تبعیت سفر بعد وجود سفر ہوتی ہے علی ہذا بعد وجود سفر تبعیت سفر کے لئے بقاء سفر ضروری ہے یہ مسئلہ وطن اصلی کا نہیں جیسے صاحب خزانہ سمجھے بلکہ وطن اقامت کا ہے کہ قطع سفر و بقاء سفر میں حاجت نیت کی ہے جب دو نیت متعارض ہوں تو اقوی کو راجح کیا بخلاف وطن اصلی کے کہ وہ ضد سفر ہے نیت کا وہاں مطلقاً دخل نہیں اضداد جمع نہیں ہو سکتے فقط واللہ اعلم۔

(ش ۲۳) "کل مولود یولد علی الفطرة" الحدیث اور حدیث قصہ خضر علیہ السلام اور قتل غلام میں تعارض معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں ارشاد ہے "وکان طبع یوم طبع کافرا" پس نہ کوئی وجہ انتشار سمجھ میں آتی ہے کہ کیا یہ ہی لڑکا جسکو خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا تھا مخصوص ہے ورنہ تعارض مرفوع ہوتا ہے۔

(ج) شارع علیہ السلام نے رفع تعارض خود فرما دیا ہے کہ ایک جا طُبِعَ فرمایا اور دوسری جا وُلِدَ فرمایا طبع اور ولد میں فرق بیّن ہے طبع وہ ہے کہ جذر جبلت اور استعداد کا من میں ایک قوت رکھی جاوے اور "ولد علیٰ" یہ ہے کہ ایک ہیئت موجودہ کے ساتھ اختلاط ہووے تو پس ہر مولود مولود علی الفطرة ہے اور فطرة کے ترجمہ میں گو اختلافات عبارات ہے مگر حاصل سب کا دین و اسلام ہے سو وہ اقرار توحید و ملت جو عالم ارواح میں ذریت

آدم سے واقع ہوا جس میں سب کافر مشرک فاسق مسلم شریک ہیں وہ فطرۃ ہے اُسپر ہی مولود مفطور ہوتا ہی اور اُس اقرار پر جو بلفظ بلیٰ قرآن شریف میں خبر ہے تا ولادت کوئی انکار یا خلاف طاری نہیں ہوا سو کل مولود مخلوق وقت ولادت اُس فطرۃ مقررہ پر مولود ہیں کوئی خلاف سرزد نہیں ہوا "فقال علیہ السلام کل مولود یولد علی الفطرۃ" حالانکہ بدیہی امر ہے کہ ابلیس اور تمام کفرہ نے بھی اُسوقت میں اقرار توحید و ملت کیا تھا ایسا ہی غلام خضر نے اقرار کیا تھا وہ بھی مولود علی الفطرۃ ملّۃ کو رہ تھا کیا خصوصیت اُس غلام کی ہے معہذا سب کفار اور وہ غلام مطبوع علی الکفر تھے کہ اُنمیں استعداد کامن کفر کے استحسان و قبول خلاف کی رکھی گئی تھی جسکا ظہور گاہ بتقلید آباء ہوتا ہے اور گاہ بتقلید غیر آباء اور گاہ خود اپنی طبع سے فوارہ کی طرح جوش ہوتا ہے کہ جبلت اپنے ظہور سے ممنوع نہیں ہوسکتی اسکی ہی خبر دیگئی کہ "اگر جبل کے زوال کی خبر سنو قبول کرو اور جبلت کے زوال کو ہرگز مت مانو" سو فرمایا "کان الغلام طبع کافراً" اسے کہا "طبع سائر الکفرۃ" جبلت محتاج تقلید کی نہیں ہوتی تقلید اشتعال کم دینے والی ہوتی ہے جسکی جبلت میں کوئی استعداد ہوتی ہے ادنیٰ ذریعہ دیکھکر مشتعل ہوجاتی ہے اور یکہ بدون تقلید بھی ریہی ظہور ہوتا ہے اور جو استعداد جبلی نہیں ہوتی وہ بہت شدت سے اثر کرتی ہے۔ فرمایا کہ "والدین غلام مومن ہیں اگر یہ غلام مجبول علی الکفر زندہ رہتا تو بسبب شدت محبت والدین کے یہاں موثر قوی حب ولد کم حساب اثنی یعنی و یقیھم ہے باوجود جبلت والدین علی الاسلام کے اثر کفر موثر قوی کا تاثیر ہوتا سو حق تعالیٰ نے اُن صالحین کی محافظت کردی اور ولد کو بھی عذاب سے نجات دی کہ مواخذہ کفر مطبوع پر جب ہے کہ اُسکا ظہور بھی ہوجاوے "ولاً لا" سانپ کے بچہ کو باوجودیکہ مطبوع علی اللدغ ہے پرورش کرتے ہیں محبت سے رکھتے ہیں اسکی جبلت پر غصہ نہیں آتا جب وہ بڑا ہوکر کاٹتا ہے اُسوقت طیش میں کچلا جاتا ہے "اگر جبلی کفر پر مواخذہ ہو تو عالم ارواح میں ہی سب کو عذاب شروع ہوتا اور اطفال مشرکین کو بھی عذاب ہوتا "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً" ارشاد نفرماتے۔ کاغذ تمام ہوا اور یوں ظن ہوتا ہے کہ جواب اشکال تمام ہوچکا زیادہ بسط کی ضرورت نہیں اگر آپ کے نزدیک جواب صحیح ہو تو مجکو بھی اطلاع ہو اور جو خدشہ آپکے طلبہ کا یا آپ کا باقی ہو تو مضائقہ نہیں دوبارہ اطلاع ہو فقط والسلام الحاصل تین حالت مخلوق کی ہوئی ایک طبع دوسری فطرۃ کہ اقرار ازلی ہے تا ولادت بلکہ تا عقل و تمیز باقی ہے تیسری ملت کہ اکتساب اختیاری ہے جو عقل سے شروع ہے بلوغ سے معتبر ثواب عذاب تیسری حالت پر ہے دو پہلی سے باز پرس نہیں دوسری حالت پہلی کے ساتھ جمع تھی بعد بلوغ استعداد کامن کا ظہور کسی وقت ہوکر دوسری حالت کو رفع کرتا ہے یا مقرر کر دیتا ہے فقط۔

بعد فراغ تحریر خط ایک بات ذہن میں آئی وہ بھی لکھنا مناسب ہوا کہ منشاء اعتراض تعارض یہ ہے کہ طبع اور فطرۃ کو ایک جان گئے اور نفی الوقوع طبع اور ہے اور فطرۃ اور جیسا تقریر پریشان خط سے واضح ہو گا اور اسقدر تحریر بھی لا حاصل ہو گئی اگر پہلے سے یوں تقریر ہوتی تھوڑی سی تحریر سے کام ہو جاتا کہ طبع اور فطرۃ کے معنی جدے جدے لکھ دیتا مگر خیر مضائقہ نہیں فقط۔

(ش ج) مشکوٰۃ احمدی صفحہ ۔ ان الشیطان قد ایس ان یعبدہ المصلون فی جزیرۃ العرب الخ بالغ وجوہ عدم وقوع شرک پر عرب میں دلالت کرتی ہے کیونکہ یاس شیطان کی بنی آدم کے شرک سے باوجود اسکے کہ وہ اصل جبلت سے آگاہ ہے قریب محال ہے باوجودیکہ دوسری جگہ اسکی مؤید موجود ہے صفحہ ۴۴ قال قلت یا رسول اللہ اشرک امتک من بعدک قال نعم اما انہم لا یعبدون شمسا ولا قمرا ولا حجرا ولا وثنا الخ صفحہ ۵۳۵ والی لست اخشی علیکم ان تشرکوا بعدی صریح عدم وقوع شرک پر دلالت کرتے ہیں پس قولہ صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۴۷۴ لا تقوم الساعۃ حتی تضطرب الیات نساء دوس حول ذی الخلصۃ الحدیث بظاہر روایات سابقہ کے مخالف ہے۔

(ج) شیطان نے جو قوت اسلام و رسوخ مسلمین کا دیکھا تو مایوس ہو گیا کہ مسلمون ہرگز شرک نہ کرینگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالغ وجوہ اسکو ثابت کیا کہ دین اسلام اعلیٰ درجہ کا محقق ہو گیا کہ شیطان جیسے طویل الامل کو یاس ہو گئی مگر کس سے یاس ہوئی مصلین یعنی مسلمین سے نہ کہ کفار سے دیکھو حضرت ابلغ البلغاء کے کلام کو کہ مسلمانوں سے یاس شیطانی فرمائی نہ وجود شرک سے شیطان کی بقا اور توقع کفار میں باقی رکھی اول تو ظاہر ہے کہ یاس کو عدم الوقوع لازم نہیں "سب کو یاس صحت قریب الموت ہو جاتی ہے اور پھر تندرست صحیح ہو جاتا ہے" تو کیا ضرور ہے کہ شیطان کی یاس کو عدم شرک لازم ہو کمال قوت دیکھکر مایوس ہوا مگر انجام وہ قوت رفتہ رفتہ رفتہ وہ نوبت پہنچے کہ فقط کلمہ ہی باپ دادا کے سنے سنائے پڑھیں کوئی نہ جانے کہ کیا چیز ہے کما ورد فی الحدیث تو اس وقت اور شرک ہو تو کیا معارضہ ہوا اور شیطان اگر بقول آپ کے اصل جبلت سے واقف ہے تو اصل فطرت سے بھی واقف ہے کہ اسلام ہے اور بالفرض جو جبلت آدمی کی شرک ہے تو خود فخر عالم علیہ السلام کا بیان قوت ایمان عرب کا بالغ وجوہ ہوا کہ بیان واضح آپ سے غیر جبلی بھی جبلی ہو گیا اب رہا حدیث اتشرک امتک الخ کا خدشہ سو اسکا بیان یہ ہے کہ امت کے دو معنی ہیں ایک امت دعوت مراد موقع ہے جس میں یہود اور سب کفار داخل ہیں تو یہاں یہ تو مراد ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ شرک امت دعوت تو خود حیات میں بھی موجود تھی اسکے سوال کا کیا محل تھا دوسری امت اجابت کہ لفظ مسلمان ہیں صالح اور فاسق انمیں داخل ہیں اور کافر خارج یہاں یہی

مقصود ہے جب سائل نے قوت اسلام اور وضوح دلائل اسکے دیکھے تو پوچھا کہ اب آپ کے ایسا ہی حال رہیگا یا مثل یہودی اور نصرانیوں کے آپکی امت اجابت میں شرک ہوجاویگا تو حضرت نے فرمایا کہ شرک جلی تو نہ ہوگا البتہ خفی آجاویگا اور جو شخص مرتد ہوا اجابت کی شان سے نکل گیا اسکا بھی خدشہ رفع ہوا اور جب ریح طیبہ چلیگی جس سے سب مسلمان مرجاوینگے اسکے بعد بت پرستی عرب میں شروع ہوویگی تو وہ لوگ بھی امت اجابت نہیں ہاں امت دعوت میں کہ سوال سے خارج ہیں ہاں اہل اہوا کا خدشہ رہا سو یا بطور محدثین انکو کافر کہو یا بطور متکلمین فاسق کہو خدشہ رفع ہوگیا اور شرک امت کی کیفیت اوپر بیان کرچکا ہوں حسب حدیث۔ اور حدیث لست اخشی علیکم الخ میں صحابہ خاص مخاطب مراد ہیں سیاق وسباق حدیث کو دیکھو نہ قیامت کے قریب کے مسلمان پس کچھ بھی اشکال نہیں فقط

(ش ۶) قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ”حتی یقاد للشاۃ الجلحاء من الشاۃ القرناء“ جبکہ بہائم مکلف نہیں تو باہم قصاص کی کیا وجہ ہے صدہا جانور ایک دوسرے کی خوراک ہے انسان پر محوم حلال کئے گئے تو کیا سب کا معاوضہ ہوگا؟

(ج) قصاص بہائم میں بوجہ تکلیف نہیں بلکہ بوجہ مساوات ہے مکلف کو عذاب بالنار ہوتا ہے بہائم میں بدلہ دیکر معدوم کئے جاوینگے اور یہ قصاص اس امر میں ہے کہ خلاف حکم کے ہو گوشت کھانے کی جہاں اجازت ہے وہ عین عدل و امتثال امر ہے وہاں کیا ظلم تھا جسکا قصاص ہوا اور جس جانور کو طعمہ دوسرے جانور کا بنایا گیا وہ بھی برمحل ہوا یہ قصاص ایسے امر میں ہوگی جیسا ایک بیل نے دوسرے کو سینگ خواہ مخواہ مار دیا یا دو جانور باہم لڑے اور ایک کے سینگ ہیں دوسرے کے نہیں تو بڑا سینگ کے زیادہ چوٹ لگ گئی۔ بہرحال یہ قصاص بوجہ تکلیف نہیں ہے مکلف کی سزا دوزخ وغیرہا سے ہے جو مصرح النصوص ہے فقط واللہ اعلم

(ش ۷) قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ”فاخرج من کان فی قلبہ ادنی ادنی ادنی مثقال حبۃ خردل من ایمان فاخرجہ من النار“ اسکو مقتضی ہے کہ جس شخص میں ادنی سے ادنی درجہ ایمان کا ہوگا وہ بشفاعت حضرت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نار سے خارج ہوگا تو پھر اسکے بعد جو ارشاد ہوا ”فاقول ائذن لی فیمن قال لا الہ الا اللہ فاخرج منہا من قال لا الہ الا اللہ“ اگر اس سے مراد مومن ہے تو وہ تو پیشتر ادنی درجہ ایمان میں داخل ہو کر تحت شفاعت داخل ہوچکا ہے تو اس جگہ لیس ذلک لک کے کیا معنی ہیں اور اگر کافر یا منافق مراد ہے جو بلا تصدیق قلبی کلمہ گو ہوا ہے اور ظاہر یہی ہے کیونکہ سوائے ادنی درجہ ایمان کوئی درجہ باقی نہیں تو پھر ”فاخرج منہا“ کے کیا معنی ہوئے کفار و منافقین نہ داخل شفاعت نہ مستحق اخراج عن النار۔

(ج) جس نے کلمہ کہا اور دل میں ادنی درجہ تصدیق سوائے کلمہ کا ہو وہ مومن ہے کہ ایمان میں تجزی نہیں

کسی یا دنی کیفیت ہے یا اتنک تو شفاعت سے سمجھے آخر درجہ ایمان کا یہ ہے کہ زبان سے کلمہ کہا اور دل میں اسکی تصدیق کم کوئی درجہ نہیں مگر تکذیب بھی نہیں بلکہ قلب اسکا بالکل سادہ ہے تصدیق و تکذیب سے اور تصدیق تکذیب میں لفظ انحصار صحیح ہے ما لفتہ لکھو نہیں لیں یہ لوگ بھی آخر کار نکالے جائینگے یہ توجیہ شاید تمکو تعجب میں ڈالے مگر اسکا نشان حدیث سے دونگا اگرچہ تمام دشوار ہے جب علماء سے پوچھوگے تب لطف پاؤگے ابن ماجہ کے صفحہ ۳۰۴ ابواب الفتن کے باب ذہاب القرآن والعلم میں حدیث حذیفہ میں مذکور ہے یہ مضمون وہاں سے نکل آویگا فقط

(ش ۸) صفحہ ۲۸۴ "ولا یتکلم یومئذ الا الرسل وکلام الرسل یومئذ اللہم سلّم سلّم" اسکے بعد مذکور ہے صفحہ ۱۸۸ شعار المؤمنین یوم القیامۃ علی الصراط رب سلّم سلّم" پس ہر دو روایات بظاہر متعارض ہیں ؟

(ج) وہ کلام کہ پیغمبروں کے باب میں ہو سوائے رسل کے کوئی نہ کر سکیگا کیونکہ نفسی نفسی کا قصہ ہوگا اور اپنی اپنی آفات میں مدہوش دوسرے سے بالکل بیخبر ہو وینگے خلاف رسل کے کہ امت کے لئے دعا کرتے ہو وینگے اور خود مطمئن ہونگے اور مؤمنین کا کلام اپنی ذات خاص میں ہے کہ عبور کے وقت اپنے حال پر ہراسان سلّم سلّم کہتے جاوینگے الغرض کلام کے ہر دو جا ایک معنی نہیں کا وضع فقط والسلام اگر کہیں کوئی خدشہ ہو تو مطلع کر دویں اگرچہ تم جیسے ذکی کا جواب مجھ جیسے مٹھے سے کیا ہو مگر بوجہ آپ کے حسن ظن کے جرأت کرتا ہوں استفسارات آپ کے سب قوی ہیں ایک جواب دے نہیں سکتا بعد استفسار ظاہر ہو جاویگا والحمد للہ رب العالمین ۔

(ش ۹) الشرک اشکال میں جب امت اجابت مراد ہوئی تو قابل سوال یہ ہوا کہ آیا امت اجابت شرک کر کے مرتد ہوگی ؟ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ارتداد بشرک واقع نہوگا تو اس صورت میں اگر ننانوے کی عبادت ذی الخلصہ بعد قبول اسلام واقع ہوئی تو ارتداد بشرک متحقق پایا گیا اور بظاہر مخالف ولا یعبدون حجرا و وثنا کے ہوا تو یہ ارشاد کہ جو شخص مرتد ہوا وہ اجابت کی شان سے نکل گیا فہم میں نہیں آیا کیونکہ ہنوز بظاہر التعارض باقی ہے ہاں اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ قصہ بعد اختتام دورہ اسلام و ہبوب ریح ہے تو کوئی خدشہ نہیں مگر اسکے لئے قرینہ درکار ہے ۔

(ج) الشرک اشکال لخ میں امت موصوف بقید اجابت ہے تو یہ قضیہ مشروطہ ہے مادام الوصف نفی محمول کی ضروری ہے نہ بعد رفع وصف کے اور ایمان و شرک کا اجتماع بیان شمل "وما یؤمن باللہ الا وہم مشرکون" الآیہ کے ہے جیسا یہود و نصاریٰ باوصف دعوے کتاب و نبوت مشرک تھے تو پس ارتداد سے خروج عن الامۃ ہوا کلیہ صادق رہا مگر آپ نے غور نہ کیا ہاں اگر ثبوت شرک ننانوے کا بعد ریح کے ہو تو خدشہ رفع ہو جاوے تو بندہ

عزیز کا خدشہ اُٹھانے کو اسکا ثبوت ضرور ہوا اگرچہ ضرورت نہ تھی قال مسلم فی صفحہ ۹۹ من الثانی عن عائشۃ
قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یذہب اللیل والنہار حتی تعبد اللات والعزی الی ان قال
ثم یبعث اللہ ریحا طیبۃ فتوفی کل من فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من الایمان فیبقی من لا خیر فیہ فیرجعون الی
دین آبائہم الحدیث فارتفع الاشکال والحمد للہ تعالی۔

(ش ۱) ص ۱۰ س ۱ حدیث حسن یہاں اطلاق حسن خلاف اصطلاح ہے کیونکہ شرط حسن تعدد طرق ہے اور
اس روایت کی نسبت کہا ہے کہ عبدالرحمن منفرد ہوا ہیں اسکا حسن کس اعتبار سے ہے۔

(ج) روایت حسن اصطلاح میں وہ ہے کہ راوی یا اسکا ضبط میں صحیح کے درجہ سے کم ہو لیکن مرفوع ہو تعدد طرق
اسمیں شرط نہیں کیونکہ یہ تعریف حسن لذاتہ کی ہے تعدد طرق کی وہاں ضرورت ہوتی ہے کہ حسن لغیرہ ہو یعنی
کہ ضعیف تھی دوسرے طرق سے جو اسکو قوت ہوئی وہ حسن لغیرہ ہوگئی اور ترمذی کے باب العلل میں جو تعریف
حسن میں تعدد طرق لیا ہے تو حسن لغیرہ میں ہی لیا ہے نہ حسن لذاتہ میں اول صفحہ پر ترمذی کے اس خدشہ کا
ذکر بھی کیا ہے جہاں صحت حسن غریب کے جمع کو ذکر کیا ہے فقط

حضرت امام ربانی قدس سرہ چونکہ علماء ہند کے امام و سرتاج اور مقتدایان اسلام کے مرجع و پیشوا تھے اسلئے
حق تعالی نے آپکو دین میں وہ مجتہدانہ فہم عطا فرمائی تھی جس سے اُن مالاینحل مسائل معضلہ کا حل ہوتا تھا جن کی
ادراک کی عقول متحیر اور فقہاء عصر کی افہام عاجز ہو جاتی تھیں آخر کار بحث و مباحثہ ہوتے ہوتے اور غور و خوض کی
ماندگی ظاہر ہو جانے پر وہ مسائل و شبہات آپکی خدمت میں پیش کئے جاتے تھے اور حضرت مخدوم عالم بےتکلف
اسطرح جواب عطا فرماتے تھے کہ سائل حیران رہ جاتا تھا غرض چونکہ امام ربانی کا وجود باجود حق تعالی کی مخلوق
یعنی امت محمدیہ کے لئے باعث رحمت اور سبب اصلاح تھا اسلئے جن اغلاط عامہ میں لوگ اسدرجہ مبتلا ہوتے تھے
کہ عوام تو عوام خواص کا بھی اُس غلطی کے غلطی سمجھنے تک ذہن نہ پہونچتا تھا حضرت مولانا اُن غلطیوں کی اصلاح
فرماتے اور اسی وجہ سے بار بار خود تذکرہ فرما کر سامعین کو تبلیغ کی تاکید فرمایا کرتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے اُنکی
ترویج کریں اور ناآشنا کانوں تک پہونچا دیں کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرا شخص جس تک یہ مسئلہ پہونچایا گیا اس سننے والے
سے زیادہ سمجھدار ہو گو اس قسم کے مسائل اس وجہ سے کہ ابتداءً لوگوں کے کان میں پڑتے تھے اسلئے کج طبیعت
اصحاب بھڑکتے اور عوام کو بھڑکاتے تھے کیونکہ اسوقت تک غلطی میں پڑے رہنے کا الزام ان مولویوں کو اپنے
سر دھرنا گوارا نہ تھا علمی دولت کے ملنے سے مغرور و متکبر ہو جانے والی طبیعتیں کب گوارا کرسکتی تھیں کہ جس بات

مضمون کو جائز یا جائز امر کو ناجائز سمجھکر اتنا زمانہ مولویت کی عزت کے ساتھ گزارا اور اُسپر عمل کر کے عوام کے پیشوا و ہادی کہلائے اب اُس بزرگی اور علمی رفعت پر بٹہ لگے اور متبعین کو یہ ظاہر ہو کہ ہمارے مولوی صاحب کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا یا معلوم تھا مگر غلط سوجہ رہا ایسے مسائل بجائے اسکے کہ شکرگزاری کے ساتھ سر اور آنکھوں پر رکھے جاتے مخالفتوں کا لباس پہنکر بہت ہی خطرناک بنجاتے تھے متعصبین و متکبرین اور مخالفین متعنتین کو بے باکی اور زبانی ایذارسانی و فحش بیانی کا اسدرجہ موقع ملجاتا تھا کہ ایمان کے لالے پڑ جاتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ امام ربانی مسئلہ بیان فرماتے ہی مردہ سنت کے احیاء کا اجر حاصل فرما لیتے تھے اور اسکے بعد مخلوق کی ایذارسانی اور آپ کے غایت صبر و تحمل سے جو کچھ آپ کے مدارج عالیہ میں ترقی ہوتی تھی اُسکا تو کوئی شخص اندازہ ہی نہیں کر سکتا مگر تاہم آپ کے ضعیف القلب متوسلین اس نوع سے بہت کوفت پاتے اور مناظرہ و مباحثہ تحریری و تقریری تک نوبت آجاتی تھی۔

اس جگہ مناسب سمجھتا ہوں کہ بعض مسائل اس مبحث کے بیان کر دوں تاکہ امام ربانی کے اُس مرتبہ علمی اور درجہ فقہی پر فی الجملہ دلالت ہوجائے جو مرجع العلماء ہونیکی حیثیت سے حق تعالیٰ نے آپکو عطا فرمایا تھا فقہی مسائل میں یا ذکیا وجہ شکوک رفع کرنے اور اختلافی امور کا سیدھا سچا فیصلہ فرمانیکی جو اعلیٰ قابلیت منجانب اللہ آپکو ملی تھی مسائل مفصلہ ذیل سے ظاہر ہوجائیگی جسکی بنا پر ہم غلاموں کی زبان سے قطب العالم مرجع العلماء سلطان العارفین مجدد زمان وحید عصر القاب آپکی شان میں نکل رہے ہیں +

شبہات فقہیہ و مسائل مختلف فیہا

(سُوال) مدرسہ میں جو چندہ وغیرہ کا روپیہ آتا ہے وہ وقف ہے یا مملوک اگر وقف ہے تو بقاء عین واجب ہے اور صرف یا استہلاک ناجائز۔ اگر مملوک ہے اور مہتمم تصرف و کیل تو معطی چندہ اگر مرجاوے تو عزل اور ورثاء کا حق ہے اسکی تفتیش وکیل کو واجب ہے۔ زمانہ شارع علیہ السلام و خلفاءؓ میں جو بیت المال تھا اُس میں بھی یہ شبہ جاری ہے بہت سوچا مگر قواعد شرعیہ سے حل نہوا اور مختلف چندوں کو خلط کرنا استہلاک ہوجانا چاہئے اور مستہلک ملک مستہلک ہو کر جو صرف کیا جائے اُسکا تبرع ہوگا اور مالکوں کا ضامن ہوگا اگر یہ ہے تو اہل مدرسہ پابندی تحقیق سخت دقت ہے امید کہ جواب با صواب سے تشفی فرمادیں۔

(الجواب) مہتمم مدرسہ کا قیم و نائب جماعت طلبہ کا ہوتا ہے جیسا امیر نائب جملہ عالم کا ہوتا ہے پس جو شے کسی نے مہتمم کو

دی مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے اسکے قبض سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہو گیا اگرچہ وہ مجہول الکیفیۃ والذوات ہوں مگر نائب متعین ہے پس بعد موت معطی کے ملک ورثہ معطی کی آ نہیں سکتی اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی ہو سکتا ہے بہرحال نہ یہ وقف مال ہے اور نہ ملک ورثہ معطی کی ہو گی اور نہ خود معطی کی ملک رہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۲) اکثر لوگ عورتوں کو مسلمان کر کے فوراً نکاح کر لیتے ہیں اور شوہر کا فر پر اسلام پیش نہیں کرتے یہ نکاح تو نہ ہوتا ہوگا اور پیش کرنے پر بھی اگر انکار کرے تو تفریق میں قاضی کی ضرورت ہے وہ یہاں ہے نہیں البتہ اگر دار الحرب ہو تو تین حیض گزرنے سے بیونہ ہو جاویگی۔

(ج) عورت کو مسلمان کرنے کے ساتھ ہی نکاح کرنا درست نہیں اگر ذات زوج ہے جیسا آپ نے لکھا ہے اسی طرح درست ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۳) غیر مسلم کی دیانات میں مقبول ہے نہ کافر کی اور معاملات میں دونوں کی مقبول ہے پھر مسلم عادل و فاسق میں فرق کیا ہے کہ فاسق میں تحری در اکبر رائے معتبر ہے نہ عادل میں پھر درمختار میں جزئی لکھی ہے جاریۃ لزید قال بکر وکلنی زید ببیعہا حل لعمر شراؤہا و وطئہا الخ اسمیں تفصیل کی ہے کہ اکبر رائے پر عمل کرے اطلاق روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مخبر خواہ عادل ہو یا فاسق (دونوں میں تحری و اکبر رائے ضروری ہے) حالانکہ عادل میں تحری شرط نہیں ہے؟

(ج) جاریہ کے مسئلہ میں تحری کی ضرورت درصورۃ فسق مخبر ہے چنانچہ ہدایہ میں مقید کر دیا ہے عادل میں ضرورت نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۴) کھانے کے قبل ہاتھ دھونا کسی حدیث یا روایت فقہ سے ثابت ہے یا نہیں؟

(ج) ترمذی میں باب الوضوء قبل الطعام وبعدہ ضبط کیا ہے اور حدیث بیان کی جس میں یہ جملہ ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برکۃ الطعام الوضوء قبلہ والوضوء بعدہ الخ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۵) ایک شخص نماز پڑھتا ہے اور روزہ رکھتا ہے لیکن زکوۃ نہیں دیتا اور مشرکین کے خورد و نوش و شادی و غمی میں شریک ہوتا ہے ایسے شخص کا نماز روزہ مقبول ہے یا نہیں اور اسلام میں داخل ہے یا نہیں۔

(ج) جو شخص نماز پڑھتا ہے اور زکوۃ نہیں دیتا اور مشرکین کی شادی غمی کا شریک رہتا ہے اسکی نماز قبول ہوتی ہے۔ اس وجہ ترک زکوۃ سے اور دیگر امور غیر مشروعہ کے ارتکاب سے فاسق ہے قال اللہ تعالیٰ ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ الآیۃ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س) چند لوگوں نے ایک بزرگ عالم سے بیعت کی تھی وہ بزرگ اس دار فانی سے رحلت گزین عالم جاودانی ہوئے اب مریدین کسی دوسرے بزرگ سے بیعت ہو سکتے ہیں یا نہیں اور تجدید بیعت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(ج) ہر قسم کی بیعت کی تجدید درست ہے اگر بیعت توبہ ہے تو جب معصیت ہوگئی دوبارہ توبہ کرنا ضرور ہے خواہ اُس پہلے بزرگ کے ہاتھ پر ہو خواہ دوسرے بزرگ کے ہاتھ پر اور اگر بیعت دخول سلسلہ کی تھی تو دو تین سلسلوں میں داخل ہونا قدیماً و حدیثاً جاری رہا ہے اور جو بیعت کسی نسبت کے حاصل کرنے کے واسطے تھی تو بعد موت کے دوسرے بزرگ سے تحصیل نسبت کا ضرور ہوگا کیونکہ سنت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ افادہ احیاء سے ہوتا ہے نہ اموات سے اگرچہ علی الشذوذ اویسیہ بھی ہو جاتی ہے۔ اور تجدید بیعت ہر ہر خاندان میں بزرگان اکابرین سے کی ہے کچھ مخفی نہیں بیعت کرنا عہد استوار کرنا توبہ کا یا مودت قوم کا یا تلمذ کا ہے پس اسکی تکرار و تجدید کی کوئی وجہ منع کی نہیں صحابہؓ نے بعد انتقال فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام خلفاء اربعہ سے علی الترتیب بیعت کی اور بعد فوت ایک استاد کے دوسرے سے تعلم کا طریقہ جاری رہا بہرحال تجدید بیعت کوئی امر خلاف شریعت و طریقت کے نہیں واللہ تعالیٰ اعلم

(س) روافض و اہل سنت میں مناکحت جائز ہے یا نہیں؟

(ج) جن لوگوں کے نزدیک روافض کا حکم مرتدین کا ہے انکے نزدیک ہرگز نکاح جائز نہیں اور شاہ عبد العزیز صاحب علیہ الرحمۃ کا فتویٰ اسی پر ہے اور جن لوگوں کے نزدیک رافضیوں کا حکم اہل کتاب کا ہے تو اُن کے نزدیک رافضیہ عورت کا مرد سنی سے نکاح جائز ہے اور عورت سنیہ کا مرد رافضی سے جائز نہیں اور بعض علماء نے جو انکو فاسق کہا ہے تو اس صورت میں نکاح ہو جاتا ہے مگر یہ اچھا نہیں کہ اس میں فساد دین کا ہے اور بندہ کے نزدیک روافض کا حکم اہل کتاب کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارہ میں کہ مقدار صدقہ فطر اوزان مروجہ ہندوستان کے حساب سے کس قدر ہے کلام فقہاء سے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ صاع = ۴ من اور من = ۲ رطل اور رطل = ۲۰ استار اور استار ۷ درہم اور درہم = ۱۴ قیراط اور قیراط = ۵ جو اس حساب سے صاع ۱۱۲۰ درہم کا ہوا دریافت طلب وزن درہم ہے کہ مشہور ۳ ماشہ ہے حالانکہ حساب مذکور سے کم ہوتا ہے یعنی درہم ۷۰ جو کا ہوا اور رتی ۴ جو کی ہوتی ہے تو درہم ۲ ماشہ ۱ رتی کا ہوا وزن مشہور اور اس وزن کی مخالفت سے مقدار میں تفاوت عظیم ہوگا علیٰ ہذا نصاب زکوٰۃ بھی وزن مشہور یعنی ۵۲ تولہ چاندی سے کم ہوگا امید کہ مفصل ارشاد فرما کر تشفی فرما دیں اگر تولہ کے حساب سے ارشاد ہو تو یہاں کے وزن سے حساب معلوم ہو جائے۔

(ج) ۔ جَو کی دم کترکے اُس سے درہم بنالو اور حساب کرلو اور رتی جو ہم جَو کی لکھی ہے غلط ہے بلکہ تین جَو کی رتی ہوتی ہے۔

(ش ۹) زید کہتا ہے کہ بہت باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین میں بچ گئی تھیں بعد میں جب علماء نے خوض کرکے وہ باتیں نکالیں اُس وقت دین کامل ہوا ہے۔ بکر کہتا ہے ہرگز نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بات دین میں چھوڑ گئے ہوں جس کی تکمیل بعد میں کوئی کرے اور نقص دین کا ذمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لگاوے ایسا شخص کافر ہے اسواسطے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا پس زید و بکر میں کس کی رائے صائب اور کون قول صحیح ہے بینوا توجروا

(ج) تکمیل دین کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوچکی بایں معنی کہ نصوص کلیہ ایسی نازل فرمائی گئیں کہ ان سے نصوص تمام جزئیات دین کی جو قیامت تک پیش آئیں نکل سکتی ہیں اگرچہ بتصریح جزئیات کی نصوص میں مذکور نہیں پس بایں معنی تکمیل دین ہوچکی اور اخراج و استنباط جزئیات کا جو نص میں مصرح مذکور نہیں بعد میں مجتہدین وعلماء نے کیا اگر یہ معنی نقصان سے مراد زید کی ہے مگر تعبیر و بیان میں نقصان ہے تو یہ عقیدہ و قول درست ہے ورنہ تکمیر کفر ہے کہ خلاف نصوص قطعی کے ہے واللہ اعلم۔

(ش ۱۰) زید کے والدین مجالس عرس و مولد شریف و گیارہویں شریف وغیرہ بڑی محبت و اعتقاد سے کیا کرتے ہیں اور اپنا عقیدہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ محفل مولد شریف کا منکر وہابی اور ایمان سے خارج ہے اور چونکہ زید وہابی ہوگیا ہے یعنی ہمارے عقیدوں اور ان مبارک اعمال سے بیزار ہے بلکہ انکو معصیت سمجھتا ہے اور کبھی ان مجالس متبرکہ میں شریک ہوکر سعادت حاصل نہیں کرتا اسلئے اُسکے والدین بھی اس سے سخت ناخوش و بیزار ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب تک زید توبہ نہ کرے اور مجلس مولود شریف منعقد کرکے خود مولد شریف نہ پڑھے تب تک ہم ہرگز اس سے راضی نہونگے اور نہ اسکا مُنہ دیکھینگے اور نہ بولینگے چنانچہ قسم بھی کھالی ہے۔ زید کہتا ہے کہ یہ امور بدعت اور گناہ ہیں اسلئے میں انکو ہرگز اختیار نہیں کرسکتا اور معصیت میں والدین کی اطاعت نہیں ہے پس از روئے شرع شریف زید حق پر ہے یا اُسکے والدین اور زید کو ان امور مروجہ میں شریک ہوکر اپنے والدین کو راضی کرنا کیا واجب نہیں ہے اور کیا والدین کو مکدر و ناخوش کرنا گناہ اور موجب ناخوشی خدا و رسول نہیں ہے

(ج) زید اپنے اس مقال و خیال میں سچا ہے کہ یہ مجالس جس التزام و منکرات سے یہاں ان دیار میں منعقد کی جاتی ہیں معصیت سے ہرگز خالی نہیں ہیں اور اُن میں شرکت درست نہیں ہے۔ ایسے امر میں کہ جو معصیت ہے

اطاعت والدین لازم نہیں ہے بلکہ نادرست ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق البتہ اگر والد زید صرف اسقدر خواہاں ہے کہ زید تنہا یا کسی ایسی مجلس میں جہاں امور منکرہ نہوں اور کوئی ایسا شخص بھی نہو کہ جسکے ساتھ مجالست وغیرہ نادرست ہے تو ایسی مجالس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر میلاد شریف یا آپکے غزوات وعادات وآداب وسنن کا بیان کرے جو معصیت نہیں بلکہ عین عبادت ہے تو اس سے دریغ اور انکا زید کو بلا وجہ شرعی مناسب نہیں ہے اور پدر زید کو زید پر یہ جبر کرنا کہ وہ مجالس منکرہ قبیحہ میں شریک ہو یا ایسی مجلس خود منعقد کرے ہرگز درست نہیں ہے اور نفس ذکر آپکا معصیت نہیں جبکہ اُسمیں اور کسی قسم کی معصیت کا شائبہ نہو۔ اور جو مجالس کہ ان میں کسی قسم کی خرابی اور معصیت نہیں ہے اُسمیں بھی اگر زید شریک نہو تو اُسپر کچھ ملامت نہیں ہے کیونکہ نفس ذکر مندوب ہے اور مندوبات کے ترک پر ملامت اور طعن مناسب نہیں ہے اور یہ اعتقاد کہ منکر مولود وغیرہ مجالس کا کافر ہے ہرگز بیجا نہیں ہے ایسا اعتقاد رکھنے والے سخت خاطی ہیں۔

(س ۱۱) زید نے ثواب صوم حاصل کرنے کے لئے عمر کی دعوت افطار کی عمر نے اپنی جہالت اور عقیدہ فاسدہ سے اپنے نمک یا اور کسی چیز سے چباکر روزہ افطار کر لیا تاکہ ثواب صوم جانے نہ پاوے بعدہ کل شیا زید خوب تناول کیں ایسی حالت میں زید کو ثواب افطار کرانے کا موافق حدیث کے ملیگا یا نہیں؟

(ج) روزہ دار کو کھانا کھلانے سے کھلانے والے کو پورا ثواب ملیگا اگرچہ روزہ دار نے اپنی کسی چیز سے روزہ افطار کر لیا ہے واللہ اعلم۔

(س ۱۲) حقہ کا پینا حلال ہے یا حرام مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی جمہور اطباء کا یہ قول ہے کہ طب کی رو سے حقہ کا پینا بجز صرف بیجا اور لہو ولعب کے کوئی نفع کسی قسم کا نہیں رکھتا پس اگر درحقیقت یہ قول صحیح ہے تو پھر اُسکا پینا اسراف بیجا اور لہو ولعب میں داخل ہے یا نہیں اور اگر اسراف بیجا اور لہو ولعب میں داخل ہے تو پھر اسکی حرمت وحلت میں شرعًا کیا حکم ہے مولانا شاہ محمد اسحق صاحب مسائل اربعین میں لکھتے ہیں ودلت المسئلۃ علی ان الملاہی کلہا حرام اور رواج اس حقہ کا قرون ثلثہ میں تھا یا نہیں اور اگر بعد قرون ثلثہ کے یہ رواج پایا ہے تو پینا اسکا بدعت سیئہ میں داخل ہے یا نہیں اور حقہ کے دھوئیں کی بدبو سے اور حقہ کش کے دہن کی بدبو سے جیسی کچھ تکلیف انسان کو پہنچتی ہے وہ ظاہر ہے چنانچہ اس دلیل پر حضرت مولانا الشاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے اسکو مکروہ تحریمی لکھا ہے۔

(ج) حقہ کے باب میں بہت فتاوی اور رسائل طبع ہوئے اور بحث مباحثہ ہوا مگر بندہ کے نزدیک راجح

اور حق یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہیہ ہے اور اسوقت میں علاج بلغم ہے اگر ازالہ بدبو کا ہو جاوے تو مباح بلا کراہت ہے باقی تکلفات ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۱۳۱) ہمارے دیار میں رواج ہے کہ ناچ باجہ کے بغیر شادی بیاہ نہیں کرتے اور گویا اسکو فرض و واجب سے بہت بڑھ کر سمجھا ہے تحقیق کر خیال کرے تو ہزارہا مسلمانوں میں سے ایک مسلمان بھی ایسا نظر نہیں آتا کہ جسکا تمام روزہ کبھی کسی حال میں قضا نہ ہونے پایا ہو اور نکاح بدون ناچ باجہ کبھی کوئی کرتا ہی نہیں اور اگر ایسا اتفاقاً کبھی کسی شخص نے بخوف خدا یا اپنے افلاس و محتاجی کے باعث اسکو موقوف بھی کیا تو کوئی اسکا شریک حال نہیں اور اگر کوئی فرد بشر شریک حال ہوا بھی تو نہایت کراہت کے ساتھ پس یہ تو تحقیق علم ہے کہ ناچ باجہ قطعی حرام ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ گناہ صغیرہ اصرار سے کبیرہ ہو جاتا ہے اور کبیرہ پر اصرار کرنا مرتبہ کفر پر پہنچا دیتا ہے پس از روئے شرع شریف ایسے لوگوں کے حق میں کیا ارشاد ہے؟

(ج) ایسے لوگ فاسق ہیں اور جب تک مسلم کے فعل و قول کی تاویل ہو سکے تکفیر کرنا روا نہیں پس باعتبار ایسے افعال کے وہ فاسق ہوئے کافر کسی کو نہ کہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۱۴۱) امسال تالابوں کا پانی بالکل خشک ہو گیا ہے دھوبیوں نے انہیں تالابوں میں کنوئیں کھودے ہیں انہیں کنوؤں کا پانی ناندوں میں بھرتے ہیں اور حال یہ ہے کہ نجس و ناپاک اور طاہر و پاک سب کپڑے ایک ہی میں شامل کر کے دھوئے جاتے ہیں اور ان ناندوں کا پانی کنوؤں میں اور کنوؤں کا پانی ناندوں میں بلا تکلف جاتا ہے اور دھوبی طریقہ طہارت کا بھی نہیں جانتے اور اگر انکو طریقہ تطہیر بتایا بھی جائے تو اس پر عمل نہیں کرتے علاوہ ازیں تمام کپڑے بکری کی مینگنیوں میں شب کو سوند کر دن کو دھوتے ہیں بدون سوندے ہوئے نہیں دھوتے پس اس قسم کے کپڑوں کی طہارت میں کیا ارشاد ہے یعنی ایسے کپڑے بدون گھر پر طاہر کئے ہوئے جائز الاستعمال ہیں یا نہیں اور ایسے کپڑوں پر نماز صحیح ہے یا نہیں؟

(ج) یہ امر محقق نہیں ہے کہ آپ کے کپڑوں کے ساتھ مثلاً نجس کپڑا ملایا ہی گیا تھا اور اس جادہ کا پانی جسوقت آپکا کپڑا دھویا گیا مثلاً نجس ہی تھا لہذا آپ کے کپڑے پاک ہیں علی الظاہر فرد بشر کے کیونکہ اصل شے کی طہارت ہے اور پانی در اصل طہور ہے اسکی نجاست اسوقت ثابت ہو کر وقوع نجاست اور عدم خروج کی تیقن ہو جبکہ یہ امر مشکوک ہے تو شک سے نہ کوئی چیز نجس ہوتی ہے اور نہ کوئی شے ثابت ہوتی ہے اور کپڑا جو دھوبی سے دھو کر آپ کے پاس آتا ہے وہ پاک ہے کوئی دھبہ نجاست کا اسمیں نہیں اور یہ امر کہ نجس پانی سے

صاف کیا گیا اسکو معلوم نہیں والیقین لا یزول بالشک بعد اسکے مذہب مالکیہ میں پانی نجس ہی نہیں ہوتا جب تک کوئی وصف نجاست کا پانی میں ظاہر نہو جاوے (اور یقین زائل نہیں ہوتا شک سے) اور کپڑے میں کوئی وصف ظاہر نہیں لہذا پانی پاک اور کپڑا پاک علیٰ مذہب مالک ایسی ضرورت میں مذہب دیگر ائمہ کا اختیار کرنا باتفاق جائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم

(س ۱۵) رمضان شریف کی نماز تراویح میں مسجد کے اندر بعد ادائے چار رکعت و تسبیح معمولی اور دعا کے اگر تمام مصلی متفق ہوکر بہ نیت رونق و کیفیت و شوکت اسلامی ذکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ بہ آواز بلند کریں تو جائز ہے یا نہیں؟

(ج) اس طرح ذکر کرنا بعد جلسہ تراویح کے صحابہ و تابعین سے منقول نہیں لہذا یہ ہیئت بدعت ہے کما قال فی الواقعات قراءۃ الفاتحۃ بعد المکتوبۃ لاجل المہمات وغیرہا مکروہۃ لانہا بدعۃ لم ینقل عن الصحابۃ والتابعین انتہی اور بحر الرائق میں روایت ہے عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ سمع قوما اجتمعوا فی المسجد یہللون و یصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جہرا فراح الیہم فقال ما عہدنا ذلک فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم وما اراکم الا مبتدعین انتہی دونوں سند سے دریافت ہوا کہ اگرچہ ذکر مطلقاً جائز ہے مگر جس موقع پر کوئی طرز خاص قرون ثلثہ میں پایا گیا ہے اسکو دوسری طرح بدلنا بدعت ہے پس ہر چند کلمہ طیبہ جہراً جائز ہے اپنے موقع جواز پر مگر جلسہ تراویح میں اسطرح ثبوت نہیں تو اسطرح ثبوت نہیں تو اسطرح کرنا بدعت ہوگی معہذا عوام اسکو سنت سمجھ جاوینگے اور جس مباح کو عوام سنت جانیں وہ بدعت ہو جاتا ہے قال فی العالمگیریہ التنفل عقیب الصلوۃ مکروہ لان الجہال یعتقدونہ سنۃ او واجبۃ وکل مباح یودی الیہ فہو مکروہ کذا فی الزاہدی انتہی بہر حال ذکر اسطرح کرنا بدعت ہے اگرچہ نفس ذکر کلمہ طیبہ کا جہر درست مگر اس موقع پر کہ قرون خیر میں اس ہیئت سے ثابت نہیں ہوا بلکہ یہ محل اخفا کا ہے لہذا بدعت ہوا اور نیز اسمیں فساد عقیدہ عوام کا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۱۶) پس چارپائی میں کھٹمل ہوں اسپر کھولتا ہوا پانی کھٹملوں کے دفعیہ کی غرض سے ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ بات تو مشہور معروف ہے کہ آگ دیکر یا آگ کا عذاب کسی جاندار کو دینا خواہ انسان ہو یا حیوان بجز اللہ جل شانہ کے اور کسی کو جائز نہیں مگر سنا ہے کہ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں چونکہ کھٹمل موذی ہیں اسلئے ان کے دفعیہ کے لئے گرم پانی چارپائی میں ڈالنا کچھ مضائقہ نہیں۔

(ج) گرم پانی سے کھٹمل مارنا در اصل احراق ممنوع نہیں ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۱۷) یہاں یہ امر شائع ہے کہ مردہ کی مغفرت کے لئے قرآن مجید اسطرح دیتے ہیں کہ میت کے صوم و صلوۃ

وغیرہ جو کچھ تمام عمر میں فوت ہوئے اُسکی تخمینہ کرلیا پھر جسقدر روپیہ اُسکے حقوق کا فدیہ ہوا اُسکا حساب کرلیا بعدہ ایک شخص کو روبرو بٹھلا کر کہا کہ فلاں کے حقوق کا فدیہ اسقدر روپیہ ہوا اس روپیہ کے عوض یہ قرآن مجید تمکو دیتے ہیں اُس نے وہ قرآن مجید قبول کرلیا اگرچہ فدیہ [illegible] ہوا اور قیمت قرآن مجید کی [illegible] ہو۔ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید بے بہا شے ہے جو کچھ اُسکی قیمت ٹھیرائی جائے وہ بجا ہے اسکو مسئلہ اسقاط کہتے ہیں شرعاً یہ حیلہ درست ہے یا نہیں اور مفید میت ہو سکتا ہے یا نہیں اگر درست نہیں تو جو قرآن مجید کو ورثہ میت نے دیئے ہیں اُنکی نسبت کیا حکم ہے جسکو دیئے ہیں وہ اُسکا مالک ہو گیا یا اُسکے واپس کرنا اُسپر لازم ہے۔ ورثہ میت فدیہ حقوق میت اگر بوجہ افلاس ادا نہ کرسکیں تو اور کوئی حیلہ مشروع ہے یا نہیں؟

(ج) بصورت اولیٰ عند الضرورت درست ہے اور جیسے آجکل شائع ہو گیا ہے کہ باوجود میت پر قضاء روزہ ونماز وکفارہ لازم نہ ہونے کے بھی اس رسم کو پورا کیا جاتا ہے یا باوجود اُسکے بہت سے اموال ترکہ میں چھوڑنے کے اور اُسپر قضاء وکفارہ روزہ ونماز لازم ہونے کے پھر بھی اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے اور فقرا کی حق تلفی اور التعطل حیلہ شانا علم تو اللہ کے ادا حقوق میں دھوکہ دھیلہ برتا جاتا ہے یہ اصلاً درست نہیں ہے اسکے مرتکب گنہگار و خاطی اور بدعتی یا چور ہیں فقط واللہ اعلم۔

(س ۵) طعام المیت کی حد کیا ہے جو کھانا ایصال ثواب کے لئے فقراء کو دیا جاوے اسی کا کھانا مکروہ ہے یا جو کھانا سوم وغیرہ میں برادران کو تقسیم کیا جاتا ہے نہ واسطے ایصال ثواب کے بلکہ محض ایک رسم ادا کرنے کے واسطے وہ بھی طعام المیت ہے؟ اگر یہ بھی طعام المیت ہے تو بزرگوں کی فاتحہ کے کھانے (جسکو نیاز بولتے ہیں) اور اس کھانے میں کیا فرق ہے کیونکہ ایصال ثواب تو بزرگوں کے فاتحہ میں بھی مقصود نہیں ہوتا ہے والا خود نہ کھاتے بلکہ مجوزین محض فعل مستحسن سمجھتے ہیں اور فاتحہ کرکے کھا لیتے ہیں سوم کے کھانا پر بھی فاتحہ ہوتا ہے اور کھا لیتے ہیں برادران میں تقسیم کر دیتے ہیں بلکہ فاتحہ بھی نہیں ہوتا ہے یوں ہی تقسیم کر دیتے ہیں جواب صاف بدلائل واضحہ بیان فرمائیے۔

(ج) طعام المیت وہی ہے جو ایصال ثواب کے لئے طیار کیا جاوے اور جو طعام برادری کی نمود کے واسطے طیار ہوتا ہے وہ طعام المتبارین ہے اسکی ضیافت قبول کرنے کو حدیث میں منع فرمایا ہے لقوله علیه الصلوٰة والسلام لا تقبلوا طعام المتبارین اور جو بزرگوں کے ایصال ثواب کے واسطے پکاتے ہیں وہ بھی طعام المیت ہے اُسکا حکم بھی یہی ہے جو طعام کہ ایصال ثواب کے واسطے ہووے اصل وجہ یہ ہے کہ صدقہ کا طعام موجب ظلمت

[illegible]

قلب کا ہوتا ہے کہ صدقہ معصیت کو زائل کرتا ہے تو یہ طعام مثل آب مستعمل کے ہوتا ہے کہ ایک گونہ تہمت نہیں مگر تکدر سے ہے اسی واسطے بنی ہاشم کو منع ہے بوجہ انکی عزت کے یہاں تک کہ زکوٰۃ میں نہایت تکدر ہے مگر اہل مصرف کو حلال ہے گو تکدر ہو للضرورۃ اگر مصرف اجتناب کرے اگرچہ مصرف کو مباح ہے اور کوئی گناہ نہیں مگر تکدر سے خالی نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ش ۱۹) خواص ادویہ کا دارومدار تجربہ پر ہے انمیں تو اثر ہو اور بعض ادعیہ جنکا ثبوت الہام و وحی سے ہوا ہے انمیں بعض وقت اثر ہوتا ہے اور بعض وقت نہیں یا بعض اشخاص کے ہاتھ پر اثر ہوتا ہے اور بعض کے ہاتھ پر نہیں اسکی کیا وجہ ہے حالانکہ شرعی منافع عام امت کے واسطے ہیں اور موثر حقیقی ہر جگہ حق تعالیٰ شانہ ہے۔

(ج) تاثیر دعا حق ہے مگر اسکے موانع بعض وقت ہوتے ہیں انکی خبر کسی کو نہیں ہوتی لہذا اثر نہیں ہوتا مثلاً تلوار کا قطع کرنا مشاہد ہے مگر بعض وقت سیدھی تلوار پڑتی ہے تو قطع نہیں ہوتا یا نرم جسم پر اثر نہیں ہوتا ایسا ہی حال دعوات کا ہے کہ بعض موانع خفیہ ہوتے ہیں انکی خبر نہیں ہوتی کہ کیا ہے وہ مانع تاثیر ہوتے ہیں۔

(ش ۲۰) یہاں دو مولویوں میں اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے کہ تار کے ذریعہ سے رویت ہلال عید و رمضان کی اطلاع معتبر ہے یا نہیں امید کہ آنحضرت مسئلہ کی تحقیق اور رائے سامی سے مطلع فرماویں کہ تار برقی اور دوسرے نمبر کس شئے کے حکم میں داخل ہے؟

(ج) تار برقی کا حال مثل تحریر خط کے ہے کہ نسخ و نستعلیق بھی نقوش اصطلاحی ہیں جیسے انگریزی ناگری وغیرہ اور حروف تار بھی اصطلاحات ہیں پس جیسا خط سے خبر ملتی ہے ویسا ہی تار سے تحریر کے ذریعہ سے ملتی ہے اگرچہ قلم تحریرات کا کوتاہ اور تار کا قلم طویل ممتد ہے پس جیسا تحریر خط میں وسیلہ معتبر عادل ہونا ضرور ہے تار میں بھی ویسا ہی ہونا چاہیے۔ چونکہ تار کے دینے لینے والے کفار و فساق غیر معتمد ہیں یا مورد شبہ ہیں لہذا تار کا اعتبار جاتا رہا ہو مگر جو ہر دو طرف عدول ہوں۔ پس یہ تو اصل قاعدہ ہے کہ دیانات میں قول کافر کا معتبر نہیں جیسا کہ تار کی خبر معتبر نہیں اسپر کار بند ہو نہ صوم میں نہ افطار میں مگر زمانہ حال کو دیکھ کر کہ تار کی خبر سب صحیح ہوتی ہیں غالب ظن قلوب میں اسکے صدق کا راسخ ہو گیا ہے تو اگر اپنے غلبہ ظن کی وجہ سے عمل کر لیوے تو وجہ ہو سکتی ہے صوم میں ایک عدل کی خبر اور افطار میں عدلین کے اخبار پر تو بھی بعید نہیں باعتبار زمانہ کے پس بندہ دونوں فریق کو حق پر جانتا ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ تار برقی اخبار ہے بذریعہ کتابت کے فقط واللہ اعلم

(اسی والانامہ کے جواب میں مولوی ممتاز علی صاحب نے کوئی تحریر ارسال خدمت حضرت قدس سرہ کی

تھی جسمیں کچھ شبہات تھے جنکا مبنی خیال کی غلطی تھی اُسکے جواب میں جو والا نامہ حضرت کا پہنچا ہے چونکہ وہ اسی مسئلہ کی توضیح ہے جس میں حضرت نے اپنے غلبہ خیال ورائے کو اشارۃً ظاہر فرمایا ہے اسلئے اُسکا اندراج بھی مناسب ہے (بھوانچا) - فقہار نے اولاً یہ قاعدہ کہ دیانات میں قول کافر کا معتبر نہیں مطلق لکھا ہے اور بعد کو اگر تحری اُسکے صدق کی ہو تو معتبر ورنہ غیر معتبر اور امور شاہی میں بھی ایسا ہی جزئیہ لکھا ہے کہ اگر حاکم اعلیٰ کا حکم نائب کو پہنچے بذریعہ ثقہ تو معتبر ہے ورنہ نہیں اور کتاب قاضی الی القاضی بھی احکام حکومت ہی ہوتے ہیں جنکے گواہان میں کسقدر احتیاط کرتے ہیں سو آپکا اس قاعدہ کو مقید کرنا تو درست نہیں ہوتا مگر یہاں یہ کہ بعض وقت قرائن صدق ہوتے ہیں وہاں عمل کر لیوے تو عجب نہیں اگرچہ کافر کا قول ہو سو وہ تحری اور قرائن کا قصہ کہ بعض روایات سے کافر کی خبر میں بھی تحری کے ساتھ عمل کرنا دیانات میں جائز کر دیا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ فقہا رویت ہلال میں فاسق کا بھی قول فقہار قبول نہیں کرتے بلکہ مسلمین عدول کا ہونا لکھتے ہیں تو ایسی حالت میں ذریعہ فاسق کا بھی لغو ہوگا اور فقط مخبر کا عادل ہونا جبکہ کافی ہو کہ وہ خود زبان سے کہے وانہ الخطا لیشہد بخطا اور بعض اعتبار درمیانی لوگوں کا ہونا اُسکو غیر معتبر بنا دیتا ہے پس اصل قاعدہ تو عدم قبول کا ہے مگر قرائن سے اگر قبول کر لیویں کہ چند قرائن جمع ہو جاویں اور ظن حاصل ہو جاوے وہ دوسری بات ہے اسی واسطے بندہ نے بھی شاید لکھا ہوگا کہ قرائن سے عمل کر لیوے تو جواز بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے فقط -

(ش ۱۲) غلہ کی تجارت مطلقاً حرام ہے یا کسی طور جائز بھی ہے اور احتکار ممنوع کی تعریف کیا ہے توضیح ارشاد فرماویں

(ج) غلہ کو خرید کر رکھنا اسطرح کہ خریدنے سے کسی کو نقصان نہ ہو جائز ہے اور پھر اگر یہ نیت کرے کہ جب گراں ہوگا فروخت کرونگا تو نیت تمام عالم کے نقصان کی ہوئی گرانی سے خوش ہوتا ہے اور ارزانی سے ناراض پس اگر یہ بات نہ ہو تو درست ہے مثلاً یوں کرے کہ غلہ کثیر خرید کر فروخت کرنا شروع کر دیوے جو کچھ نرخ بازار کا ہو اُسی پہ بیچتا رہے انتظار گرانی کا نہ کرے تو احتکار نہ ہوگا - غرض تجارت غلہ میں بری نیت کا گناہ ہے تجارت میں حرمت نہیں ہے اسی واسطے اُس تجارت کو غیر محمود لکھا ہے کہ نفس کی چوری سے بچنا دشوار ہے الحاصل تجارت غلہ منع نہیں مگر نیت کی خرابی کو منع کرتے ہیں پس جسمیں بدخواہی خلق کی نہ ہو اُسکو کون منع کرتا ہے فقط -

(ش ۱۳) ایک شخص نے اپنی عورت منکوحہ کو مارپیٹ کر اور یہ الفاظ کہکر اپنے مکان مسکونہ سے نکالدیا اور زیور وغیرہ اپنا لے لیا کہ "میں تجکو نہیں رکھتا اور میں نے تجکو چھوڑ دیا" پس وہ عورت اپنے والدین کے گھر میں چلی آئی اور بعد عرصہ چھ یا آٹھ ماہ کے اُسکے خاوند کی طرف سے طلاقنامہ لکھا گیا اور تحریر کے ایک ماہ بعد عورت مذکورہ نے

نکاح ثانی کر لیا پس یہ نکاح ایام عدت میں ہوا یا نہیں اگر ایام عدت میں ہوا تو اب کیا کرنا چاہیئے ؟
(ج) طلاق عورت پر اُسوقت واقع ہوگئی تھی کہ اُسکے زوج نے کہا تھا کہ تمکو چھوڑ دیا اور طلاقنامہ لکھنے سے صاف واضح ہے کہ اس کلمہ سے غرض اُسکی طلاق دینے کی تھی کیونکہ کنایہ طلاق کا ہے تحریر طلاقنامہ نے نیت طلاق کا ہونا محقق ہوگیا پس عدت اُسوقت سے شروع ہوگی کہ اُسکو گھر سے نکالا تھا لہذا یہ نکاح درست ہوگیا اور بعد انقضاء عدت کے نکاح ہوا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
(ش ۴۳) سلس البول یا ریاح کے ہر وقت جاری رہنے سے صاحب عذر سمجھا گیا ہے اُس سے کیا مراد ہے ؟
(ج) ہر وقت جاری ہونے کی جس سے صاحب عذر ہو یہ مراد ہے کہ چار رکعت نماز ادا نہ کر سکے بدون علت کے۔ اور جو چار رکعت کی قدر عذر بند رہے وہ صاحب عذر نہیں ہوتا بلکہ تندرست ہوتا ہے شرعاً۔
(ش ۴۴) سُرخ رنگ کسنبہ و یا ڈول یا ٹیسو کا ہو کوئی بیان کرتا ہے کوئی حرام پس مفتی بہ کیا ہے اور مطلق سُرخ کپڑے کا پہننا عالم کو جبکہ دیکھا دیکھی دوسرے بھی اُسکا استعمال کریں کیسا ہے ؟
(ج) کسنبہ کا سرخ اور زرد اور گلابی مرد کو حرام ہے اور سوائے اسکے سرخ تمام یا پختہ اکثر علماء کے نزدیک درست ہے اگر پہنے تو جائز ہے احتیاط اولیٰ ہے اور عالم کو سرخ اگر معصفر ہے تو پہننا حرام پہننے والا گنہگار ورنہ کچھ حرج نہیں کہ اُسکے جواز پر فتویٰ اکثر علماء کا ہے فقط واللہ اعلم۔
(ش ۴۵) جانور حلال مثل بکری و گاؤ و طیور وغیرہ میں کون کون چیز حلال ہے کون کون حرام ؟
(ج) سات چیز حلال جانور کی کھانی منع ہیں ذکر۔ فرج۔ مادہ۔ مثانہ۔ غدود۔ حرام مغز جو پشت کے مہرہ میں ہوتا ہے خصیہ۔ پتہ یعنی مرارہ جو کلیجہ میں تلخ پانی کا ظرف ہے اور خون سائل قطعی حرام ہے باقی سب اشیاء کو حلال لکھا ہے مگر بعض روایات میں گردہ کی کراہت لکھتے ہیں اور کراہت تنزیہ پر حمل کرتے ہیں فقط
(ش ۴۶) مکان مسکونہ کو رہن دخلی لینا اور اُسمیں سکونت بلا کرایہ اختیار کرنا جائز ہے یا حکم سود میں ہے یا مکروہ ہے اور گناہ کس قدر ہے بعض فقہا کہتے ہیں کہ مکان کو رہن دخلی لینا جائز ہے سود نہیں اس سبب سے کہ رہن کے بعد مرہونہ پر قبضہ کرنا جائز ہے اور سکونت و قیام کے معاوضہ میں مرمت مکان کی مرتہن کرتا ہے اگرچہ مکان لیاقت ( ) روپیہ ماہوار کرایہ کی رکھتا ہے اور مرمت میں کم روپیہ ماہوار خرچ ہوتے ہیں تاہم جائز ہے بدیں وجہ کہ راہن نے فقط مرمت پر قناعت کی اسی کو کرایہ تصور کیا۔
(ج) انتفاع رہن سے حرام مثل ربوا کے ہے کسی فقیہ نے یہ نہیں کہا کہ سکونت حلال ہے بلکہ بعض کا یہ

قبضہ کو سکونت لازم نہیں اور یہ سب صورت ناجائز حرام ہے فقط۔

(ش ۲۴) ڈھیلے سے استنجا سکھانے اور اس حالت میں سلام کرنے یا سلام کا جواب دینے کے متعلق عام خیال کی اصلاح اور تحقیق حق میں زبانی جو تقریر حضرت قدس سرہ نے فرمائی اسکو اپنی یادداشت کے موافق ملخصاً درج کرتا ہوں۔

(ج) پیشاب کرنے کے بعد استنجا ڈھیلے سے سکھانا جیسا کہ شائع ہے گو بایں ہیئت خیر القرون میں نہ تھا مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد استنزھوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ کے حکم میں داخل ہے اسلئے مستحب ہوا اور اسکا مدار تجربہ پر ہے کہ آجکل عام طور پر ضعف مثانہ کی شکایت ہے اور پیشاب کے بعد قطرہ ضرور آتا ہے جسکا جب جی چاہے تجربہ کر دیکھے یعنی پیشاب کے بعد ڈھیلے سے طہارت حاصل کرکے کھڑا ہو اور قدم سے نیچے پاؤں رکھے عموماً اسی وقت قطرہ آتا ہے۔ اسی بنا پر غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنے والے کے لئے میں کہا کرتا ہوں کہ نماز لوٹائے کیونکہ غیر مقلد ڈھیلے سے استنجا نہیں سکھاتے پس جب قطرہ سے پاجامہ کا رومال نجس ہوگیا تو امام کی ہی نماز نہیں ہوئی مقتدی کی تو کیا ہوگی؟ ہاں یہ ظاہر ہے کہ استنجا سکھانے کی حالت پیشاب کرنے کی حالت نہیں ہے پس اس حال میں سلام کرنا یا جواب سلام دینا مکروہ نہیں ہے کیونکہ سلام و کلام کی ممانعت حالت بول میں ہے اسلئے کہ وہی ستر کے کھلنے کا وقت ہے اور بول سے فارغ ہوکر استنجا سکھانا جب کلام کے لئے مانع نہیں ہے تو ذکر اللہ اور سلام کے لئے کسطرح مانع ہوجائیگا او کما قال۔

(ش ۲۵ ج) ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ عالمگیریہ میں الو کو حلال لکھا ہے حالانکہ مشاہدہ سے معلوم ہوچکا ہے کہ وہ پنجہ سے شکار کرتا ہے لہذا حرام ہے جنھوں نے حلال لکھدیا ہے انکو شکار کا حال معلوم نہوگا۔

(ش ۲۶ ج) ایک بار ارشاد فرمایا کہ کنوئیں کے اندر چھپکلی مرجائے یا پھٹ جائے تو بوجہ عدم خون سائل کے پانی ناپاک نہیں ہوتا جسطرح مچھر مکھی سانپ یا کنکھجورے کے پانی میں مرنے اور پھٹ جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ فقہاء میں جس نے سام ابرص سے کنوئیں کو ناپاک کہا ہے وہ کوئی دوسری نوع ہے جس میں بہنے والا خون ہوتا ہو۔

(ش ۲۷) اگر مقرض روپیہ منی آرڈر کرکے مستقرض کے پاس بھیجے تو خرچہ منی آرڈر کسکے ذمہ ہوگا؟

(ج) جس نے قرض طلب کیا اگر اس نے منی آرڈر کرکے روانہ کرنے کی اجازت دی ہے تو خرچ منی آرڈر وہ دیویگا ورنہ مرسل پر ہوویگا کہ اس نے خود تبرع کیا ہے فقط

(ش ۱۳۱) تین بھائیوں میں سے دو نے تیسرے سے کہا کہ سرکار بہاولپور میں زمین افتادہ کی درخواست دیکر
چنانچہ اُس نے درخواست دیدی اور سرکار سے ہر سہ کے نام زمین تجویز ہوگئی اُسکے بعد ہر دو نے اُس سے
بے تعلقی کی اور بعد چند روز مرگئے اولاد نے اپنے چچا سے اپنے آباء کا حصہ طلب کیا پس دریافت طلب یہ امر
ہے کہ وہ مستحق حصہ ہیں یا نہیں؟

(ج) اگر والی بہاولپور از خود قابض و تملک متغلب ہوگیا تھا تو سب زمین افتادہ غیر مملوک اُسکی ہیں مثل امراء کے
وہ متصرف ملک کا ہے تو جب اُس ارض موات کے احیاء کی اجازت اُس نے کسی کو دی خواہ کسی کے نام
سے دی مگر جو محیی ارض ہے وہ ہی مالک ہے کوئی بھی شریک اُسکا نہیں اگرچہ دفتر میں نام کسی کا درج ہو
مگر یہ صورت بظاہر ملک بہاولپور کی معلوم نہیں ہوتی بلکہ نواب بہاولپور کو کسی سلطان سے جاگیر اس محدود مُلک
کی ملی ہے تو اس صورت میں نواب مالک تمام ارض منقطع کا ہوا۔ اب درخواست دینے والا طالب تملیک نواب
سے ہے پس یہ تجویز ہبہ ہوویگا پس اگر دو برادر نے اجازت دی تھی اور تیسرے بھائی نے حسب اجازت اُنکے
طلب کیا اور نواب نے ہر سہ کے نام پر دیا تو ہر سہ کے نام پر ہبہ ہوا اور وکیل اپنا اصیل اور دو کا وکیل تھا
اُس نے قبول و قبض کیا تو بوجہ مشاع ہونے کے فساد ہبہ تو عند الامام ہے مگر ملک فاسد بھی ہے پس جب
دونوں برادر نے ترک کیا اور کہدیا کہ ہمکو حاجت نہیں اور ایک بھائی کے پاس چھوڑ دیا تو یہ بھی اُنکی طرف سے
ہبہ ہی ہے۔ لفظ ہبہ کا ضرور نہیں تو جیسا ہبہ تھا ویسے ملک اُس واحد کی ہے اور ان دونوں کی ملک
سے خارج ہوگیا۔ ہبہ بدون لفظ کے بھی تعاطی سے ہو جاتا ہے پس اب بعد موت دو برادر کے دعوے اولاد
کا باطل ہے اور جو بدون اطلاع دو برادر کے ہوا تو انکی ملک ہی آہی نہیں ہوئی کیونکہ نہ قبول اُنکی طرف سے
ہے نہ قبض اُنکا ہے لہذا ہر دو صورت میں ملک قابض متصرف کی ہے اور دعوی برادر زادگان کا لغو ہے
اسکی روایات اگر دیکھو تو باب ہبہ میں اور احیاء موات میں اور باب عشر و خراج میں ملینگی رد محتار میں تفصیلاً
اور در مختار و ہدایہ میں اجمالاً فقط۔

(ش ۱۳۲) کیا حکم فرماتے ہیں علماء دین اس بارہ میں کہ ایک زاہد خشک اور ایک صوفی میں مفصلہ ذیل بحث ہوئی
صوفی۔ ظاہر فعل بد پر کسی کو بُرا کہنا خطا ہے اگر کوئی زنا کرتا ہو یا شراب پیتا ہو تب بھی نیک گمان رکھو شاید
اسمیں کچھ بھید ہو چنانچہ اولیاء اللہ کے قصے اسطرح پیش آئے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ کسی کے فعل بد پر بدگمان
نہو شاید باطن میں ولی ہو۔

زاہد = فعل بد تو بد ہی رہیگا بھلا نیک گمان فعل بد کے ساتھ خطا ہے۔

صوفی = تم لوگ علماء ظواہر کے بندہ شیطان سے زیادہ گندہ اولیاء اللہ سے دشمنی رکھنے والے ہو تمہارے ہی بھائیوں نے اُنپر ظلم کیا اور پشیمان ہوئے اور تاقیامت بدنام رہیں گے اگر فعل ظاہری پر ایمان رکھتے ہو تو کہو کہ منصورؒ اور شمس تبریزؒ نے ظاہراً کلمہ کفر کہا یعنی انا الحق اور قم باذنی اور آجتک کسی نے انکو کافر نہیں کہا اور فرعون کو سبھوں نے کافر مردود کہا پس انکو کیوں ولی کامل مانا اور اسکو کیوں کافر جانا تمہارے ظاہر کے اعتبار سے نعوذ باللہ دونوں پر ایک حکم ہونا چاہیے جن مولویوں نے انکو سزا دلائی وہ اپنے گناہ کا مزہ چکھینگے اور انکو ان کلمات کے کہنے کا ثواب ملیگا۔

زاہد = اگر اُن علماء کو عذاب ور اُن حضرات کو ان کلمات کا ثواب ملیگا تو آپ کا فرمانا درست سمجھیے اس عقیدہ کو چھوڑ دیجئے اور فعل بد کو بھی بد کہا کرینگے۔

(ج) زاہد خشک کی گفتگو صحیح ہے اور اُن صوفی صاحب کا کلام باطل ہے لیکن اگر کسی بزرگ سے کوئی خطا ہوگئی ہے تو اُس فعل کو بُرا سمجھے اچھا نہ کہے اور نہ پلید بتاوے مگر اُن بزرگ کی بدگوئی نہ کرے۔ ہم کو حکم ظاہر پر عمل کرنے کا ہے باطن کی تفتیش کرنے کا حکم نہیں۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ شریف ہے کہ " فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہ جسکو ہم دیکھیں گے کہ ظاہر اسکا خراب ہے اسکو بد ہی جانینگے اگرچہ وہ کہے کہ میرے اندر نور معرفت ہے اور اگر ہم کسی کا ظاہر اچھا دیکھیں گے تو ہم اسکو اچھا ہی جانینگے اگرچہ اسکا باطن خراب ہو" پس اس قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صاف ظاہر ہوگیا کہ ہم کو حکم ظاہر پر لگانا واجب ہے اسرار بتاکر فعل شنیع کو مباح جاننا حرام ہے اسی واسطے حسین بن منصور کے قتل پر امام ابو یوسف شاگرد امام ابو حنیفہ جو کہ سید العلماء تھے اور سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو تمام سلاسل اولیاء کے شیخ ہیں دونوں نے فتویٰ قتل کا دیا پھر معاذ اللہ اُن کے ساتھ بدگمانی کرنا کسی صوفی کا کام نہیں بلکہ جاہل صاحب مذہب باطل کا کام ہے اگرچہ حسین کو کافر نہیں کہتے مگر اُن کے اس قول کو جو بظاہر کفر ہے خلاف ہی ٹھیرایا گیا اور اُن کے اصرار پر قتل کیا گیا ہرچند کہ اُنکی تاویل ممکن تھی اور جو فعل کہ محرم شرعی ہے اُس میں تاویل نہیں ہو سکتی صحابہ کرام علیہم الرضوان کہ ادنی اُنکا اعلیٰ درجہ کے ولی سے صدہا درجہ اعلیٰ (شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو اولیاء کرام کے سردار ہیں فرماتے ہیں کہ ادنیٰ صحابی کی جوتیوں کی خاک کے بھی میں برابر نہیں ہوں) اُن سے جب کوئی معصیت سرزد ہوئی کسی نے تاویل نہکی اور

نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معذور فرمایا بلکہ سزا اُس فعل کی دی کہ جسکی تفصیل بہت طویل ہے پس قول صوفی صاحب کا محض باطل ہے اور زاہد صاحب کا قول صحیح ہے واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

(ش ۳۴۳) شرع کا کیا حکم ہے کہ کوا دیسی جو عموماً بستیوں میں پایا جاتا ہے حلال ہے یا حرام فقہا رہے بعض فقہاء کوّے کو حلال لکھا ہے اور بعض کو حرام اب یہ دریافت کرنا منظور ہے کہ یہ کوا قسم حرام میں ہے یا حلال میں ہے بینوا توجروا۔

(ج) کتب فقہ میں تعیین اقسام غراب میں الفاظ مختلف ہیں مگر سب یہ فیصلہ خود کتب فقہ میں مذکور ہے کہ مدار اسکی خوراک پر ہے پس یہ کوا جو ان بستیوں میں پایا جاتا ہے اگر عقعق ہو تو بھی اسکی حلت میں شبہ نہیں ہے اسلئے کہ جب وہ بھی خلط کرتا ہے اور نجاست و غلہ و دانہ سب کچھ کھاتا ہے تو اسکی حلت بھی مثل عقعق کے معلوم ہوگی خواہ اسکو عقعق کہا جاوے یا نہ کہا جاوے فقط واللہ تعالیٰ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(ش ۳۴۴) زید اپنے آپکو حنفی بتاتا ہے مگر مولوی نذیر حسین دہلوی کا مداح ہے اور آمد و رفت بھی رکھتا ہے یوں کہتا ہے کہ جامع شواہد میں جو عقاید غیر مقلدین کے درج ہیں وہ غلط ہیں صاحب جامع نے غیر مقلدوں پر تہمت کی ہے زید مذکور اکثر بلکہ ہمیشہ غیر مقلدوں کے ساتھ شریک ہو کر انکی مسجدوں میں نماز پڑھتا ہے اب حنفیہ کی مسجد کا امام بننا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ غیر مقلدوں کی مدح کرنیوالے شخص کی امامت میں تو کیا حرج ہو سکتا ہے پس تو حنفیہ کی کتابوں سے رافضی اور خارجی کی امامت کا ثبوت دیدوں لیں ایسے شخص کی امامت اور وعظ سننا جائز ہے یا ناجائز مشرح قول فیصل تحریر فرما دیجئے کہ نزاع باہمی رفع ہو۔

(ج) غیب کی بات تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر اصل حال یہ ہے کہ اس زمانہ میں غیر مقلد تقیہ کر کے اکثر اپنے آپکو حنفی کہدیتے ہیں اور واقع میں حنفیہ کو مشرک بتلاتے ہیں خود مولوی نذیر حسین نے مکہ معظمہ میں غیر مقلد ہونے سے تبرّی اور حلف کیا اور حنفی اپنے آپکو بتلایا اور ہندوستان میں وہ ہر روز سخت غیر مقلد تھے اور اب بھی وہ ویسے ہی ہیں سو جب امام کا یہ حال ہو تو انکے مقتدی کیسے کچھ ہونگے اور مولوی نذیر حسین کا حنفیوں کو بدتر از یہود کہنا معتبر لوگوں سے سنا گیا ہے اور خود مخلص شاگرد ان کے تقلید شخصی کو شرک بتاتے ہیں تو ایسے شخص مداح اُن کا کسطرح حنفی ہو سکتا ہے یہ دعویٰ اُسکا قابل قبول نہیں بظاہر حال۔ اور جامع الشواہد سے لا مذہب دوسرے غیر مقلدین بھی تبرّی کرتے ہیں مگر جن جن رسائل سے صاحب جامع شواہد نے نقل کیا ہے اُنمیں ہرگز تحریف نہیں چنانچہ بعض سے بندہ نے بھی مطالعہ کر کے دیکھی ہے اور یہ عقاید بعض غیر مقلدین کے بعض معتبروں کی زبانی دریافت ہوئے اور وہ خود

اقرار کرتے ہیں پس یہ قول اُسکا قابل طمانینت نہیں اور حال زید کا جو اس سوال میں درج ہے بظاہر اُسکے غیر مقلد ہونیکی تصدیق کرتا ہے اور یہ کہنا اُسکا کہ کتب حنفیہ سے صحت امامت رافضی اور خارجی کی دیتا ہوں غلط ہے یہ بھی دلیل اُسکے غیر مقلد ہونے کی ہے۔ جو رافضی خارجی کفر کے درجہ میں ہیں اُنکی امامت کہیں نہیں لکھی اور جو فسق کے درجہ میں ہے اور کفر کے درجہ کو نہیں پہونچا اُسکی امامت کراہت تحریمہ ہوجاتی ہے اور اُسکے امام بنانیوالے برضا گنہگار ہوتے ہیں اور پہلے وقت کے رافضی خارجی اکثر ایسے ہوتے تھے پس غیر مقلدین اسوقت کے جیسا صاحب شواہد نے نقل کیا الا قلیل کر فاسق ہونگے اور جو غیر مقلد حنفیہ کو مشرک کہتے ہیں اور تقلید شخصی کو شرک بتاتے ہیں بیشک فاسق ہیں سو اُنکی امامت مکروہ تحریمہ ہے اور دانستہ اُنکو امام بنانا حرام ہے اگرچہ نماز مقتدیوں کی بکراہت تحریمہ ادا ہوجاوے اور نماز بھی جب ادا ہو کہ کوئی مفسد نماز نہووے ورنہ اس گروہ کو اس سے بھی باک نہیں ہے قے ہونے اور خون نکلنے سے یہ لوگ وضو نہیں کرتے اور انکو ناقض وضو نہیں جانتے بھلا اگر ایسے وضو سے امام ہونگے تو حنفیہ کی نماز کب اُنکے پیچھے درست ہوسکتی ہے گنگوہ میں ایک غیر مقلد نے اول فرض ظہر کے جمعہ کے دن تنہا قبل جمعہ پڑھے پھر بے خبری میں جو مولوی جاہل تھا اُنکو لوگوں نے امام جمعہ بنادیا تو جمعہ لوگونکو پڑھا دیا اور پھر لوگوں سے خود اقرار اس قصہ کا کیا۔ اب دیکھو تقلید اور دھوکا دہی اُنکا کام ہے جو عالم ہیں اور مولوی برکت علی شاگرد نذیر حسین کا تھا حنفیہ کے قاعدہ کے موافق اُسکا جمعہ بعد ظہر برباد گیا۔ یہ حال اُن لوگونکا ہے پس بشرطیکہ کوئی مفسد صلوۃ کا بھی غیر مقلد امام کرے تو بھی ایسے غیر مقلدوں کو جو حنفیہ کو مشرک بتاویں امام بنانا حرام ہے چہ جائیکہ اُنپر اعتماد بھی نہو۔ اور وہ غیر مقلد عامل بالحدیث جو ہوائے نفسانی سے خالی اور محض لوجہ اللہ تعالیٰ انصاف اور صدق سے عمل کریں اور کسی مقلد کو برا نہ کہیں اور سب کو حق پر جانیں بظاہر ہیں نظر نہیں آتے کوئی مخفی ہوگا۔ اس زمانہ کے چھوٹے بڑے پڑھے اور جاہل سب زبان سے تو اپنے آپکو حنفی بتلاتے ہیں مگر تقلید شخصی شرک ہی جانتے ہیں اور کہتے ہیں سب جھوٹے ہیں کچھ دروغ اور عنداالتحقیق قریب معلوم ہوئے پس ایسے شخص کی امامت ہرگز نہ کراویں اور ایسے شخص کا وعظ بھی سننا عوام کو نہیں چاہئیے کہ مآل اسکا اچھا نہیں اور مآل عدم تقلید بہت بد ہوتا ہے فقط واللہ اعلم کتبہ احقر رشید احمد گنگوہی

(تتمہ گوج) اس عنوان کو اس مسئلہ پر ختم کرتا ہوں جسکو حضرت امام ربانی قدس سرہ نے نہایت اہتمام کے ساتھ ارشاد فرمایا اور کہا کہ سننے والے دوسرونکو پہونچاویں عام لوگ اسکی طرف سے غافل ہیں اور بے خبری سے اُنکو بہت نقصان پہونچا رہی ہے وہ یہ کہ امام کے پہلے سلام کے ختم ہونے سے پہلے اگر مقتدی سلام ختم کریگا تو مقتدی کی نماز فاسد ہوجائیگی

اب حضرت مولانا کے دست مبارک کے تحریر کئے ہوئے چند فتاوی نذر ناظرین کرکے اس بحث کو ختم کرتا ہوں

فتاوی

(س ۱) کوئی پیر اس ارادہ سے مرید کرے کہ جب کوئی حاجت پیش ہوگی تو مریدوں سے روپیہ تحصیل کروں گا اور مرید کرنے سے مقصود اصلی اسکا اوقات بسری ہو اور ضمناً کسی قدر ہدایت بھی ملحوظ ہو اور صراحۃً مریدوں سے روپیہ لیوے کہ تم لوگ ہمارے مرید ہو کیوں نہیں مجھکو خرچ دیتے ہو اور سب چندہ کر کے روپیہ دے تو ایسے پیر کے ہاتھ پر مرید ہونا جائز ہے یا نہیں اور ایسا شخص پیری کے لائق ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

(ج) ایسا شخص مذکور فی السوال لائق بیعت نہیں ہے کیونکہ مشائخ نے اخذ بیعت کے لئے جو شرائط مقرر فرمائی ہیں ان میں ایک شرط زہد عن الدنیا بھی لکھتے ہیں قال الشیخ ولی اللہ قدس سرہ والشرط الثالث ان یکون زاہدا فی الدنیا راغبا فی الآخرۃ الخ پس جو شخص کہ تحصیل مال مریدین سے مراد رکھتا ہے وہ بذریعہ تعلیم دین کے دنیا حاصل کرتا ہے اور طریقہ حقہ الٰہی کو کسب حطام دنیا ٹھیراتا ہے اور وعید حدیث یخرج فی آخر الزمان رجال یختلون الدنیا بالدین الخ میں داخل ہے پس ہرگز قابل پیری کے نہیں اور بیعت اس سے حلال نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۲) کیا حکم شرع ہے اس مسئلہ میں کہ کسقدر فصل درمیان امام و جنازہ کے ضروری ہے اور غایت فصل امام اور جنازہ کے درمیان کہاں تک جائز ہے مع حوالہ کتاب بیان فرمایئے۔

(ج) امام صلوٰۃ جنازہ اور جنازہ میں وہ فصل مانع جواز صلوٰۃ کا ہے جو مابین امام و مقتدی جماعت صلوٰۃ مطلقہ کے مانع جواز اقتدا کا ہے کیونکہ اتحاد مکان امام و جنازہ کا شرط جواز صلوٰۃ ہے شرح منیہ وغیرہ کتب فقہ سے صاف واضح ہے اور جنازہ کو بعض وجہ سے حکم امام کا دیا ہے پس وہ فصل جو اقتدا کا مانع ہے وہی فصل جنازہ و امام کے مابین مانع جواز صلوٰۃ جنازہ ہوگا قال فی الدر المختار ویمنع من الاقتداء طریق تجری فیہ عجلۃ او نہر تجری فیہ السفن الخ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۳) صلوٰۃ جنازہ بطور دوام بلا تامل اس عذر سے کہ کوئی میدان وسیع قریب میسر نہیں بلا کراہت مسجد میں جائز ہے یا نہیں پھر اس عذر کی حالت میں صلوٰۃ جنازہ مسجد میں اولیٰ ہے یا طریق میں؟ اور علماء معتقدین مسجد میں ادا کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

(ج) راہ میں نماز جنازہ بایں عذر درست ہے اور مسجد میں مکروہ۔ واللہ اعلم۔

(س ۳) یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ یا مثل اسکے استعانت و امداد یاؤ ہائی وغیرہ کے الفاظ جو بعض قصیدہ وغیرہ میں موجود ہوں اسکا پڑھنا اس عقیدہ سے کہ جناب شیخ ان الفاظ میں یا ایک نوع کا اثر ہے جس سے مقصد برآری ہوتی ہے اور ہر امر میں متصرف ہونا اللہ واحد ہی کی شان ہے جائز ہوگا یا نہیں اور اس کا بطلان مع اس عقیدہ کے آیہ شریفہ فلما آتاہما صالحاً جعلا لہ شرکاء سے ہوسکتا ہے یا نہیں قطع نظر اسکے

فساد عقیدہ عوام اسمیں متصور ہے یا نہیں؟

(ج) اس کلمہ کو ہر حال پر پڑھنا ناجائز ہے کہ بعقیدہ علم غیب و تصرف اختیاری شرک ہے اور بدون اس کے محض برکت لفظی کے خیال سے مکروہ مگر جایز نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۵) ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ اصل مذہب امام صاحب کا معانقہ کے بارہ میں کیا ہے اور نماز عید کے بعد معانقہ کرنے کا کیا حکم ہے جائز ہے یا مستحب یا مکروہ اور مکروہ ہے تو کس قسم کی کراہت ہے تنزیہ یا تحریم؟

(ج) معانقہ کرنا بشرطیکہ کوئی مفسدہ اسمیں نہ ہو جایز ہے اور اگر کوئی مفسدہ ہے تو مکروہ تحریمہ و حرام ہے لقولہ علیہ السلام نہی عن المکامعۃ الحدیث اور مکامعہ کے معنی معانقہ ہے اور اگر کچھ فساد نہیں تو مطلقاً مباح ہے اور جو کوئی وقت اسکو بالخصوص کیا جاویگا تو بدعت ہو جاویگا جیسا کہ بعد عید کے عوام کے نزدیک یہ مثل ضروریات کے ہو گیا ہے کہ اگر کوئی نہ کرے تو اسپر اعتراض مثل ترک واجب کے کرتے ہیں لہذا اب بوجہ فساد عقیدہ عوام اور خواص کالعوام کے بدعت ہے چنانچہ مصافحہ مطلقاً سنت ہے مگر وقت تخصیص وقت کے بدعت ہوگیا ہے

قال فی رد المحتار وقد یقال ان المواظبۃ علیہا بعد الصلوات خاصۃ قد یودی الجہلۃ الی اعتقاد سنیتہا فی خصوص ہذہ المواضع وان لہا خصوصیۃ زائدۃ فی ہذہ المواضع علی غیرہا مع ان ظاہر کلامہم وانہ لم یفعلہا احد من السلف فی ہذہ المواضع ونقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انہ تکرہ المصافحۃ بعد الصلوۃ لکل حال الخ غرض جیسا کہ مصافحہ مسنونہ اس تخصیص سے بدعت ہوگیا ہے تو معانقہ مباحہ کو بطریق اولیٰ مکروہ بدعت کہنا ضرور ہوگا خصوصاً بحالت فساد میں جیسا کہ یوم عید میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۶) اگر مستورات کسی ایسے مکان کی چھت پر جو مسجد سے دو چار قدم کے فاصلہ پر واقع ہو صرف امام کی قرأت کی آواز کان میں آنے کی بنا پر اقتدا کرلیں خواہ صف نساء مقابل صف رجال ہو یا نہو تو ان کی نماز ہو جاویگی یا نہیں اور فرض ادا سمجھا جائیگا یا نہیں؟

(ج) اگر مسجد کے پاس مکان ہے ایسے فرق سے کہ درمیان مسجد اور مکان کے اسقدر راہ نہیں کہ جسمیں گاڑی چل سکے یا راہ ہی نہیں اور قدر قلیل فصل ہے تو اقتدا درست ہے اور جو ایسی راہ حائل ہو کہ گاڑی چل سکے تو اقتدا درست نہیں قال فی الدر المختار ویمنع من الاقتداء طریق تجری فیہ العجلۃ انتہی واللہ اعلم۔

(س ۷) ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ عرصہ چودہ سال سے زید مفقود الخبر ہے باوجود تجسس بلیغ کے اس مدت میں کہیں اُسکا نشان نہیں ملا زوجہ اُسکی جوان بعمر ۱۸-۲۰ سال موجود ہے اسکے گذارے کی کوئی صورت نہیں ابتک زیور فروخت کرکے بسر کی اب وہ بھی ختم ہوا۔ اگر واسطے مزدوری کے لوگوں کے گھر آمد و رفت کرے فتنہ عظیم کا خوف غالب ہے نہ کوئی اعزہ میں سے ایسا شخص موجود ہے جو اُسکی تربیت و حفاظت کرسکے صرف ایک ماں ہے کہ وہ بھی صبح و شام کی معدوم ہوتی ہے پس ایسی حالت میں کہ نہ کوئی اُسکا خبر گیر نہ نگراں سوائے مزدوری کے کوئی صورت بسر اوقات کی نہیں اور اسمیں فساد غالب مرتب ہونے والا ہے شرعاً اُس عورت کا نکاح کسی شخص کے ساتھ کردینا جائز ہے یا نہیں ؟

(ج) بسبب ضرورت کے اب مذہب امام مالک قدس سرہ پر عمل کرنا کہ بعد چار سال و عدۃ موت کے زوجہ مفقود نکاح کرلیوے درست ہے لہٰذا اس صورت میں نکاح اس زوجہ مفقود کا درست ہے کسی سے کردیا جاوے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۸) اگر موزہ اسفل کعب تک سیا ہوا ہو اور عین کعب و اعلیٰ کعب صرف بند حلقی سے مستور کیا جاوے تو اُسپر مسح جائز ہوگا یا نہیں ؟

(ج) جو موزہ بصفت یعنی اسفل کعب تک سیا ہوا ہو اور اوپر سے بند ہا ہوا ہو اور چلنے میں مقدار تین انگشت کی نہ کھلے اُسپر مسح درست ہے۔

(س ۹) اگر بانات کشمیرہ یا تخل اسکے اور کسی سوتی دبیز موٹے کپڑے کا موزہ بنوالیا جاوے تو اُسپر مسح جائز ہوگا یا نہیں ؟

(ج) ایسا دبیز کپڑا کہ پانی کو نشف نہ کرے اور چلنے میں گرے نہیں اُسکا موزہ درست ہے اور مسح اُسپر جائز ہے

(س ۱۰) شہد کا چھتہ اگر شئے مملوک میں لگا ہو تو قبل اخراج و اخذ شہد بھی مملوک ہوگا یا نہیں ؟

(ج) شہد کا چھتہ ارض مملوکہ غیر سے توڑنا بشرطیکہ اُس نے پانی وغیرہ ڈالکر پھیلایا ہو توڑنا جائز ہے واللہ اعلم

(س ۱۱) ہم چند مسلمان اپنی کم ہمتی سے نماز تہجد کی توفیق نہیں رکھتے اس دولت سے محرومی بہت حسرت

دلاتی ہے خیر ہمیشہ مداومت کے ساتھ ہونا تو دشوار ہی ہے ماہ مبارک رمضان بھر بھی نہیں ہو سکتی مگر ایک صورت سے البتہ بسہولت ممکن ہے اگر اسکی اجازت مرحمت ہو اور کسی قسم کی قباحت نہ ہو تو رمضان المبارک بھر اس دولت عظمیٰ سے مستفیض رہیں اور وہ یہ ہے کہ آخر شب میں نماز تہجد جماعت سے ادا کریں اور ایک پارہ روزانہ سن لیا کریں جیسا ارشاد ہو عمل کریں۔

(ج) اگر جماعت تہجد میں تین مقتدی اور ایک امام ہو تو نماز تہجد جائز ہے مگر اسکا التزام ناجائز ہے پس چاہیئے کہ کبھی جماعت سے پڑھ لیا کریں اور کبھی بغیر جماعت کیونکہ التزام سے وہی مفسدہ لازم آئیگا جسکے سبب سے فقہاء منع کرتے ہیں اور جس سے تہجد کے وقت التزام نہ ہو سکے وہ اول شب میں نفل پڑھ لیا کرے تو تہجد کا ثواب ہوتا ہے واللہ اعلم۔

(س ۲۱) جب کنوئیں کی رسی نجس زمین پر پڑی رہتی ہو اور وہاں کی کیچڑ سے آلودہ اور جوتوں سے پامال ہوتی ہو یہ رسی اگر کنوئیں میں گرے یا بھیگ کر اسکا پانی کنوئیں میں ٹپکے تو وہ کنواں بمذہب حنفی نجس ہوگا یا نہیں اور وہ رسی اگر تر ہاتھوں کو لگے تو ہاتھ نجس ہوں گے یا نہیں پھر وہ ہاتھ جو پانی اور ڈول کو لگے تو اس پانی اور ڈول کا کیا حکم ہے؟

(ج) جس رسی کا نجس ہونا یقینی ہو اسکے کنوئیں میں جانے سے پانی نجس ہو جاتا ہے حسب مذہب حنفیہ شک نہیں ہے۔ ایسے ہی اگر ہاتھ اس رسی میں لگیں تو وہ ہاتھ بھی پاک نہیں رہتے ناپاک ہو گئے مگر جب اس زمین کے نجس ہونے پر مدار ہے تو اول اسکی تحقیق چاہیئے کہ وہ زمین نجس ہے یا نہیں پس جب وہ زمین نجس ہے تو اسپر گیلی رسی کا پڑنا اور ہاتھ لگنا بیشک کنوئیں کی نجاست کا سبب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۲۲) جو کنوئیں مکان کے اندر خواہ باہر خواہ شارع عام پر ایسے ہیں کہ جن میں ہندو و مسلمان سب پانی بھرتے ہیں اور یقینی گمان ہے کہ جس ڈول یا گھڑے سے ہندو پانی بھرتے ہیں وہ گوبر سے لیپی ہوئی جگہ یا دوسری جا نجس پر رکھے جاتے ہیں یا ہندو لوگ اپنے نجس ہاتھوں سے ان گھڑوں اور ڈول کو چھوتے ہیں یا ہنود کے نجس کپڑوں میں وہ ڈول اور گھڑے آلودہ ہو کر ان کنوؤں میں جاتے ہیں پس ان سب صورتوں میں پانی ان کنوؤں کا نجس ہے یا طاہر اور جو کنوئیں مکان کے اندر یعنی مسلمانوں کے گھروں میں ہیں انپر ہنود کھڑے ہو کر پانی بھرتے جاتے ہیں اور نہاتے جاتے ہیں اور ان کے جسم سے قطرے پانی کے ٹپک ٹپک کر کنوئیں میں جاتے ہیں اور تمام چھینٹیں اس پانی کی کنوئیں کے اندر جاتی ہیں اس صورت میں پانی ان کنوؤں کا

ناپاک ہوجاتا ہے یا طاہر رہتا ہے؟

(ج) مسائل چاہ میں بضرورت وسعت کو اختیار کیا جاتا ہے اور جو مسئلہ مختلف فیہ مجتہدین کا ہوتا ہے اُنہیں وسعت کی رائے کو اختیار کرلینا وقت حرج وعموم بلوے کے درست لکھتے ہیں پس ایسی صورت میں جب تک کہ عین نجاست کا گرنا چاہ میں معلوم ومشاہد نہو اُسکو ناپاک نہ کہنا چاہئے بلکہ اگر خود گرتا بھی دیکھ لیوے جب بھی برائے ضرورت وبلوے اُسکو ناپاک نہیں کہہ سکتے۔ دیکھو کہ مینگن اونٹ بکری کی امام صاحب کے یہاں نجس ہے مگر جنگل کے چاہ میں اگر نصف آب چاہ تک مینگنیوں سے ڈھک جاوے جب بھی پاک لکھتے ہیں بضرورت۔ کیونکہ امام مالک کے یہاں مینگن نجس نہیں تو اب ہندوستان میں خصوصاً گاؤں میں جب گوبر کا اور پیشاب گائے بیل کا یہ عمل در آمد ہے تو چاہ ہرگز پاک نہیں رہ سکتا لہذا ایسے امور سے چشم پوشی ہو اور جب تک مشاہدہ نہو جاوے بلکہ دیکھکر بھی استعمال آب کرتا رہے کذا یفہم من کتب الفقہ۔

(س ۴۱) امام نے فرض نماز مغرب یا عشاء یا فجر یا جمعہ کی باجماعت پڑھائی اور ہنوز تین آیت سے کم یا تین آیت کی برابر یا زیادہ کے پڑھنے کی نوبت آئی ہے کہ امام کو قرأت میں سہو ہوا اور اُس جماعت میں سے کسی مقتدی نے امام کو لقمہ دیا اور امام نے لقمہ لیکر نماز کو تمام کیا پس اس صورت میں نماز صحیح ہوئی یا فاسد؟

(ج) صحیح یہ ہے کہ اپنے امام کو لقمہ دینے سے نماز نہیں جاتی خواہ حاجت پر بتاوے خواہ بلا حاجت امام لیوے یا نہ لیوے۔ تین آیت سے قبل بتاوے یا بعد کسی حال نماز امام ومقتدی کی دونوں کی نہیں جاتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۵۱) ایک شخص نے سود لے کر روپیہ جمع کیا اور بعد کو اس فعل سے بصدق دل توبہ کرلی پس اب بعد توبہ کے اُس شخص کا وہ روپیہ اپنے صرف میں لانا جائز ہے یا نہیں اور در صورت ناجائز ہونے کے یہ روپیہ کسی طرح کسی کو دینا جائز بھی ہے یا نہیں اور اگر کسی کو بھی دینا جائز نہیں ہے تو اس روپیہ کو کیا کیا جاوے؟

(ج) سود سے جو روپیہ جمع کیا گیا ہو وہ توبہ کرنے سے حلال نہیں ہوجاتا البتہ اس فعل کا گناہ توبہ کرنے سے معاف ہوجاتا ہے مگر حق غیر صرف توبہ سے معاف نہیں ہوسکتا۔ اب وہ مال اُن لوگوں پر واپس کرنا ضروری ہے کہ جن سے وہ مال سود میں لیا گیا اور اگر وہ معلوم نہوں اور تحقیق اُنکی یا اُن کے وارثین کی نہو تو پھر بہ نیت ایصال اُن کے جن کے یہ مال ہیں ایسے فقرا پر صدقہ کرنا واجب ہے کہ جن کے پاس آج صبح کا کھانے کو نہو اور ایسے صدقہ سے خود امید اپنے ثواب کی رکھنی خطا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۱۶) ایک شخص کے مکان سے مسجد ملی ہوئی ہے مگر یہ شخص نمازِ فجر کو مسجد میں نہیں آتا اور عذر یہ کرتا ہے کہ جب تک میں اٹھوں اور استنجا اور وضو سے فراغت کروں جماعت ہو جاتی ہے اور کہتا ہے کہ حضرات صحابہؓ جب کسی عذر سے نمازِ فجر کی جماعت میں حاضر نہ ہو سکتے تھے تو بوجہ حجاب کے نماز گھر میں ادا کر لیتے تھے لہذا میں بھی گھر میں پڑھ لیتا ہوں پس یہ عذر اُسکا صحیح ہے یا غلط؟

(ج) جماعت بعض کے نزدیک واجب ہے اور اسمیں کسی کو انکار نہیں کہ وہ سنت موکدہ ہے پس اگر احیاناً کسی عذر سے جماعت فوت ہو جاوے تو امید عفو ہے مگر جو شخص ترک جماعت پر مطلقاً یا کسی خاص وقت میں مداومت کرے اور اُسکا کچھ تدارک نہ کرے اور اسکے انتظام کے درپے نہ ہو وہ فاسق ہے اور اُسکو اس فعل کا چھوڑنا ضروری ہے مگر جب یقین ہے کہ جماعت ہو چکی تو پھر مسجد میں آنا کچھ ضروری نہیں ہے چاہے گھر میں پڑھ لے چاہے مسجد میں آکر پڑھ لے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۱۷) ایک شخص مسمی زید جو محض جاہل شریر مفسد بدون نماز روزہ سے کچھ کام نہیں رکھتا اپنی زوجہ کو تکالیف مہلکہ پونہچاتا ہے کلمات کفر و شرک جو چاہتا ہے بکتا ہے چنانچہ حضرت علیؓ کو خدا کہدیا عقیدہ بھی ایسا ہی کچھ خراب رکھتا ہے پس ایسے کلمات کفر و شرک بکنے سے اُسکی زوجہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(ج) اگر اُسکے کلمات کفر صریح ہوں اُنکی تاویل نہ ہو سکتی ہو تو وہ مرتد ہے اور نکاح اُسکا فسخ ہو جائیگا اُسکے عورت کی وقت فسخ سے بعد عدت کے اور جگہ مناکحت جائز ہے۔

(س ۱۸) پیتل یا پھول کے ظروف میں بدون قلعی کے پانی کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

(ج) پیتل و کانسی کا برتن اور سوائے ان کے سب درست ہیں مگر جسمیں کسی قوم کفار وغیرہ سے تشبہ لازم آوے وہ بوجہ تشبہ کے ناروا ہو جاویگا اور وہی ظرف جسجگہ تشبہ نہو درست ہو جائیگا فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۱۹) مدت رضاعت امام صاحب کے نزدیک ڈھائی سال اور صاحبین کے نزدیک دو سال اور امام زفر کے نزدیک تین سال ہے اس سے زیادہ کسی لاغر و ضعیف بچہ کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں اور مدت رضاع لڑکے اور لڑکی دونوں کے لئے برابر ہے یا کم و بیش؟

(ج) مدت رضاعت کی دو سال ہے علی الاصح المفتی بہ پس اس سے زیادہ بسبب ضعف کے پلانا درست نہیں اور صبی و صبیہ دونوں اسمیں برابر ہیں کچھ تفاوت نہیں للعموم قال الدر المختار ولم یبح الارضاع بعد مدتہ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور صحیح نہیں کے بعد دو برس پلانا درست نہیں الخ

(س ۲۰) معتکف اگر مسجد سے باہر ہونے کی حالت میں کلام کرے تو اعتکاف رہا یا نہیں اور اگر نہیں رہا تو دوسری نیت سے اعتکاف تمام کرنے میں شریعت کا کیا حکم ہے ؟

(ج) معتکف کو مسجد سے باہر کلام کرنا ہر طرح درست ہے اس سے ہرگز اعتکاف میں نقصان نہیں ہوتا جیسا حال کلام کا مسجد میں ہے ویسا ہی خارج مسجد ہے پھر اگر کسی نے کلام کیا اور اسکو مفسد اعتکاف جانکر دوبارہ نیت اعتکاف کرلی اس سے بھی کچھ حرج نہیں ہوا پہلا اعتکاف ہی ہو جاویگا۔ واللہ اعلم۔

(س ۲۱) انگریزی اکثر دواؤں میں شراب یا جوہر شراب کی آمیزش ہوتی ہے مگر یہاں اسکے علاوہ چونکہ دوسرا علاج ہی نہیں اسلئے کیا کیا جائے۔ مرہم یا عطر جسکی حالت آمیزش جوہر شراب میں دوا جیسی ہو جسکے لگانے اور اس کپڑے سے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے ؟

(ج) جس دوا میں خلط شراب یا جوہر شراب ہو وہ نجس ہے اور استعمال اسکا حرام ہوگا کہ وہ شرعاً ناپاک ہے پس علاج ترک کرنا چاہئے علی ہذا جس عطر میں جوہر شراب ہوگا وہ نجس اور پارچہ بھی نجس ہوگا استعمال بھی ناجائز ہوگا جواب مسئلہ کا تو یہ ہوا اب رہا یہ کہ دوسرا علاج وہاں نہیں سو اگر ترک علاج کرے تو بہتر ہے مگر جب اضطرار کی نوبت پہنچے تو اسوقت مباح ہوگا لہٰذا اگر ایسی حالت میں دوا کا استعمال کرے تو بدن و پارچہ کو محفوظ رکھے اور برتن کو پاک کرے۔

(س ۲۲) نماز یا وظیفہ میں اگر حضور قلب نہ ہو تو ایسی نماز و وظیفہ کا کیا حکم ہے صحیح ہوگی یا نہیں ؟

(ج) جو نماز بلا حضور ہے فرض اس سے ساقط ہو جاتا ہے حضور فرض رکن صلوٰۃ کا نہیں اور جو وظیفہ بلا حضور پڑھا جاوے اسکا ثواب ہوتا ہے مگر حضور کی صورت میں اجر زیادت ہے واللہ اعلم۔

(س ۲۳) گھی گرم کیا ہوا رکھا تھا اسمیں لڑکے نے ناپاک ہاتھ ڈالدیا اب اس گھی کو کس طرح پاک کیا جاوے اگر تھوڑا سا ہوتا تو اسقدر وقت نہ تھی سات آٹھ روپیہ کا ہے ؟

(ج) اگر گھی سخت ہو تو جس جگہ ہاتھ نجس لگا ہے وہاں سے تھوڑا تھوڑا نکالکر الگ کر دو باقی کو کھا لو اور اس الگ کردہ کو پاک کر لو اور جو پتلا بہتا ہوا تھا جیسا گرمی میں ہوتا ہے تو سارے کو پاک کر لو اور گھی کے پاک کرنے کی یہ صورت ہے کہ اسمیں پانی ڈالو اسقدر کہ پانی کے اوپر گھی ہو جاوے اسکو آگ پر رکھو کہ سب پگھل جاوے اور پانی جل جاوے اس طرح تین بار پانی جلا دو پاک ہو جاویگا اگرچہ اسطرح گھی خوشبودار نہیں رہتا مگر پھر الائچی وغیرہ سے خوشبودار کرکے استعمال کر لینا۔

(س ۲۴) ایک شخص نے تجارت میں کسی ایسے شخص کو شریک کیا جسکے پاس رشوت وغیرہ کا روپیہ یا غصب کا

مال ہے پس اُسکی شرکت سے اس شریک اول کا پاک مال تو ناپاک نہوگا اور نفع میں حرمت نجاست تقسیم ہوگی

(ج) مال خبیث جس مال میں ملجاویگا وہ خبیث ہوجاویگا اختلاط کے بعد کسی جزو کو امتیاز کر سکتے ہیں پس اگر مال خبیث مثلاً رشوت کا مال تھا اُسکو جدا کرنا چاہیے تو جس سے رشوت لی ہے اُسکو وہ قدر واپس کر دیوے تو باقی مال حلال ہوجاویگا اگر وہ شخص اور اُسکے ورثہ نہیں مل سکتے تو اُسقدر روپیہ اس نیت سے صدقہ کردیوے کہ قیامت کے دن اہل حقوق کو دلایا جاوے۔ علی ہذا غصب کے روپیہ کا حال ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(س ۲۵) جس مال تجارت پر زکوٰۃ واجب ہے اُسکی زکوٰۃ خرید اور لاگت پر حساب کیجائیگی یا اُس مشتہر مع نفع قیمت پر جسپر بیچنے کا قصد ہے۔

(ج) زکوٰۃ کے اسباب کی آخر سال میں قیمت فروخت بازار کر کے اُسکی زکوٰۃ دیوے اصل خرید سے کام نہیں اگر نقصان قیمت میں ہے یا نفع اُس قیمت کی زکوٰۃ دیوے جو دینے کے روز اسباب تجارت کی قیمت ہے

(س ۲۶) ملازم پیشہ شخص جسکا تنخواہ پر گزارہ ہے ہر مہینہ آتا ہے اور خرچ ہوتا ہے اُسپر زکوٰۃ کسطرح واجب ہوگی اور ادا کا کیا طریق ہوگا اور اگر سال کے اندر وقتاً فوقتاً بنیت زکوٰۃ دیتا رہا تو وہ محسوب ہوگی یا نہیں؟

(ج) نوکر آدمی کے ہاتھ میں جسوقت روپیہ آیا مثلاً ۵۰ نقد وہ اُسی وقت مالک نصاب ہوگیا پھر اُس نے ایکماہ میں مثلاً تیس خرچ کئے بیس باقی رہے دوسری تنخواہ ملی پھر ستر ہوگئے پھر خرچ کئے کچھ کم ہوگئے پس جب سال تمام ہوا تو اُسوقت کی جمع کو دیکھے تو جسقدر اُسوقت روپیہ موجود ہے اُسکی زکوٰۃ دیوے مثلاً ہر ماہ کی بیس بچت تھی سال تمام پر ۲۴۰ ہوئے تو ۲۴۰ کی زکوٰۃ دیوے ۶ر ۔ اگر وقتاً فوقتاً تھوڑی تھوڑی زکوٰۃ سال بھر ادا کرتا رہا ہے تو آخر نہایت سال میں مال موجودہ کو دیکھے اور اپنی زکوٰۃ دادہ کو دیکھے اگر قدر مال موجودہ کی دے چکا ہے تو ادا ہوا اور جو کچھ اسقدر موجود میں باقی بحساب دیدیوے اور جو زیادہ دی اگلے سال میں مجرا لیوے اور سال بھر میں جو پیشگی دے چکا ہے وہ محسوب نہیں ہوتا پیشگی دینے میں یہ فائدہ دینے والے کا ہے فقط

(س ۲۷) ایک خریدار سے اپنی شے کی قیمت کچھ کہنی اور دوسرے سے کچھ یا ایک ہی سے اول ایک قیمت کا ظاہر کرنا اور پھر کم قیمت پر دیدینا صحیح ہے یا کچھ قباحت ہے؟

(ج) اپنے مال کا مختار ہے کسی کو روپیہ کو دیوے اور دوسرے کو دس روپیہ کو دیوے کچھ حرج نہیں۔ اور اول قیمت زیادہ کہہ کر کم کو دینا درست تو ہے مگر ایک قسم کا جھوٹ ہے۔ مگر چونکہ اس زمانہ میں یہ اسکے چلن

نہیں چنداں گناہ نہیں۔ اگر صدق اختیار کرے تو بعد چندے سب کو حال معلوم ہو جاتا ہے ہو سکے تو بہتر ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۲۸) سوکھی مُردار مچھلی کی تجارت جو بہادر بنگال میں عام رواج ہے اور تمباکو یا تاڑی پڑی ہوئی ڈبل روٹی کی تجارت جائز ہے یا نہیں اور کفار کے میلوں تہواروں میں دوکان لیجانیکا کیا حکم ہے؟

(ج) سوکھی مچھلی کی اور تر کی سب کی بیع شرا حلال ہے۔ جیسے کھانا حلال ہے بیع کیوں حلال نہووگی وہ مردار حرام نہیں ہوتی مُردار مچھلی کا حلال ہے۔ تماکو فروخت کرنا مکروہ ہے گو مال ہونے کی وجہ سے قیمت حرام نہیں مگر کراہت کی وجہ سے اعانت مکروہ کی ہے لہذا مکروہ ہے۔ ڈبل روٹی جس میں تاڑی پڑے ناجائز ہے امام محمد کے نزدیک کیونکہ تاڑی اُن کے نزدیک مثل شراب کے ہے پس اُسکی بیع بھی ناجائز ہووگی اور امام صاحب کے نزدیک کھانا بھی جائز بیع بھی درست فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے احتیاط چاہئے کفار کی عید میلہ میں جانا بھی حرام اور مال کا خرید و فروخت بھی حرام واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۲۹) گذری جو گائے بھینس پالتے اور اُن کا دودھ فروخت کرتے ہیں۔ اِن جانوروں کی زکوٰۃ کسطرح ادا کریں اور بچہ والے جانوروں کا دودھ بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ یا کسی شخص کے پاس گھوڑے ٹٹو ہیں جو کرایہ پر چلتے ہیں یا بیل گاڑی ہے جسکی قیمت سو روپیہ یا اس سے بھی زائد ہے اُسپر زکوٰۃ اس مال کی واجب ہے یا نہیں؟

(ج) جس جانور کے شیر کو فروخت کرتا ہے اُسمیں زکوٰۃ نہیں ہے اگر اپنے گھر سے کھلاتا ہے اور اگر جنگل میں چرتا ہے تو بشرط نصاب عدد کے بعد حولان حول زکوٰۃ آویگی اور جو تجارت کی ہے تو قیمت اگر نصاب کو پہونچ جاویگی تو زکوٰۃ ہوویگی ورنہ نہیں پس گائے بھینس کو اگر تجارت کی نیت سے خرید کیا تو اُسکی قیمت میں زکوٰۃ ہوویگی اور شیر فروشی کا کچھ ذر نہیں اگر وقت حولان حول قیمت شیر ہوا اُسکو بھی قیمت کے ساتھ اور دیگر اپنے اموال کے ساتھ جمع کر کے مجموعہ سے زکوٰۃ دیوے۔ جانور کرایہ میں زکوٰۃ نہیں ہے نہ یہ سائمہ جنگل کا ہے نہ تجارت کا ایسا ہی گاڑی بیل کا حال ہے۔

(س ۳۰) ایک شخص ملازم پیشہ ہے اسکے آقا کو اگر کسی ایسے کام میں جانا پڑے جو شرعاً ناجائز ہے تب بھی اپنے ملازم کو خدمت کے لئے ساتھ رکھتا ہے اور نوکر کو مجبور جانا پڑتا ہے پس اس ملازم مسلمان پر اس فاسق یا کافر کی خدمت و معاونت کے متعلق شریعت کیا حکم دیتی ہے؟

(ج) جو شخص سفر معصیت کا کرتا ہے اُس سفر میں اُسکا کاروبار کرنا اور ساتھ جانا درست ہے مگر اس فعل معصیت

ہیں شریک ہونا چاہیے خواہ مشرک کافر کا نوکر ہو خواہ کسی مسلمان فاسق کا بہرحال سفر میں اُسکا کام کرنا درست ہے اور ساتھ جانا بھی درست ہے بسبب روزگار کے کہ اپنا کام روزگار کرتا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(س ۱۴۲) طاعون مروجہ حال کے بارہ میں جو احادیث نقل کیجاتی ہیں وہ کس درجہ کی ہیں صحیح قابل استناد ہیں یا ضعیف و معلول ہیں منجملہ اُن کے دو حدیث کا متن لکھتا ہوں ان دونوں کی صحت دریافت طلب ہے ایک حدیث یہ ہے اذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تدخلوہا واذا وقع بارض وانتم فیہا فلا تخرجوا منہا اور دوسری حدیث یہ ہے ومن فر کان کالفار من الزحف اور بتقدیر صحت استفسار یہ ہے کہ لفظ ارض سے کونسی زمین مراد ہے شہر یا قریہ یا مکان اقامت یا محلہ شہر جو کچھ مراد ہو اُسکی تعیین فرمائی جاوے اور نہی اس حدیث سے تحریمی ہے یا تنزیہی پس جو شخص اُس پر کاربند ہو وہ شرعاً گنہگار ہوگا یا نہیں اور لفظ فرار سے جو دوسری حدیث میں واقع ہے کیا مراد ہے آیا مطلق خروج از مقام طاعون یا خروج خاص جیسے شہر کا باشندہ دیہات میں چلا جاوے یا دوسرے شہر میں نکل جاوے جو معنی مراد ہوں ظاہر فرمائے جاویں۔ ثانیاً دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس ممانعت خروج سے کیا مصلحت ہے اکثر تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ مقام طاعون سے چلے گئے ہیں وہ مع جملہ قبائل کے اس بلا سے محفوظ رہے ہیں اور جو لوگ وہیں مقیم رہے اکثر اُن میں سے مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے جس سے انگریزوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ وہاں سے ہٹ جانا بھی اُسکا علاج ہے پس جو کوئی وہاں سے بہ نیت علاج ہٹ جاوے وہ شخص عندالشرع گنہگار تو نہوگا کیونکہ نیت اُسکے فرار کی نہیں ہے بلکہ تبدیل مکان بقصد علاج ہے جسکی اجازت خود شرع سے مفہوم ہوتی ہے۔

(ج) یہ روایات صحیح ہیں اور مقصود یہ ہے کہ جس شہر میں طاعون ہو اُس شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں نہ جاویں کیونکہ اسمیں بے مروتی اور تقدیر سے بھاگ کر تدبیر پر پورا بھروسہ ہے حالانکہ مسلمان کو تقدیر پر مطمئن ہو کر اور اُسپر بھروسہ ہو کر پھر تدبیر کی اجازت دیگئی تھی۔ اگر سب لوگ طاعون زدہ شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں چلے جاوینگے تو اس شہر کے مریضوں اور مُردوں کی خبرگیری کے لئے کوئی بھی نہ رہیگا البتہ اگر اُسی شہر کے دوسرے محلہ میں یا اُسکے آس پاس جنگل اور باغوں وغیرہ میں چلے جاویں ایسی طرح کہ اہل شہر کی خبر لیتے رہیں تو درست ہے اور جب شہر سے چلے جاوینگے تو نیت و قصد علاج سے یہ ممانعت مرتفع نہوگی بلکہ وہ بھی گناہ میں داخل ہے البتہ اگر کسی اور ضرورت کی وجہ سے وہاں سے چلا جاوے مثلاً ملازم سرکاری ہے اب اسکو چھٹی ملگئی ہے تو وہاں سے چلا جانا معصیت نہوگا واللہ اعلم۔

(س ۳۲) بعالیجناب حضرت مولانا رشید احمد صاحب دام اللہ فیوضہم بعد سلام مسنون کے عرض پرداز ہوں کچھ ضروری امور بامید جواب عرض کرتا ہوں بامید وار ہوں کہ بترتیب جواب سے معزز فرمادیں۔

(۱) نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو استغفار کا حکم اور اسکے منافع بتلائے وہ منافع کیا انہیں کے لئے مخصوص تھے یا ہمارے واسطے بھی وہی منافع ہیں ؟

(۲) قرآن شریف میں استغفار کے واسطے بہت جگہ ارشاد فرمایا ہے اور صحیح حدیث میں بہت کچھ فضائل ارشاد ہوئے ہیں تو یہ فضائل کن الفاظ کے پڑھنے سے اور کسقدر پڑھنے سے حاصل ہوتے ہیں صرف استغفر اللہ کے پڑھنے سے یا استغفر اللہ الذی لا الہ الا ہو الحی القیوم واتوب الیہ کے پڑھنے سے یا اللھم اغفرلی وتب علی انک انت التواب الرحیم کے پڑھنے سے اور ان تینوں صیغوں میں افضل کسکا پڑھنا ہے اور کسقدر پڑھنے سے فضیلت موعودہ حاصل ہوسکتی ہے ؟

(۳) جتنی دیر میں استغفر اللہ استغفر اللہ ہزار مرتبہ پڑھا جاتا ہے اُسی قدر دیر میں استغفر اللہ الذی الخ یا اللھم اغفرلی الخ تین سو بار پڑھا جاتا ہے پس اول کا ہزار مرتبہ پڑھنا بہتر ہے یا آخر میں سے کسی ایک کا تین سو بار پڑھنا بہتر ہے ؟

(۴) اگر بغیر حضور قلب کے استغفار پڑھا جائے تو اس صورت میں فوائد و منافع استغفار کے حاصل ہوں گے یا نہیں یا بلا حضور پڑھنے سے گنا ہگار ہوتا ہے ؟

(۵) اگر کوئی ایسا شخص جس نے روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف پایا ہوا اور بسبب ایکبار دیکھ لینے کے آپ کے روضہ منورہ کا تصور صحیح طور پر کرسکتا ہو اگر یہ خیال کرکے کہ میں روضہ منورہ کے سامنے موجود ہوں درود شریف پڑھا کرے اور اسطرح خیال کرکے پڑھنے سے اسکے قلب میں رقت اور آنحضرت روحی فداہ کی محبت زیادہ ہوتی ہو تو ایسا خیال کرکے درود پڑھنا کیا بت پرستی میں داخل ہے اور پڑھنے والا گنا ہگار ہوتا ہے یا ثواب پاتا اور اسکا فرہ جو رقت قلب و حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ از دیاد محبت پیدا ہوتا ہے وہ القاء رحمانی ہے یا وسوسہ شیطانی ؟

(۶) اللھم صل علی سیدنا محمد وآلہ وسلم پڑھنا بہتر ہے یا اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد وآلہ بعدد کل معلوم لک پڑھنا بہتر ہے پہلا درود جس عرصہ میں ایک ہزار دفعہ ہوتا ہے دوسرا پانسو مرتبہ پس پہلے کی ایک ہزار تعداد کا زیادہ ثواب ہے یا دوسرے کی پانسو مقدار کا ؟

(۷) صلوۃ اشراق کا وقت آفتاب کے ایک نیزہ بلند ہونے پر ہوجاتا ہے اگر کسی شخص کا وظیفہ معمولی ۹ بجے

دن تک ہو تو وہ شخص آفتاب کے بلند ہونے پر وظیفہ کے درمیان اشراق کی نماز پڑھے یا وظیفہ ختم کرکے نو بجے اشراق پڑھے کونسی صورت افضل ہے؟

(ج) بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند آپ کا خط آیا حال دریافت ہوا بندہ کو ماہ ربیع الاول سے ابتک ایک ضعف اور بخار خفیف ہے سبق بند اور کاروبار سب ابتر اور اس تمام نواح میں بخار کی کثرت ہے مختصر طور سے جواب حاضر ہے

(۱) استغفار کے منافع اس امت کے واسطے بھی وہی ہیں جو حضرت نوح نے فرمایا تھا قرآن میں اس امت کو انہوں نے کو ذکر فرمایا ہے۔

(۲ و ۳) استغفار کے معنی بخشش چاہنے کے ہیں جس لفظ سے بخشش چاہتا ہوگا بس وہی استغفار ہے خواہ کسی زبان میں ہو خواہ کسی صیغہ میں ہو اگر کوئی کہے الٰہی میری توبہ ہے یہ بھی استغفار ہے اور اگر کہے الٰہی بخشدے یہ بھی استغفار ہے اللھم اغفرلی اور استغفر اللہ یہ بھی استغفار ہے غرض کسی لفظ سے استغفار کرے جو فضیلت استغفار کی ہے سب میں حاصل ہوگی مگر وہ صیغہ کہ اسکی فضیلت حدیث میں آگئی ہے اسمیں زیادہ ثواب ہوگا اسواسطے استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ یہ افضل ہے اسواسطے کہ متضمن ہے کلمہ توحید اور صفات حق تعالےٰ کی اس میں زائد ہیں ورنہ نفس استغفار میں سب برابر ہیں پس گھڑی بھر میں اگر استغفر اللہ استغفر اللہ مثلاً ہزار دفعہ اور اتنی ہی دیر میں مثلاً استغفار حدیث کو سو بار کہے تو بوجہ استغفار کے وہ افضل ہوگا اور بوجہ اس فضیلت توحید کے یہ افضل ہوگا فضیلت کلی نہیں دیکھتا بعض وجہ کر وہ افضل ہے اور بعض وجہ کر یہ افضل ہے۔

(۴) بغیر حضور کے استغفار پڑھنے میں جو فضائل کہ استغفار کے ہیں حاصل نہیں ہوتے مگر ثواب سے خالی بھی نہیں ہے

(۵) تصور روضہ مطہرہ کا وظیفہ کے وقت میں اگرچہ بت پرستی تو نہیں مگر میں پسند نہیں کرتا۔

(۶) درود کے صیغوں کا وہی جواب ہے جو استغفار میں لکھا گیا۔

(۷) اشراق کا وقت بلندی یک نیزہ سے شروع ہوکر ایک ربع دن تک رہتا ہے جب چاہے پڑھے بلکہ موخر کرکے پڑھنا اولیٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم فقط

اول اپنے ہاتھ سے لکھنا شروع کیا تھا لیکن بوجہ بخار کے نہ لکھ سکا اسلئے دوسرے کے ہاتھ سے پورا کرکے بھیجتا ہوں والسلام

(س ۳۳) اولیاء اللہ اور صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں باعتبار ولایت و تقرب کے فرق بعید ہے جیسا کہ احادیث میں صحابہ کی معصیتوں کے تذکرے آتے ہیں اور سزائیں بھی دنیا یا قبر یا آخرت کی منکشف ہیں اور اولیاء اللہ تو سراپا طاعت اور عبادت کے عادی و خوگر ہوتے ہیں گویا معصیت و نافرمانی جانتے ہی نہیں کہ کیا ہے اگر انکی

عمر بھر کے حالات سنے جائیں اور سوانح دیکھی جائیں تو سوائے کشف و کرامات اور محویت و استغراق کے دنیا کی طرف توجہ نظر ہی نہیں آتی اُن کے بارے میں الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون ارشاد خداوندی ہے اِس تقریر پر تفرع ہو کر بہتیرے واہیات خیالات وساوس وارد ہوتے ہیں اِس لئے متمنی ہوں کہ اس مسئلہ کی تقریر فرما کر مطمئن فرما دیں ؟

(ج) اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ اور اول درجہ کے اولیا ہیں ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کے برابر اعلیٰ سے اعلیٰ ولی بعد صحابہ کا نہیں ہو سکتا۔ شیخ عبد القادر جیلانی بایں مرتبہ عظمیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ کہ لوگوں کے نزدیک ادنیٰ ہیں اور طرح طرح کے اُن پر حرف لگاتے ہیں اس درجہ کے ہیں کہ اُن کے گھوڑے کے سُم کی خاک میری آنکھ میں اگر پڑ جاوے تو میری نجات و سعادت ہے۔ عوام یوں جانتے ہیں کہ ولایت کشف و کرامات خلوت نشینی کا نام ہے" یہ غلط ہے ولایت "مقبولیت و اتباع کا نام ہے" یہ اشغال و مراقبات جو ایجاد کئے ہیں اس واسطے ہیں کہ جو مرتبہ حسن اخلاق و معاملات کا صحابہ کو حاصل تھا اُسکا کچھ شمہ ان اشغال کے ذریعہ سے حاصل ہو جاوے غرض ادنیٰ صحابی اعلیٰ ولی بعد قرن صحابہ سے افضل ہے باقی رہا عذاب کا ہونا تو اولیاء اصطلاح عوام کے اس سے کب خالی ہیں خدا کے سب بندہ ہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عذاب سے ڈرتے رہے اولیاء کو عذاب ہو سکتا ہے اور یہ عذاب ایسا ہے جیسا زرگر سونے چاندی کو صاف کرنے کے واسطے بوتہ میں ڈالکر صاف کرتا ہے اولیاء سے جو کچھ معصیت ہوئی اور توبہ نہ ہوئی اُسکو صاف کرتے ہیں معصوم انبیاء علیہم السلام کے سوائے کوئی نہیں اولیاء سے گناہ کبیرہ صغیرہ ہو جاتا ہے اور کفر بھی ہو جاتا ہے پھر توبہ نصیب ہوئی پھر ولی ہو گئے اسمیں کوئی امر خلاف قاعدہ نہیں۔ عوام کے نزدیک اولیاء سے گناہ نہیں ہوتا یہ بالکل غلط عقیدہ ہے اِس سے تم توبہ کرو الحاصل یہ آیت اصحاب کے حق میں اول ہے اور دیگر اولیاء کے واسطے پیچھے اور معصیت سے کوئی خالی نہیں ولایت جس شے کا نام ہے وہ صحابہ میں ہزار ہا درجہ اوروں سے زیادہ تھی کشف کرامات کا نام ولایت نہیں فقط والسلام عبد اللہ شاہ دت سے بیمار چلے جاتے ہیں سلام کہتے ہیں اس مسئلہ ولایت کو زبانی بیان ہو تو خوب سمجھو گے اول تحقیق ولایت جاننا لازم ہے پھر خاصہ نسبت مشائخ جاننا کہ کیا شے ہے پھر غرض تحصیل نسبت کا جاننا کہ کیا مقصد اُس سے ہے پھر تحقیق اسکی کہ صحابہ کا کیا حال تھا جب یہ سب باتیں معلوم ہو لیں پوری فہم اس مسئلہ کی میسر ہو تو تو قف ہے فقط والسلام۔

(س ۴) لیلۃ القدر میں روح کے نزول سے کیا مراد ہے اور جو کہ الف شہر سے بہتر کہتا کس ساعت کی عبادت سے اعتبار ہے

(ج) شب قدر کو ملائکہ مع جبرئیل نزول فرماتے ہیں اور برکت ہوتی ہیں مگر انکے مشاہدہ اہل باطن کو ہوتا ہے نہ عوام کو اور عبادات کا ثواب ساری شب میں ہزار ماہ کا ہے اور تھوڑے میں بحساب ملتا ہے اگر گھنٹہ بھر جاگا اور عبادت کی تو شب کے بارہویں حصہ کا ثواب ملا فقط

(س ۳۵) قرآن مجید کی تلاوت میں اگر موذن اذان کہے تو جواب اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) اگر کوئی شخص قرآن شریف پڑھتا ہو تو اسکو اذان کے وقت چپ ہوکر جواب دینا اذان کا بہتر ہے اور اگر پڑھتا رہے تب بھی مضائقہ نہیں۔

(س ۳۶) کسی فاسق مسلمان کا کھانا کھانے اور کافر ہندو یا عیسائی کا کھانا کھانے میں شریعت کیا حکم دیتی ہے اور وکیل یا کسی سرکاری ملازم کی دعوت کیسی ہے؟

(ج) جس شخص کی کمائی حلال ہے اسکے گھر کا کھانا حلال ہے اگرچہ وہ کافر یا بدین فاسق فاجر ہو اور جسکی کمائی حرام ہے اسکے گھر کا کھانا نادرست اور حرام ہے اگرچہ وہ کیسا ہی متقی کہلاتا ہو۔ وکلاء کی کمائی حرام ہے اور اور ملازمان سرکاری کی بعض کی درست ہے بعض کی نادرست جہاں اشتباہ ہو وہاں تحقیق کر لینا چاہئے جسکے یہاں دونوں طرح کا مال ہو وہاں تحقیق ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ غالب پر اعتماد کیا جاوے۔

(س ۳۷) وضو کے بچے ہوئے پانی سے استنجا کرنا یا استنجا کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

(ج) استنجا وضو کے بچے ہوئے پانی سے اور نیز وضو کرنا استنجا کرنے کے بعد جو پانی باقی رہے اس سے یہ دونوں درست ہیں کسی میں کچھ کراہت نہیں اور نہ کوئی خاص ثواب ہے۔

(س ۳۸) معتکف کو حاکم کی طلبی کے باعث کچہری جانا جائز ہے یا ناجائز؟

(ج) معتکف کو بلا ضرورت اعتکاف سے نکلنا نہ چاہئے اور بضرورت نکلنا جائز ہے۔ حاکم کا بلانا بھی ایک ضرورت ہے پس اعتکاف سنت و نفل میں چلا جانا چاہئے اور اعادہ اعتکاف نہ آئیگا اور اگر اعتکاف نذر کا ہے تو اعادہ چاہئے۔

(س ۳۹) سمجھدار بچے حافظ قرآن ہوکر محراب سناتے ہیں رمضان میں تراویح انکے پیچھے ہو جاتی ہیں یا نہیں؟

(ج) لڑکے نابالغ کے پیچھے تراویح درست نہیں ہے اور جبتک کوئی علامت بلوغ کی نہ پائی جاوے یا اسکو پندرہ برس پورے نہوں وہ نابالغ مانا جائیگا۔

(س ۴۰) حیض کی حالت میں اگر عورت کا انتقال ہو تو اسکو مرتے وقت کلمہ کی تلقین کیونکر کیجاسکے اور عورت کلمہ

مسئولہ فخرالدین صاحب ...

مہر اگر خاوند نے اپنی ناداری کے باعث ادا نہیں کیا تو عورت نے مرتے وقت معاف کرنا چاہیئے یا نہیں اور اگر بلا معاف کئے مر جائے تو مفلس خاوند پر مہر واجب ہے یا نہیں؟

(ج) حائض اور نفساء اور جنب کو کلام اللہ شریف کے سوائے اور سب کلمہ درود استغفار پڑھنا درست ہے اور جس عورت کا مہر ادا نہیں ہوا اور وہ مر گئی حسب الحصص اُسکے وارثوں کو دینا چاہیئے یا اُن سے معاف کرانا چاہیئے علی ہذا القیاس جس عورت کے مہر معاف نہیں کیا اُسپر زبردستی نہیں ہو سکتی اُسکو اختیار ہے چاہے معاف کرے یا نہ کرے خاوند کی عدم استطاعت سے مہر ساقط نہیں ہو سکتا جب خاوند کے پاس ہو تو اُسوقت دیدے

(س ۴۱) عورت کو کس عمر میں بالغ سمجھینگے اور نابالغ عورت کا خاوند مر جاوے تو اُسپر عدت ہے یا نہیں اور اگر ایسی لڑکی کا خاوند کے مرنے سے چند روز بعد دوسرا نکاح کر دیا جائے تو وہ صحیح ہے یا نہیں؟

(ج) عورت جب بالغ ہوتی ہے کہ کوئی علامت علامات بلوغ سے مثل انزال اور حمل اور حیض کے پائی جاوے اور عدت نابالغ پر بھی واجب ہے جو نکاح عدت سے پہلے ہوا باطل ہے اور اُسکا مرتکب ورنہ اُسمیں باوجود علم کے شریک ہونے والا فاسق ہے بعد عدت وہ نکاح دوبارہ ہونا چاہیئے ورنہ زوجین میں جو کچھ مباشرت و صحبت وغیرہ ہوگی وہ سب زنا ہوگی۔

(س ۴۲) قرآن مجید اگر کہنہ و بوسیدہ ہو جائے تو اُسکو کیا کرنا چاہیئے نیز مسجد کا لوٹا یا چٹائی کا کسی نمازی کو بایں خیال کہ خدا کی چیز ہے لے لینا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) قرآن شریف کہنہ ہو گیا ہو تو اُسے محفوظ جگہ میں دفن کر دینا چاہیئے اور جو شخص مسجد کی کوئی چیز لیگا وہ گنہگار ہوگا اور اُسپر ضمان واجب ہے متولی مسجد کو دیوے۔

(س ۴۳) کسی شخص کو روپیہ دیکر اس طرح شرکت کرنا کہ محنت تم کرو نفع نقصان میں نصفا النصف شریک رہے جائز ہے یا نہیں؟

(ج) کسی شخص کو روپیہ دیکر منافع میں شریک ہونا بطور مضاربت کے درست ہے مگر نقصان روپیہ والے کا ہوتا ہے اُسمیں عامل و کار کنندہ کو شریک کرنا باطل ہے اور نفع چاہے نصفا النصف مقرر کرے چاہے کم زیادہ مگر نقصان میں وہ شریک نہیں ہو سکتا۔

(س ۴۴) اگر کسی بکری کے بچے نے مادہ سور کا دودھ پیا ہو تو اسکا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟

(ج) جس بکری کے بچے نے شیر خنزیر سے پرورش پائی ہے اُسکے زمانہ شیر خواری یا اُسکے بعد کچھ دنوں اگر اُسکو

کچھ اور شے اُس دودھ کے سوا بھی کھلاتے رہے ہوں تو اُسکا کھانا کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اگر ابھی دودھ ہی پیتا ہے اور صرف اُسی پر اکتفا کرتا ہے تو اُسکو چند روز کچھ اور غذا کھلاکر ذبح کریں۔

(س ۴۵) عورت کو جرمن سلور کا زیور جیسا کہ آجکل بکثرت بنکر آنے لگا ہے پہننا جائز ہے یا نہیں اور چھوٹا گوٹا لگانا کیسا ہے؟

(ج) عورتوں کو زیور چاندی سونا کانچ پیتل تانبہ کانسی سب شے کا درست ہے پس جرمن سلور کا بھی درست ہے اور چھوٹا گوٹا بھی لگانا درست ہے۔

(س ۴۶) مسلمان حجام کو کسی ہندو کی داڑھی مونڈنی جائز ہے یا نہیں اور رخساروں کے بال صاف کرانے کیسے ہیں نیز اگر رمضان میں پچھلی رات کو آٹھ رکعت کوئی شخص پڑھتا ہو تو اول شب میں تراویح کا پڑھنا اسکو کیسی سنت ہے کہ نہیں؟

(ج) کسی مسلمان یا کافر کی داڑھی مونڈنا درست نہیں ہے اور نہ اسکی اجرت لینی درست ہے۔ داڑھی کا کلونچہ منڈوانا اولیٰ نہیں اگر منڈوالیوے تو جائز ہے اور لب پر جو بچہ ریش ہے اُسکو منڈوانا جائز نہیں تراویح تہجد کے سوا ہے تہجد کے پڑھنے سے تراویح ساقط نہیں ہوتی فقط واللہ اعلم۔

(س ۴۷) ایک شخص مسجد میں ایسے وقت پہونچا کہ دو رکعت ہو چکیں اسکو دوسری مسجد میں تکبیر اولیٰ کے ملجانیکی امید ہے پس دوسری جگہ جانا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) جب کسی مسجد میں جماعت ہو رہی ہو تو اُسکو چھوڑ کر دوسری جگہ اس خیال سے جانا کہ پوری جماعت ملے درست نہیں ہے۔

(س ۴۸) نفل کی کسی رکعت میں اگر ایک ہی سورت دو یا تین بار پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں اور سنت میں اگر اشراق یا چاشت کا نام لینا بھول گیا تو نماز ہو جائیگی یا نہیں؟

(ج) نوافل میں کسی وجہ سے ایک ہی سورۃ کو ایک رکعت میں مکرر پڑھنے سے کوئی کراہت نہیں آتی اور نوافل میں مطلق نماز کی نیت کافی ہے یہ تعیین کہ اشراق یا چاشت کے نوافل پڑھتا ہوں ضروری نہیں ہے اور نہ یہ کہنا ضروری ہے کہ "منہ میرا طرف کعبہ شریف کی" صرف نیت و ارادہ نماز کا کرلینا اور نیت باندھ لینا کافی ہے البتہ فرائض میں تعیین نماز اور وقت ضروری ہیں۔

(س ۴۹) کسی مسجد میں جماعت ہو چکی ہو اور چند آدمی جو جماعت کے پابند ہیں کسی ضرورت سے جماعت میں شریک نہ ہو سکے تو انکو دوبارہ جماعت کرلینی چاہیئے یا نہیں؟

(ج) مسجد محلہ میں جب ایک جماعت ہو چکی ہو دوسری کرنی درست نہیں ہے اور جو مسجد راستہ پر ہو اور مقرر امام اور نمازی مقرر نہ ہوں اسمیں تکرار جماعت درست ہے۔

(س ۵۰) اپنے بیٹے یا اپنی بیوی کے لڑکے کی بیوی سے جسکو بہو کہتے ہیں اُسکے مرنے یا طلاق دینے کے بعد نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) زوجہ پسر سے باپ نکاح نہیں کر سکتا وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی اور اگر وہ بیٹا اس شخص کا نہیں بلکہ اُسکی زوجہ کا بیٹا ہے تو اُسکے مرنے کے بعد اُسکی بیوی سے نکاح کر سکتا ہے۔

یہانتک جو کچھ بیان کیا گیا یہ سب نمونہ تھا نبوی فیضان کے اُس مسلک عام کا جسکو شریعت بیضا کہا جاتا ہے اور جسپر چلنا ہر بشر پر فرض بنایا گیا ہے۔ حقتعالےٰ کا شکر ہے کہ بابِ شریعت میں حضرت امام ربانی محدث گنگوہی قدس سرہٗ کی سچی نیابت نبوت کا اظہار اس جز پر ختم ہو نیوالا ہے اب اُس ضمنی تاریخی واقعات کے بعد اُس طریق مستوی میں قطب العالم کی راہبری دکھانی منظور ہے جسکو خلاصہ شریعت کہا جاتا او طریقت و سلوک و معرفت و تصوف و اصلاح نفس کے متعدد ناموں سے پکارا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا علمی عنوانات میں اسکا التزام رکھا گیا ہے کہ جملہ تحریرات حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی دستی یا رجسٹر کی ہوئی شبہات و فقہیات فتاویٰ و مراسلات تمام و کمال وہی شامل کتاب ہوئے ہیں جنکے جوابات حضرت نے خود اپنے قلم سے تحریر فرمائے ہیں الّا ماشاء اللہ شاذ و نادر کوئی تحریر ایسی آئی ہو گی جو کسی معتبر کاتب و رفیقِ خادم کے توسط سے لکھوائی گئی ہو اُن تحریرات خاصہ میں بھی انتخاب کیا گیا ورنہ صرف مضامین علمیہ کا ہر عنوان تلاش کے بعد ایک مستقل ضخیم کتاب بننا چاہتا ہے اگر حقتعالےٰ نے توفیق دی تو انشاء اللہ اس قسم کے ہدیے ناظرین کیا جائیگا۔

حق تعالیٰ شانہٗ نے محدث گنگوہی قدس سرہٗ کو چونکہ جامع بین الشریعت و الطریقت امام بنا کر دنیا میں بھیجا تھا اسلئے دین کے دونوں پہلو آپکی مسعود صفات ذات سے ترقی پذیر اور بارونق بنے۔ آپنے مشکوٰۃ نبوت سے دونوں روشنیاں اس درجہ حاصل کیں جو ہندوستان کے وسیع ملک کو چمکا دینے کیلئے کافی ثابت ہوئیں اور انشاء اللہ کئی صدی تک اپنی چمک دمک سے ظلمت جہالت میں پڑی ہوئی مخلوق کو نور کی طرف نکال لانے کا کام دیتی رہینگی آپنے تین سو سے زیادہ طلبہ کو عالم بنایا جنمیں بہتیرے حضرات متفرق بلاد میں پھیلے ہوئے ترویج دین اور تدریس علم میں آجتک مشغول ہیں۔ چند مشاہیر حضرات کے نام عرض کرتا ہوں ابو النور مولوی عبد الغفار صاحب مولوی محمد ابراہیم صاحب خلف مولوی محمد حسین فقیر دہلوی۔ مولوی عبد الرحمن گنجوی حکیم مولوی جمیل الدین صاحب نگینوی۔ مولوی حسین شریف صاحب لاتی۔ مولوی حکیم نصیر الدین صاحب میرٹھی

مولوی احمد شاہ صاحب جنپوری۔ مولوی حکیم محمد ابراہیم المعروف بہ حیات علی متھراوی۔ مولوی امان اللہ کشمیری۔ مولوی عبد الکریم پنجابی۔ مولوی محمود حسین بریلوی۔ حکیم عبد العزیز مرحوم ساکن گلاؤٹھی۔ مولوی محمد حسین خاں ساکن گڑھی۔ حکیم مولوی صدیق احمد ساکن گڑھی۔ حکیم عبد الوہاب نابینا وارد حال حیدر آباد دکن۔ مولوی امام الدین مرحوم ساکن گنتھلہ۔ مولوی محمد حسین مانک پوری۔ مولوی معشوق علی پھلتی۔ ملا محمد یحییٰ بخاری۔ مولوی حقانی احمد غازی پوری۔ مولوی منہاج الدین بدوی۔ مولانا حامد حسن دیوبندی اور مولانا محمد حسن صاحب مرادآبادی جو اسلامی ریاست بھوپال میں نہایت عزت کے ساتھ قدردان علم رئیسہ دام اقبالہا کی خواہش و طلب پر مشاہرہ یکصد روپیہ بلائے گئے اور چھوٹے صاحبزادہ کے اتالیق رہے اور اب جس کا گذاری مدرسہ وقفیہ عربیہ کے مہتمم ہیں حضرت قدس سرہ ہی کے خاص شاگرد اور جان نثار قدیمی خادم اور بیعت توبہ کے مجاز ہیں۔ مولانا مولوی محمد روشن خان صاحب مرادآبادی دام فیضہ نے اسی آستانہ سے علم ظاہری و باطنی حاصل کیا جو مجاز طریقت ہیں۔ اور مولانا مولوی نور علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت مولانا ہی کے شاگرد اور مجاز طریقت تھے جو مدرسہ دہلی میں مدرس اور علما مشاہیر میں گنے جاتے تھے علم باطنی سے مالا مال تھے۔ مولوی سعد اللہ صاحب بھی گنگوہی دربار کے تعلیم یافتہ ہیں جو آجکل میرپور کشمیر میں قاضی ہیں۔ مولوی ماجد علی صاحب جونپوری کو بھی حضرتؒ ہی سے تلمذ ہے جو آجکل ریاست ٹیونک میں مدرس اول ہیں۔ مولوی محمد اسحق صاحب نہٹوری مجاز طریقت ہیں اور دہلی میں بمشاہرہ عشرہ ایک مخلص تاجر کے معزز مہمان بنے ہوئے ہیں۔ مولوی حکیم احمد صاحب رامپوری اور جناب مولوی سعید الدین صاحب رامپوری جو اسوقت ریاست بھوپال میں مہتمم سائر کل ہیں مولوی رضی الحسن کاندہلوی اور مولانا صادق الیقین صاحب مرحوم کرسوی بھی حضرتؒ ہی کے شاگرد اور مجاز طریقت خلیفہ تھے جنکا تیسرا سال ہے کہ مکہ معظمہ میں بعد فراغ حج بجوار حرم الحرام وصال ہوا۔ حافظ امیر حسن گنگوہی۔ مولوی مومن علی گنگوہی۔ مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی۔ پیرجی عبد الرزاق گنگوہی۔ مولوی نذیر احمد نہٹوریؒ۔ مولوی اللہ رکھے نہٹوریؒ۔ مولوی عبد الرحمن کرنالی۔ مولانا شیخ محمد تھانوی۔ مولانا محمود حسن صاحب بھاگلپوری اور مولوی امیر حسن صاحب نہٹوری کو بھی حضرتؒ سے تلمذ حاصل ہے۔ حضرت قدس سرہ کے دونوں صاحبزادوں جناب مولانا المولوی حکیم مسعود احمد صاحب مد فیضہ و دام ظلہ اور مولانا المولوی محمود احمد مرحوم مغفور نے بھی شیخ وقت آفتاب عالم پدر بزرگوار سے پڑھا۔ آپ کے داماد مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحب حافظ مولوی عبد الرحمن صاحب جنہوں نے صاحب نسبت ہو کر گنگوہ میں وصال فرمایا اور نبیسہ۔ آپ کے بھتیجے مولوی الطاف الرحمن کو مولوی لطف الرحمن صاحب اور آپکی اہلیہ کے بھانجے مولوی ابو النجیب بن ابو القاسم بن

[illegible] … میں وصال ہوا جنت المعلی میں مدفون ہیں … ۱۲ مؤلف

مولوی محمد تقی صاحب بھی آپ ہی سے پڑھے تھے۔ حکیم اسمٰعیل صاحب گنگوہی اور ملا عبد الرزاق صاحب جو کابل سلطنت خداداد افغانستان کے دار السلطنت شہر کابل میں قاضی القضاۃ ہیں حضرت مولانا ہی کے شاگرد ہیں۔ مولانا حکیم محمد حسن صاحب اور مولانا حافظ احمد صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ دیوبند اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی کو بھی حضرت سے تلمذ کا شرف حاصل ہے اور سب سے آخری دورہ میں امام ربانی غوث صمدانی قطب العالم قدس سرہ کے تلامذہ میں مولانا المولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی ہیں جنکے نام نامی سے حضرت کے منتسبین میں شاید ہی کوئی چھوٹا بڑا شخص ناواقف ہوگا۔ اسی آخری دورہ میں چونکہ حضرت مولانا کی بینائی پر آشوب چشم نے اثر کیا اور تحریر جوابات سائلین سے بالکلیہ معذوری ہوگئی اسلئے یہ شاگرد اس خدمت کیلئے منتخب ہوئے اور طبعی ذکاوت رسائی فہم تفقہ صلاحیت و استعداد نفس اور شیخ المشائخ کی ہمہ وقت خدمت و مزاج شناسی کی بنا پر وقت وصال یعنی کامل بارہ سال تک حضرت کی آنکھ سے اوجھل نہونے پائے۔ حضرت قدس سرہ کے علمی فیضان اور تدریس و تفقہ کے آثار کا نمونہ دکھلانے کے لئے اگر مولوی محمد یحییٰ صاحب کو پیش کر دیا جاتا تو کافی تھا چہ جائیکہ اس بحر زخار سے سیراب ہونیوالی سیکڑوں کی تعداد میں پانچ اور پچاس علماء کا نام ہدیہ ناظرین کر دیے گئے

آئیے اب اُس سہ دری کا نظارہ کرائیں جسمیں اس چمنستان دین کی کئی سو علماء نے گل چینیاں کی ہیں افسوس آج وہ باغ علم جسکے باغبان نے دنیا کو چھوڑ دیا ویران پڑا ہوا ہے۔ مکان کی حالت ابھی تک وہی ہے جو تدریس کے زمانہ میں تھی مگر افسوس مکین موجود نہیں ہے جسکے دم سے اینٹ اینٹ پر رونق و تازگی برستی تھی حضرت کے تلامذہ کے لئے خصوصًا اور ناظرین کیلئے عمومًا اوجھل ہو جانیوالی حالت کا فوٹو لوا کر اُس آرزمندہ سماں کا نظارہ کرانا مناسب معلوم ہوا جسکو دیکھنا اب دشوار ہوگیا۔ صحن خانقاہ میں چارپائی اپنی جگہ بچھی ہوئی ہے بستر لگا ہوا تکیہ کے قریب عمامہ اطہر دھرا ہے سرہانے سے لگی ہوئی لاٹھی کھڑی ہے پٹی کے نیچے نعلین مبارک موجود ہیں بیچ کے در میں کٹوروں رکھدی گئی ہیں چار طرف مونڈھے پڑے ہیں قبلہ کی سمت چوکی بچھی ہوئی ہے اُسپر مصلے بچھ رہا ہے وضو کا لوٹا رکھا ہوا ہے صبح کے وقت اشراق کی نماز یہاں ہوتی تھی شام کیوقت دربار گہربار اسی جا قائم ہوتا تھا باغ افسوس کھیت اُجڑ گیا چڑیاں اُڑ گئیں باغ کی فصل بہار ختم ہوگئی پھول پھلواری لُٹ چکی چہکنے والے مرغان سحر اور چہچہانیوالے بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے طیور نے اپنی اپنی راہ لی۔ حتی الوسع ہر شے اپنے موقع پر رکھکر کوشش کیگئی ہے سامنے والی سہ دری وہ درسگاہ ہے جسکو مسطورہ مضمون شرعیات سے علاقہ ہے حق تعالیٰ دارین میں نیک بدلہ عطا فرما حاجی احمد مرزا فوٹو گرافر کو جنہوں نے حضرت کے ساتھ خادمانہ علاقہ کا جوش اپنے فن میں ظاہر فرما کر میری یہ خواہش بھی پوری کی

بقیہ واقعات اور حج فرض

غدر کے اگلے سال یعنی ۱۲۷۵ھ ہجری ماہ ربیع الثانی میں حضرت امام ربانی کی صاحبزادی یعنی حافظ محمد
کی والدہ ماجدہ صفیہ خاتون تولد ہوئیں ان سے ایک سال قبل ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جسکا انتقال چند
ایام کی عمر میں ہوگیا تھا۔ اولاد میں یہ پہلا ذخیرۂ آخرت تھا جسکو پیش خیمہ بناکر حق تعالی نے عالم بقا میں پونچایا
خدا کی شان ہے کہ دین کو دنیا پر ترجیح دینے کے امتحانات میں حضرت امام ربانی سے غیر اختیاری امور بھی تحت
کامیابی کے مظہر بنتے تھے کہ جگر کے ٹکڑوں اور فواد کے ثمرات میں سب سے پہلا ثمر عالم آخرت میں فرط و اجر و ذخر
قرار پایا۔ صاحبزادی صاحبہ کی عمر چار سال ۲ ماہ کی تھی کہ بیوم جمعہ ۱۴ جمادی الثانی ۱۲۷۹ھ ہجری نبوی کو
صاحبزادہ جناب مولانا حکیم مسعود احمد صاحب تولد ہوئے صاحبزادہ صاحب کے بعد حضرت امام ربانی قدس سرہ
کو دوسری صاحبزادی عطا ہوئیں جنکا نام امہانی رکھا گیا تھا مگر تقریباً تین چار سال کی عمر میں انتقال کرگئیں

صاحبزادی صاحبہ نے جسوقت ہوش سنبھالا چونکہ گھر کے گوشہ گوشہ میں اپنے باپ کو خدا کی یاد کا
چرچا دیکھا اسلئے بالطبع عبادت سے مانوس اور طاعت کی طرف راغب رہیں قطب العالم کے دولتکدہ میں کیا
سوائے دین کے مشغلوں اور رضائے مولی کی طلب کے سامان کے اور کیا تھا جسکی طرف بچپن میں طبیعت
جھکتی اگر کھیل تھا تو نماز کا اور شغل تھا تو صاف ستھرے رہنے اور پڑھنے پڑھانے کا۔ بولنا آیا تو اللہ کا نام
لوایا گیا اور نطق نے یاوری کی تو کلمہ طیب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھایا گیا۔ صاحبزادی کی پہلی معلم یعنی
انکی والدہ ماجدہ چونکہ خود ولیہ تھیں اسلئے تعلیم و تربیت کا پوچھنا کیا جو بھی حرکت تھی وہ موافق سنت کے
اور نشست و برخاست تک شریعت غراء کے مطابق یہانتک کہ قرآن مجید ماں سے پڑھکر ختم کیا اور باپ
سے ترجمہ پڑھنے کا شوق ظاہر کیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حضرت امام ربانی نے درس کا عام دروازہ کھولدیا اور صبح سے بارہ بجے تک طلبہ
کے پڑھانے میں مصروف رہتے تھے کھانا تناول فرمانے کی ضرورت سے گھر میں تشریف لاتے تو انکی اہلیہ
قرآن مجید صاف کیا کرتیں اور روزانہ پاؤ پارہ انکو سنایا کرتی تھیں اسی حالت میں آپ نے صاحبزادی کو ترجمہ
قرآن مجید شروع کرادیا اور عام فہم دینی تعلیم کی گھر میں بنیاد ڈالی جسوقت صاحبزادی نے ترجمہ شروع کیا تو
رشتہ داروں کی چند لڑکیاں بھی اس لذیذ نعمت میں شریک ہوئیں چنانچہ آپ عام فہم اردو زبان میں

ترجمہ پڑھاتے اور اسی ضمن میں ضروریات دین کی تعلیم فرماتے جاتے تھے مسائل بتلاتے اتباع شرع کی رغبت دلاتے
خدا کی نافرمانی سے ڈراتے اور تہذیب اخلاق کی تاکید فرماتے جاتے تھے۔ یہ نسوانی درس حضرت امام ربانی
کی طرف سے تقریباً آدھ گھنٹہ کا وعظ ہوتا تھا جس میں مستورات کی اصلاح نفس کا وہ حق ادا کیا جاتا جو گھر کے
سربرآوردہ مردوں پر حق تعالیٰ نے فرض فرمادیا ہے۔ آپ کثرت مشاغل کے باعث گھر میں بہت کم قیام فرماتے
مگر جتنی دیر بھی قیام فرماتے گھر والوں کی اصلاح حال اور ترقی مراتب ہی میں مصروف رہتے تھے حرکات سکنات
پر نظر رکھتے چلتے پھرتے لباس وضع تکلم وسکوت غرض ہر ایک انداز کی نگہداشت کو آپنے ضروری سمجھ لیا تھا
اسی سرسری قیام میں کوئی اللہ کی بندی خدا کا نام سیکھنے آئی تو اُسکو بیعت فرماتے اور تسبیحات کی تعلیم فرماتے
تھے۔ نماز کی محبت چونکہ آپکے رگ وپے میں رچ گئی تھی اسلئے آپ چاہتے تھے کہ گھر والے اور تمام متعلقین
ومتوسلین اس درجہ عاشق وشیدا بنجائیں کہ حالت نزع میں بھی اسی کا تصور ودھیان رہے الغرض نسوانی
تعلیم کے متعلق جو کچھ آپکو سکھانا اور پڑھانا تھا وہ ترجمہ قرآن کے درس میں آپنے ختم کردیا اسطرح پر آپکی بیبیاں
اور صاحبزادی ضروریات دین کی عالمہ ہونے کے علاوہ آسمانی کتاب یعنی کلام اللہ کے مضامین سے آگاہ
اور بقدر ضرورت وعظ کہنے پر قادر ہوگئیں۔

الزام بغاوت سے سبکدوش اور گرفتاری سے رہائی پائے کامل تین سال گزرچکے تھے اپنے شیخ مرشد
اعلیٰحضرت مخدوم الکل حاجی امداداللہ شاہ صاحبؒ سے جدا ہوئے چوتھا سال تھا آپکی وہ محبت شیخ جو قدرت
نے آپکے دل میں ودیعت رکھدی تھی دن بدن بڑھتی جاتی تھی گو آپ تعلیم وتعلم کے دینی مشغلہ سے اپنے
دل کو بہلاتے اور ایک خدا کی یاد میں رات دن گزارتے تھے مگر مرشد العرب والعجم کی زیارت وپابوسی کا شوق اور
حاضری حرم محترم کا غلبہ اشتیاق آپکو چین سے بیٹھنے نہ دیتا تھا۔ یہ زمانہ آپپر عسرت کا تھا حق تعالیٰ کیطرف
سے آپ فقر کے امتحان میں مبتلا کئے گئے تھے سہارنپور کی ملازمت تعلیم چھوڑنے کے بعد آپ نے کہیں
نوکری نہیں کی ایکمرتبہ چند ماہ کے لئے کتب دینیات کی تجارت کا سلسلہ شروع کیا تھا وہ بھی عارضی اور گنگوہ
کے قصبہ میں نہ چلنے والا بر اسنئے نام حیلہ پس جس تنگدستی کے ساتھ آپکی یہ وقت گزری تھی اُسکو آپ ہی کا
دل خوب جانتا تھا۔

آخر عمر کے دس بارہ سال میں جو فتوحات آپ پر ہوئیں اُنکا اس ابتدائی زمانہ میں وہم وگمان بھی نہ تھا چونکہ
آپ عنقریب غنی ہونے والے تھے اسلئے تعنا سے قبل افلاس اور عیالداری کے باوجود تنگدستی وعسرت کی

غیر اختیاری سنت سے مالا مال کئے گئے۔ حق تعالیٰ نے نبوی شباہت اور تطبیقی اتباع کو اس مضمون میں بھی پورا فرمایا کہ جیسا حضرت سے فرمایا گیا "تجھے یتیم پایا پس ٹھکانا دیا اور گم گشتہ راہ پایا پس راہبری فرمائی اور محتاج عیالدار پایا تو غنی بنا دیا"۔ اس زمانہ فقر و احتیاج میں چونکہ آپ کا دل عشق محبت خداوندی کی دولت لازوال سے مالا مال تھا اسلئے آپ خوش اور اپنی حالت پر مسرور و فرحاں تھے آپکو اپنی زاہدانہ گزران بہت ہی بھلی معلوم ہوتی تھی آپ چاہتے تھے کہ میرے کپڑوں کی بوسیدہ حالت کوئی دیکھنے نہ پائے۔ یہی وہ زمانہ تھا جس میں کسی مہمان کا آنا آپکو ناگوار گزرتا تھا کیونکہ آپ اسکی مہمانداری پر قادر نہ تھے اور اسکے ساتھ ہی اپنی تنگی معیشت اسپر ظاہر ہونی پسند نہ فرماتے تھے اگر کوئی مسافر آپ کے یہاں آ اترتا تو آپکا دل اندر سے پیچ و تاب کھاتا اور بےچین ہو جاتا تھا آپ کا دلی منشاء تھا کہ جس حال میں پڑا ہوں ایسا گوشۂ گمنامی میں پڑا رہوں کہ کسی کا نہ آنکھ کو اس حال کی اطلاع ہو۔ اسی عسرت کے عالم میں مرشد کی زیارت کا وہ شوق جسکے پورا کرنیکو بادی جہاز میں بحر ہند قطع کرنے اور چھ ماہ سفر کی صعوبت اٹھانے کی حاجت تھی تیز رفتاری سے ساتھ ترقی کرتا رہا تھا شوق کا یہ عالم تھا کہ اگر بازوؤں پر پر لگ جائیں تو آپ حجاز کیجانب اڑ جائیں اور عیالداری و عسرت کا یہ حال تھا کہ آپکو گھر سے نکلنا اور چلنا پھرنا تک دشوار تھا خدا کی شان کہ ڈپٹی عبدالحق صاحب رامپوری کا قصد سفر حج مصمم ہوا اور اس مخیر دریا دل شخص نے اپنے ساتھ متعلقین و وابستگان کا جم غفیر لیجانا چاہا سنا ہے کہ کپڑے دھونے والے دھوبی اور خط بنانے والے حجام نے بھی ساتھ چلنے کی درخواست کی تو ڈپٹی صاحب نے بخوشی منظور فرمائی اور ساتھ لے لیا۔ انہیں ڈپٹی صاحب ممدوح کی خواہش ہوئی کہ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب بھی میرے ہمراہ چلیں اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب بھی میرے ساتھ ہوں چنانچہ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے نہایت مسرت کے ساتھ اسکو منظور فرمالیا اور غیبی معاونت پر اپنے پاک پروردگار کا شکر ادا کیا۔

حکیم ضیاء الدین صاحبؒ رامپوری حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے اور چونکہ حضرت حافظ صاحبؒ کے ساتھ امام ربانی قدس سرہ کو نہایت مناسبت و محبت تھی اس لئے حکیم ضیاء الدین صاحبؒ کے ساتھ وہ دوستانہ بے تکلفی کا برتاؤ تھا کہ جسکی نظیر حضرتؒ کی سوانح میں ملنی مشکل ہے حکیم صاحب تشریف لاتے تو بے تکلف حضرتؒ کی چارپائی پر بیٹھتے اور بیٹھتے تھے حضرت ہی کی چوکی پر وضو کرتے اور وہیں نوافل پڑھتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ حکیم صاحبؒ حضرت کی چارپائی پر بے تکلف لیٹ جاتے اور

حضرتؒ چٹی کے برابر نیچے فرش پر بیٹھکر راز و نیاز کی باتیں فرمایا کرتے مگر اسکے ساتھ ہی حکیم صاحبؒ کو ادب بدرجہ ملحوظ تھا کہ جسکا سمجھنا اس سادہ برتاؤ پر مشکل ہے جس احترام و وقعت کی نگاہ سے حکیم صاحب کو امام ربانی دیکھتے تھے اُسکی مثال عام متوسلین میں نکلی تھیں مشکل تھی۔ ایک مرتبہ حکیم صاحب کو اطلاع ملی کہ حضرت امام ربانی کسی بات پر آپ سے ناراض اور کشیدہ خاطر ہوگئے اس وحشت اثر خبر کا سننا تھا کہ حکیم صاحب کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا آگیا سراسیمہ و پریشان اُسی وقت رامپور سے پیادہ پا چل کھڑے ہوئے اور سیدھے گنگوہ پونچے۔ خانقاہ پونچکر اتنی ہمت نہوئی کہ حضرت کے سامنے جائیں اور بالمواجہ عرض معروض فرمادیں ظہر کی نماز ہوچکی تھی امام ربانی عادت شریفہ کے موافق تلاوت کے لئے خلوتخانہ میں تشریف لیجاچکے تھے اور حجرہ کا دروازہ بند ہولیا تھا۔ حکیم صاحب اُس چبوترہ میں جو مسجد کے جنوبی و شرقی گوشہ میں بنا ہوا تھا سرنگون بیٹھے اور آنکھوں سے آنسوؤں نے بہ بہ کر رخساروں پر تار باندھ دیا۔

حضرت کے خادم خاص عبداللہ شاہ مرحوم غلام اعظم حضرت کے بے تکلف دوست اور مخلص عاشق کو اس پریشان حالت میں بیٹھا ہوا مضطرب زار قطار روتا ہوا پاکر حیران ہوگیا پاس حاضر ہوکر سلام کیا اور وجہ دریافت کی تو حکیم صاحب نے رو کر اسطرح جواب دیا کہ "اگر ہوسکے تو حضرت سے اتنا عرض کردو کہ خطاوار غلام اپنا قصور معاف کرانے کے لئے آستانہ پر حاضر ہے" خادم اُلٹے پاؤں لوٹا اور عرض کیا کہ حضرت ایک ضروری بات عرض کرنی ہے ذرا تلاوت روک کر اُسکو سُن لیں جناب حکیم ضیاء الدین صاحب ایسی پریشان حالت سے چھپر کے نیچے سر جھکائے بیٹھے ہیں کہ دیکھنے والے کو ترس آتا اور تعجب ہوتا ہے یوں فرماتے ہیں کہ خطا معاف کرانے حاضر ہوا ہوں" چنانچہ حضرت امام ربانی اُسی وقت اُٹھے اور باہر تشریف لاکر حکیم صاحب کو گلے سے لگالیا تھوڑی دیر تک حکیم صاحب پھوٹ پھوٹ کر روئے آخر بات صاف ہوتے پھر وہی بے تکلف دوست بنگئے جیسا کہ پہلے تھے۔

حضرت مولانا قدس سرہ نے مرشد العرب و العجم کی مکہ میں اور اپنے محسن و شفیق اُستاذ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ کی مدینہ منورہ میں زیارت کا شوق پورا ہوتا دیکھا ادہر سفر میں حکیم ضیاء الدین صاحب کی معیت نے مرافقت پائی اسلئے نہایت مسرت کے ساتھ ڈپٹی صاحب کے ہمراہ حجاز چلنے کے لئے طیار ہوگئے اور چونکہ بہت بڑا اہل و عیال کے لئے انتظام خورد و نوش فرماکر ۱۲۸۰ھ ہجری کے اوایل میں اسیوری قافلہ کے ساتھ کراچی کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت کے ماموں زاد بھائی اور جان نثار رفیق طفولیت مولوی ابوالنصر صاحب نے حضرت کا تہیہ سفر

حج دیکھا تو بے چین ہو گئے اور ہر چند کہ حضرتؒ نے منع فرمایا مگر مفارقت گوارا نہ کر سکنے کے عذر سے جو کچھ اثاثہ موجود تھا اونے پونے فروخت کر کے مع اہلیہ ایک چھکڑے میں اسباب سفر لاد کر ساتھ ہو لئے خلاصہ یہ کہ حضرت امام ربانی کا سارا خرچ ڈپٹی صاحب کے ذمہ تھا اور مولوی **ابو النصر** صاحب جو حضرتؒ کی معیت پر جان دیتے تھے اپنے خرچ سے اُس رامپوری قافلہ کے ہمراہ ہوئے جس میں حکیم ضیاء الدین صاحب اور مولوی سعید الدین صاحب مقیم بھوپال کے والد ماجد حافظ **وحید الدین** صاحب حاجی **علاؤ الدین** صاحب حاجی **محمد یوسف** صاحب اور ڈپٹی **عبد الحق** صاحب کا سارا کنبہ اور متعلقین تھے۔

اُس زمانہ میں حج کا سفر اس زمانہ کا سفر حج نہ تھا کہ گھر سے باہر نکل کر ریل میں بیٹھے تو تیسرے دن بمبئی اور بمبئی سے دخانی جہاز میں بیٹھے تو بارہویں دن باب الحرمین یعنی جدہ کا بندر دکھائی دینے لگا۔ اسوقت کی سہولت و راحت کو اُس وقت کی صعوبت و مشقت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا اور یوں سمجھ میں آتا ہے کہ حج کا فریضہ ادا میں جسقدر دشوار تھا اتنی مشکل کوئی عبادت نہ تھی ہفتوں چھکڑے اور بہلیوں میں بیٹھنا پڑتا تھا جنکے جھکولوں سے ہڈیوں کا چورا ہوتا تھا مہینوں پانی میں چلنا پڑتا تھا۔ دریائی سفر اُن بڑی کشتیوں میں طے کیا جاتا تھا جنکو بغلہ کہتے ہیں۔ بغلہ میں بقدر وسعت تیس چالیس آدمی بیٹھتے اور مرطوب ہوا کے جھکولوں سے دوران سر میں مبتلا ہو کر ایک دوسرے پر جا جا پڑتے تھے اُٹھتے تو چکر اور استفراغ بیہوش بناتا اور پڑتے تو غشی کا بادل چھاتا چلا جاتا تھا۔ یہ بغلے بادبانوں کے ذریعہ سے ہوا کے رخ پر چلائے جاتے تھے جنکو ملاح کھیتے اور دن بھر چلا کر شام کے وقت کسی بستی کے قریب کنارے پر باندھ دیا کرتے تھے اُسوقت مدہوش پڑی ہوئی سواریاں اُٹھا کرتیں گھاس پھونس سے کچی پکی کھچڑی طیار ہوتی اور اللہ عزّوجلّ کر کے کھالی جاتی تھی۔ وقت ملتا تو دن بھر کے تھکے ماندے کچھ تکان رفع کرتے ورنہ یوں ہی پڑے آسمان کو تکتے رہتے تھے صبح سے قبل ٹھنڈے وقت جھٹ پٹکے میں اس چھوٹے جہاز کا لنگر پھر کھولدیا جاتا اور جب خدا خدا کر کے بندرگاہ کا کنارہ نظر آتا اور خشکی پر اُترنا نصیب ہوتا تھا کراچی سے پھر بادبانی جہاز کا سفر ہوتا تھا جو عموماً بمبئی کے بندر سے مال بھرتا ہوا عدن و مکلا و صنعاء و مخا اور یمن کے دیگر بندرگاہوں پر ٹھیرتا مال چڑھاتا اُتارتا جدہ پہونچا کرتا تھا چونکہ اس جہاز کا تمام تر دار و مدار مضبوط کپڑے کے پردوں یعنی اُن بادبانوں پر تھا جنکو ہوا کے رخ پر باندھا جاتا تھا کہ ہوا کے تند جھونکے اُن سے ٹکرا کر جہاز کو پانی میں کاٹتے ہوئے آگے کو دھکیلیں لہٰذا اول تو قطع مسافت میں زمانہ زیادہ گزرتا تھا اور دوسرے ہوا کے رخ بدل جانے پر جہاز بھی اپنا منہ پھیر لیتا تھا کہ قریب

اتفاقات سننے میں آئے ہیں کہ چلتے چلتے جدہ کا کنارہ نظر آیا اور ہوا الٹی تو جہاز کی الٹی رفتار اور پچھلے پاؤں لوٹنے سے بمبئی کا کنارہ دکھائی دینے لگا ہے اُن بیچارے مسافروں پر جنکو نیچے پانی اور اوپر آسمان کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا ایسے حسرتناک وقت میں جو کچھ گزرتا ہوگا وہ اُنہیں کا دل جانتا ہے آج تو بحری و بری ہر دو سفر دخانی قوت سے بفضل اللہ اس درجہ سہل ہو گئے کہ پچھلی مشقت کا سمجھنا بھی دشوار ہو گیا بادی جہازوں میں عموماً ہندوستان سے جدہ تک پہنچنا تین چار ماہ میں ہوتا تھا ہاں اگر تقدیر یاوری کرتی تھی تو بعض دفعہ دخانی جہاز سے بھی وقت کم صرف ہوتا اور چھٹے ساتویں دن ہی موافق ہوا کے تیز دھکے بھاری اور بڑے سے بڑے جہاز کو جدہ پہنچا دیتے تھے۔

اسی مشقت والے سفر کے زمانہ میں حضرت امام ربانی قدس سرہ کو معیت رامپوری جماعت کثیرہ کے اپنا پہلے سفر حج کا اتفاق ہوا جسکو حج فرض کہا جاتا ہے چنانچہ آپ فیروزپور جھرکے میں بیٹھے اور وہاں سے کشتیوں میں بہاولپور کے نیچے کو گزرتے ہوئے حیدرآباد سندھ پہنچے وہاں سے بغلہ میں سوار ہو کر کراچی بندر آئے اور کراچی سے بغلہ ہی کی سواری میں بمبئی تک پہنچے آپکے نازپروردہ جسم اور نازک بدن نے اس کٹھن سفر کی ساری مشقتیں راحت سمجھکر برداشت کیں۔ سارے سفر میں آپکی ایک نماز بھی قضا نہیں ہونے پائی آپ سفر میں بھی اُسی طرح اپنے خدا کی یاد میں لگے رہے جیسا کہ حضر کی حالت میں وطن کے اندر لگے ہوئے تھے سفر کی وہ پریشانیاں جو مسافروں کو گھبرا دیا کرتی ہیں آپ پر کچھ بھی اثر نہ ڈال سکیں آپ ہر ناکامی میں ایسے ہی بشاش و مسرور رہے جیسا کامیابی پر ہونا چاہیئے تھا۔ دقت یا تکلیف کا جو مضمون بھی پیش آتا چونکہ آپ سمجھتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہے اسلئے کبھی اُس سے اکتاتے نہ تھے الغرض جہاز آیا اور کرایہ طے ہو گیا سب نے ٹکٹ لے لئے اور جہاز پر سوار ہو گئے سواریاں سوار ہو کر منتظر تھیں کہ جہاز لنگر اُٹھائے آفتاب غروب ہو گیا مگر جہاز نے لنگر نہ اُٹھایا۔ انتظار کی تکلیف برداشت ہونی آسان نہیں ہے روانگی میں اتنی تاخیر کا ہونا تھا کہ چاروں طرف پریشانی چھا گئی کہ دیکھئے جہاز کب لنگر اُٹھائیگا اور کب روانہ ہوگا اسی حالت پر کئی دن گزر گئے اور لوگوں کا اضطراب یا انتشار بڑھتا رہا۔ کئی دن تک کنارے پر بندھے ہوئے جہاز میں بیٹھے بیٹھے سب اکتا گئے حضرت امام ربانی کے سوا سے جہاز کا کوئی مسافر ایسا نہ تھا جو کم و بیش پریشان خاطر نہ ہو حضرت امام ربانی نے جب رفقاء کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا "میاں گھبراتے کیوں ہو جہاز چوتھے روز روانہ ہوگا" خدا خدا کر کے چوتھا دن آیا تو ایک ایک پل اور لحظہ لحظہ پر مسافروں کی نگاہ تھی کہ دیکھئے آج بھی روانگی ہوتی ہے یا نہیں آخر آدھا دن گذر گیا

ابھی جب روانگی کا کوئی اثر و نشان نہ پایا تو لوگوں نے حضرت سے عرض کیا کہ آج تو چوتھا دن تھا لیجئے آج بھی
دس سے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ کپتان نے لنگر کھلوا کر جہاز چھوڑ دیا اور بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا کی آوازیں جہاز
میں گونج اٹھیں۔

چھوٹا سا جہاز یعنی بغلہ جسوقت کراچی سے روانہ ہو کر بسوئے بمبئی جا رہا تھا کنارہ چھوڑے ہوئے عرصہ گزر گیا
تھا کہ دفعۃً غلیظ ابر آسمان پر نظر آیا جو آگے بڑھتا اور اوپر چڑھتا بغلہ کے سر پر آٹھیرا اور برسنا شروع ہوا تند ہوا کے
تھپیڑوں نے بغلہ کو ہلا دیا اور ٹھنڈے پڑے ہوئے پانی میں جوش پیدا کر دیا سمندر میں تلاطم پیدا ہو گیا اور اطمینان
سے بیٹھی ہوئی سواریوں کو ایک سخت طوفان نے آدبایا۔ جہاز کے ناخدا نے اول تو بادبانوں کے ذریعہ سے
ہوا کی روک تھام کی مگر جب جہاز کی حفاظت قابو اور اختیار سے باہر ہوگئی تو مایوس ہو گیا تھک گیا اور یہ الفاظ
کہے کہ "حاجیو دعا مانگو طوفان آگیا" طوفان کا نام ہی ایسا موحش ہے کہ انسان گھبرا اٹھتا ہے اور جنہیں بحری
سفر کے وقت یہ حالت گزری ہو ان کی سراسیمگی کا تو پوچھنا ہی کیا؟ اس دہشتناک منظر کے وقت جبکہ سمندر کی لہریں
پہاڑ بن بنکر جہاز کو تہ و بالا کر رہی ہیں بڑے بڑے باہمت بہادر گھبرا اٹھتے ہیں بجلی کی چمک اور بادل کی کڑک
اس ہیبت ناک نظارہ کا پیش خیمہ ہے اور تلخ و شور پانی میں ڈوب کر جان دینا نتیجہ و انجام پھر یہ بغلہ کی تو ہستی
کراچی و بمبئی کے مابین طوفان کا آنا تھا کہ جہاز والوں کے چھکے چھوٹ گئے اور ناخدا تک کے ہاتھ پاؤں
پھول گئے سواریوں میں ہلچل پڑ گئی کسی طرف آہ و بکا اور گریہ و زاری اور کہیں وحشت و سراسیمگی اور سکوت و تحیر
جسکو دیکھئے پریشان حال اور جسے خیال کیجئے مضطرب و خائف اسوقت حضرت امام ربانی قدس سرہ نے ارشاد
فرمایا "بھئی کوئی مرے گا تو ہے نہیں ہم تو کسی کے بلائے ہوئے جا رہے ہیں خود نہیں جا رہے" یہ اطمینان
کے کلمات حضرت نے غایت طمانینت کے ساتھ رفقاء سفر کو سنائے مگر وہ تسکین و تسلی جو خداداد آپکو حاصل تھی
دوسروں کو حاصل ہونی دشوار تھی اسلئے اضطراب رفع نہ ہوا یہانتک کہ تیسرے دن بادل پھٹ گیا ہوا تھم گئی تلاطم
کمزور پڑ گیا اور جہاز اپنی اصلی رفتار پر چلنے لگا۔

جسوقت بغلہ اپنی حالت پر آگیا اسوقت حجاج کو اطمینان حاصل ہوا اور ناخدا نے وہ گھڑی دیکھی جس سے
پتہ معلوم ہو کہ بغلہ کہاں چل رہا اور طوفان کے طمانچوں سے راہ راست کتنی مسافت پر چھوٹ گیا ہے ناخدا
گھڑی دیکھ کر حیران ہو گیا اور سواریوں سے مخاطب ہو کر بولا کہ طوفان تمہارے سفر کا بڑا رفیق نکلا آج جسوقت جہاز اس
جگہ چل رہا ہے کہ معمولی ہوا میں آٹھ روز تک بھی یہاں نہ پہنچ سکتا۔ طوفان میں جہاز بالکل سیدھے راستہ

چلا اور چند گھنٹوں میں تند ہوا نے چند روز کی مسافت قطع کرا دی۔

سُنا ہے کہ طوفان کی سخت شدت کے وقت جس کی تھوڑی دیر بعد سکون کے آثار پیدا ہوئے حکیم ضیاء الدین صاحب یا کسی دوسرے شخص نے عالم رویا یا عالم واقعہ میں دیکھا تھا کہ متلاطم سمندر میں ایک جانب اعلیحضرت حاجی صاحب اور دوسری جانب حضرت حافظ ضامن صاحب جہاز کو کندھے پر رکھے ہوئے اسکو دھکیلتے اور موجوں کے تھپیڑوں سے اسکی حفاظت فرماتے جارہے ہیں اور کہتے ہیں "گھبراؤ نہیں" الغرض حق تعالیٰ نے اس مصیبت کو دنیاوی رحمت بھی بنایا اور طوفان آپ کو بحری سفر کے جلد قطع ہونے کا ذریعہ گردانا چنانچہ بخیر و عافیت سارا قافلہ کئی بندرگاہوں پر ٹھیر کر جدہ پہنچا اور وہاں سے حضرت امام ربانی قدس سرہ تمام ہمراہیوں سمیت اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔

بلدۃ الحرام میں حج و عمرہ کے علاوہ اپنے شیخ برحق مرشد العرب و العجم اعلیحضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے فیض صحبت کی جو جو نعمتیں آپ نے حاصل فرمائیں اُن کا کسی کو علم ہی کیا ہے جو بیان کیجائیں مختصر یہ ہے کہ جب تک آپ مکہ معظمہ میں مقیم رہے فرط محبت کے باعث آپکو اعلیحضرت نے اپنے ہی پاس رکھا حج کیلئے روانگی کے وقت آپ کا اونٹ اعلیحضرت نے اپنے اونٹ کے متصل کیا اور منیٰ و مزدلفہ میں آپکو اپنے ساتھ ہی رکھا آپ نے مکہ معظمہ میں خواب دیکھا کہ ابدال جیسے اہل خدمت اولیاء کا ایک گروہ جا رہا ہے اور آپ انکو دیکھ رہے ہیں آپ فرماتے تھے کہ میں نے خواب ہی میں دعا مانگی کہ یا اللہ مجھے بھی ان سے لاحق کردے" یہ دعا مانگ کر میں اُن کے پیچھے دوڑا اور انکی جماعت میں جا ملا صبح کو یہ خواب اعلیحضرت سے ذکر کیا تو مسکرا کر فرمانے لگے "پھر اب کیا چاہتے ہو لاحق تو ہو گئے" بلدۃ الحرام ہی میں آپنے یہ خواب دیکھا کہ آپ کے ہاتھ کی چاروں انگلیوں سے خون جاری ہے دو سے بکثرت اور تیسری سے کم اور چوتھی سے اور کچھ کم آپ فرماتے تھے کہ میں نے یہ خواب مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی سے بیان کی تو یہ تعبیر دی کہ تمہاری چاروں نسبتیں جاری ہونگی دو کا جریان بہت زیادہ ہوگا اس خواب کے بیان فرمانے کے بعد کمال تواضع ارشاد فرمانے لگے کہ "اُسوقت سے ابتک منتظر ہوں مولوی مظفر حسین صاحب زندہ ہوتے تو کہتا کہ آپ ہی نے تعبیر فرمائی تھی لیجئے اب کچھ کیجئے"۔

مکہ معظمہ ہی میں آپ مقیم تھے کہ بدن مبارک میں خارش کا اثر محسوس ہوا اور دن بدن زیادتی ہوتی گئی آپ جس لازوال دولت سے مالا مال ہونے کے لئے گنگوہ سے چلے تھے اُسکے تحصیل کی مشغولیت اور حصول

کی لذت نے مرض کے علاج کی طرف متوجہ ہی نہ ہونے دیا مرض اندر ہی اندر بڑھتا اور بدن پر پھیلتا رہا یہاں تک کہ حج سے فارغ ہونے کے بعد سلطانی راستہ سے مدینہ منورہ جانے والا قافلہ تیار ہوا اور آپ اپنے رامپوری مجمع کے ساتھ مدینۃ الرسول کی جانب روانہ ہو گئے۔

سفر کی صعوبتیں خصوصاً سفر حج کی وہ قابل امتحان مشقتیں ہیں جن میں ہر کھوٹا کھرا مسلمان کسوٹی پر چڑھ جاتا ہے بالخصوص سفر مدینہ منورہ تو سارے سفر کی جان ہے ان بارہ منازل میں رفقاء سفر کے بہت کم قافلے ایسے ہوتے ہیں جن میں باہم جنگ وجدال یا منازعت وخلاف نہ ہوتا ہو ہمدردی اور ایثار گویا طبائع سے باہر ہو جاتا ہے نفسا نفسی کا بازار گرم اور اپنی اپنی راحت کا ہر مسافر کو دھیان وفکر لگا رہتا ہے حضرت مولانا قدس سرہ کی استقامت واخلاص سارے سفر میں قدم قدم اور منزل منزل پر ظاہر ہوئی آپ نے اپنے رفقاء میں ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کی تھوڑی راحت کو اپنی بڑی سے بڑی اور ضروری سے ضروری راحت پر مقدم سمجھا ہر ایک کی تکلیف میں ساتھ دیا اور اسکے ساتھ ہی اپنے معمولات نوافل تک میں فرق نہ آنے دیا مدنی راہ میں ایک جگہ ڈپٹی عبدالحق صاحب کو کسی قسم کی کوفت لاحق ہوئی تو رنج وغصہ کے باعث اونٹ سے اتر پڑے اور قسم کھالی کہ "میں اس اونٹ پر نہ بیٹھوں گا" جنہوں نے یہ راستہ طے کیا ہے وہ شتربان بدوؤں کی طبائع سے واقف ہیں کہ انہیں اپنی قطار کے سامنے کسی کے مرنے اور جینے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی ڈپٹی صاحب کے قسم کھانے اور اونٹ کی سواری سے کرایہ دیکر پیدل ہو جانے کی تو کیا پرواہ کرتے چنانچہ بدوؤں نے ڈپٹی صاحب کا اونٹ کی رسی قطار سے کھولدی اونٹ جماعت سے علیحدہ ہو گیا ڈپٹی صاحب مع اپنے دو ہمراہیوں کے کھڑے رہ گئے اور قافلہ چلدیا حضرت مولانا کی نظر جو ڈپٹی صاحب پر پڑی تو فوراً اپنے اونٹ سے کود پڑے اور قافلہ کو چھوڑ کر ڈپٹی صاحب کے پاس آ کھڑے ہوئے حضرت امام ربانی کو قافلہ سے علیحدہ دیکھنا آپ کے ماموں زاد بھائی مولوی ابوالنصر کو کب گوارا تھا انہوں نے بھی اپنا اونٹ قطار سے علیحدہ کر لیا اور حضرت کے پاس آ کھڑے ہوئے۔ قافلہ دور نکل گیا اور آناً فاناً دور ہوتا جارہا تھا اور یہ چند نفر لق ودق میدان میں ایسی خطرناک جگہ میں کھڑے ہوئے تھے جہاں چوروں سے مسافر کا مارڈالنا راہ زنوں کے نزدیک کوئی بات نہیں اگر چلیں تو کس طرح چلیں قسم کے باعث ڈپٹی صاحب اونٹ پر سوار نہیں ہوتے اور پیدل چلنے کی سکت نہیں حضرت مولانا اور دیگر ہمراہی ڈپٹی صاحب کے بغیر چل ہی نہیں سکتے تھے آخر مولوی ابوالنصر صاحب نے اپنی اہلیہ کو اونٹ سے اتار لیا اور ڈپٹی صاحب سے کہا کہ آپ میرے اونٹ پر سوار ہو جائیں تا کہ قسم بھی نہ ٹوٹے اور کسی طرح قافلہ میں

جا ملیں چنانچہ ڈپٹی صاحب معہ اپنے ایک ہمراہی کے اس اونٹ پر سوار ہوئے اور مولوی ابو النصر صاحب کی اہلیہ ڈپٹی صاحب کے اونٹ پر سوار کی گئیں اسی اونٹ پر امام ربانی کو جگہ ملی اور مولوی ابو النصر معہ دوسرے ہمراہی کے پاپیادہ روانہ ہوئے کم و بیش تین کوس پر قافلہ ملا اور آخر دونوں اونٹ قطار میں باندھنے کے بعد مولوی ابو النصر صاحب اپنے اونٹ پر اور حضرت مولانا قدس سرہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے۔

مدینۃ الرسول میں داخل ہو کر روضہ اطہر کی حاضری ہوئی جو دنیا میں آنے والے ہر مسلمان کا منتہائے مراد اور اقصٰی مقصود ہے اور پھر آپ اپنے شفیق استاد شیخ العصر سیدنا و مولانا شاہ عبد الغنی صاحب قدس سرہٗ کی زیارت سے مشرف ہوئے یہاں کی چند روزہ حاضری میں جو بحر اور خزانے آپکو حاصل ہوئے اُسکی اطلاع بھی کسی دوسرے کو نہیں ہے بیت اللہ میں شیخ طریقت کے گہربار دربار کا حضور تھا اور بیت الرسول میں شیخ شریعت کے سدا بہار گلزار کی گل چینی غرض حرمین شریفین میں بیت اللہ و بیت الرسول کا جوار حاصل کرنے والے دونوں آفتاب ماہتاب ہند مربی آپکی ترقی مراتب کا وسیلہ بنے آخر کار قافلہ کی واپسی کا وقت قریب آگیا اور مراجعت جماعت معین و مقرر ہو گئی۔ رامپوری قافلہ کے میر قافلہ جناب ڈپٹی عبد الحق صاحب نے جنت البقیع کی پاک زمین سے علٰحدگی نہ چاہی وہیں انتقال فرمایا۔ اور قیامت تک کے لئے جوار رسول کے شرف سے بہرہ مند ہوئے۔ امام ربانی قدس سرہ معہ ہمراہیان مکہ معظمہ واپس ہوئے اور وہاں سے ہندوستان کی جانب مراجعت فرمائی۔

سنہ ۱۲۹۱ ہجری دو ماہ ہوئے شروع ہو چکا تھا خارش جسکی ابتدا مکہ معظمہ میں ہو چکی تھی دن بدن رو بترقی تھی اول خشک تھی اب تر ہو گئی تھی ابتداءً معمولی تھی اور اسوقت ہولناک شکل بنی تھی اسی حالت میں آپ جہاز پر سوار ہو گئے جہاز پر سوار ہونا تھا اور گویا پھوس میں آگ کا لگنا دفعۃً بخار چڑھا اور اتنا شدید ہوا کہ سرسام ہو گیا کامل تین دن تک آپ اسدرجہ بیہوش اور دنیا و مافیہا سے غافل رہے کہ اپنے تن بدن کی بھی مطلق خبر نہ رہی۔ دست جاری ہوئے اور اتنی تعداد میں کہ گنتی اور شمار دشوار ہو گئی ایسی حالت میں جبکہ آپ اور آپکے تمام رفقاء آپکی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے آپکی تیمارداری آپ کے ماموں زاد بھائی مولوی ابو النصر صاحب نے کی۔ مولانا ابو النصر کی وہ خدمتگزاری جو اس ہولناک مرض میں واقع ہوئی وہ مشہور خدمت و تیمارداری ہے جو صفحہ سوانح کی پیشانی پر مدتوں روشن اور چمکتے حروف میں قائم رہیگی بمقتضائے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کی زبانی اکثر سنا گیا کہ آپ فرماتے تھے ایسا حقیقی بھائی بھی نہیں کر سکتا جیسا

ابو النصر نے میرے ساتھ کیا کہ مثل مادرِ شفقت اپنی گود میں لیکر پاخانہ پیشاب کراتے تھے "مولوی ابو النصر صاحب کے کپڑے ہمیشہ خارش کی پیپ اور لہو میں بھر جاتے اور اکثر پاخانہ پیشاب میں بھی ملوث ہوتے تھے لیکن مولوی صاحب مردانہ وار اپنے کپڑے اور بدن اور نیز حضرت قدس سرہ کا بدن اور کپڑے روزانہ دھوتے اور کچھ کراہت نہ کرتے تھے گویا پاخانہ کو صندل اور پیشاب کو گلاب بنا لیا تھا۔ حضرت امام ربانی کو تین دن کے بعد جسوقت ہوش آیا تو کروٹ لینے کی طاقت نہ تھی چوتھے دن پیشاب ہوا تو ایسا سرخ گویا خالص خون ہے آنکھیں کھولیں تو اسدرجہ لال کہ گویا یاقوت سرخ کے ٹکڑے ہیں اسوقت ہوش کہئے یا بیہوشی حضرت قدس سرہ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے کہ "افسوس ایک بھائی تھا وہ بھی جدا ہو گیا" مولوی ابو النصر صاحب جو حضرت مولانا کا سر اپنی گود میں رکھے ہوئے بیٹھے تھے بولے کہ "بھائی میں تو آپکو گود میں لئے بیٹھا ہوں اور یہ سامنے آپکی بھاوج ہے" حضرت بولے "تم تو ایسے ہو کہ میں تمکو ماں کہوں یا باپ کہوں"

رفیق دستوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ تین لحاف بچھونوں کا روز یکے بعد دیگرے ستیاناس ہو گیا آخر آپ کے نیچے بچھانے کو جب کوئی اور بستر نہ ملسکا تو احرام کے کپڑے جنکو تبرک بنا کر گھر لانا چاہا تھا اس ضرورت میں نکال لئے گئے اور یکے بعد دیگرے اُن کا استعمال ہوا۔ جب ایک کپڑا ملوث ہو جاتا تو اُسکو جہاز سے سمندر کے شور پانی میں لٹکا دیا جاتا اور دوسرا دھلا ہوا کپڑا انکالکر کام میں لایا جاتا تھا۔ پیشاب میں اسدرجہ تعفن اور شوریت تھی کہ جس کپڑے پر پڑا اُسکو بودار بنا کر تیزاب کا کام دیا اور جلا کر گویا راکھ بنا دیا۔ ہوائی جہاز تھا نہ دوا نہ دارو علاج ہو تو کسکا اور دوا ہو تو کیونکر۔ خدا خدا کر کے ساتویں دن بمبئی کا کنارہ نظر آیا اور حجاج خوشی خوشی اپنے وطن یعنی سرزمین ہند پر جہاز سے اترے مولوی ابو النصر نے حضرت قدس سرہ کو بھی بہزار دقت و دشواری جہاز سے اُتارا اور بمبئی میں رامپوری قافلہ کے ہمراہ ایک کرایہ کے مکان میں مقیم ہوئے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کو جو مرض لاحق ہوا تھا وہ اسدرجہ شدید ہو لیا تھا کہ صحت و تندرستی کا خیال محض وہم اور گمان ہی گمان رہ گیا تھا۔ بمبئی پہونچکر علاج بھی ہوا اور پوری سعی و کوشش کے ساتھ ہوا مگر مرض میں رائی کے دانہ کی برابر بھی کمی نہ ہوئی جو لحظہ تھا وہ ترقی مرض کا تھا اور جو ساعت تھی وہ زیادتی بیماری کی تھی اول اول آپ کے بے تکلف مخلص دوست جناب حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری نے آپکو یونانی ادویہ کا استعمال کرایا اور جب وہ مایوس ہو گئے تو ایک شخص عبد اللہ شاہ نقشبندی حکیم جو وہاں موجود تھے آپکے معالج بنے۔ ایک دن انھوں نے بھی دوا دی آخر دوسرے دن دست بند ہوا

ہو گئے اور جواب دیدیا کسی دوسرے طبیب کا علاج کرو مولوی ابوالنصر جنکے دل کو لگی ہوئی تھی کبھی طبیب کی تلاش میں ادھر اُدھر مارے پھرتے اور کبھی حضرت کی چارپائی سے لگ کر آبیٹھتے اور خدمت و تیمارداری میں مشغول ہوتے وقت پر روٹی کھانا اور معمول کے موافق شب کو سوجانا عرصہ ہوا چھوٹ چکا تھا اب تو نہ لیٹے چین تھا نہ بیٹھے کل پڑتی تھی آخر ایک بید کے پاس پہنچے اور کہا کہ "میرا بھائی بیمار ہے ذرا اُسکو چل کر آپ دیکھ لیں" بید نہایت ہی خلیق اور بامروت شخص تھا جسوقت مولوی ابوالنصر صاحب نے اپنے مریض کو دکھانے کی درخواست کی اُسوقت بید کے پاس مریضوں کا ایک مجمع موجود اور ہر ایک اپنا عرض حال کر رہا تھا بید نے نووارد مسافر کا توحش اور جان سے زیادہ عزیز مریض کے شدت مرض کی وجہ سے سراسیمگی و اضطراب کو دیکھ لیا تھا اسلئے یہ کہکر کہ "ذرا ٹھیریئے ابھی چلتا ہوں" جلدی جلدی موجودہ بیماروں سے فراغت پائی آخر چھتری ہاتھ میں لے ساتھ ہو لیا اور حضرت امام ربانی کی نبض بھی دیکھی قارورہ بھی دیکھا اور اول سے آخر تک سارا حال اطمینان کے ساتھ سُنا تیمارداروں کو تسلی دی اطمینان دلایا ڈھارس بندھائی اور چند گولیاں اپنے پاس سے دیکر ایک ابھی کھلا دو چنانچہ ایک گولی آپکو کھلا دی گئی خدا کا فضل تھا کہ مرض میں گونہ خفت محسوس ہوئی مگر نہ ایسی جس پر اطمینان یا امید زیست قائم ہو۔

بید کا علاج تو قائم رہا اور جو تدبیر اُس نے بتائی وہ کی گئی عوارض میں افاقہ بھی ہوا مگر افسوس کہ اصل مرض میں کچھ کمی نہ ہوئی اسی مرض میں آپکو تشنج کے دورے شروع ہو گئے جو پے در پے پڑتے اور نحیف جسم اور ضعیف و نقیہ کئے ڈالتے تھے بمبئی میں ایک مہینہ قیام رہا آخر منشی علاؤالدین صاحب کی اہلیہ کا وہیں انتقال ہو گیا اور اب قافلہ کو بمبئی میں رہنا دشوار ہو گیا ناچار وہاں سے روانگی ہوئی کسارا کی گھاٹی تک آپ بھی قافلہ کے ہمراہ ریل میں آئے کیونکہ اُسوقت ریل یہانتک جاری ہو چکی تھی اور کسارا سے اندور تک کرایہ کی دوسری سواریوں میں سارے قافلہ نے سفر قطع کیا۔

اندور پہنچکر مولوی ابوالنصر صاحب نے ارادہ کیا کہ حضرت امام ربانی کا یہاں معالجہ کیا جاوے کیونکہ دن بدن مریض کی حالت غیر ہوتی جاتی تھی خصوصاً چھکڑے اور بہلی یا تام دیگر سڑک پر چلنے والی دوسری سواریوں میں سوار ہونے اور جھکولے برداشت کرنیکی طاقت مریض میں اب باقی نہ رہی تھی اس لئے غیر معین مدت کے قیام کا تہیہ کر لیا اور سارے قافلہ سے کہدیا کہ آپ لوگ جائیں میں تو اپنے بھائی کا یہاں معالجہ کراؤں گا۔

قافلہ کے پاس خرچ ختم ہو چکا تھا وطن سے نکلے کئی ماہ گزر لئے تھے سفر کی ماندگی و تکان نے ہر شخص کو مضمحل بنا دیا تھا اسلئے مولوی ابو النصر صاحب کی نامعلوم مدت قیام کا کوئی شخص ہمزبان نہو سکا سب لوگ رامپور کی جانب رخصت ہوئے اور مولوی ابو النصر جنکی راحت و آرام عزت و احترام بلکہ گویا زندگی صرف حضرت کا دم تھا معہ اپنی اہلیہ کے شہر سے باہر اُسی سرائے میں ٹھیر گئے جسمیں عارضی پڑاؤ کے لئے اُترے تھے۔

مولوی ابو النصر صاحب اپنے ہمراہ وطن کی ایک عورت مسماۃ **ولایتہ** کو خادمہ بناکر ہمراہ لے گئے تھے جنکی خورد و نوش کا بار سارے سفر میں مولوی صاحب ہی پر رہا وہ دہلی میں پہونچکر کسی معمولی سی بات پر ناراض ہو گئی اور حیثیت اسدرجہ بیزار ہوئی کہ پیدل نکل کھڑی ہوئی یہانتک کہ گنگوہ پہونچ گئی خدا کی شان ہے کہ حضرت کی تیمارداری میں جبکہ کئی خدمتگاروں کی حاجت تھی رہی سہی پرانی خادمہ نے بھی جواب دیدیا تو اُسکا نعم البدل فوراً ہی یہ ملا کہ مقام گھلال کسارا میں ایک شخص مسمی **رحمت اللہ** نے اپنے لڑکے معہ اپنی اہلیہ کے مولوی ابو النصر صاحب پر پیش کیا کہ ہمیں اپنے ہمراہ لیلیجئے میں آپکا کام کیا کرونگا اور عورت گھر میں مدد دیگی اور بیوی کا ہاتھ بٹائیگی چنانچہ اُنکو غنیمت اور غیبی معاونت سمجھکر رکھ لیا گیا اور حقیقت میں اُنہوں نے کام بھی بہت دیا چلی جانے والی خادمہ ولایتہ کو ایک لحظہ بھی یاد نہ آنے دیا مگر افسوس کہ اندور میں غیر معمولی اور غیر معین قیام میں یہ بھی ساتھ نہ دیسکے اور اجازت لیکر رخصت ہو گئے۔

مریض کی خدمت و تیمارداری میں حاجی **محمد یوسف** صاحب رامپوری خصوصیت کے ساتھ مولوی ابو النصر صاحب کے ممد و معاون رہے مگر اندور میں سارے قافلہ کے ساتھ چونکہ وہ بھی راہی وطن ہوئے اسلئے اب حضرت امام ربانی کے ہولناک سخت مرض کی تیمارداری کے لئے صرف ایک مولوی ابو النصر کا دم رہگیا جو کسی ضرورت سے باہر جائیں تو گھر کی خبر لینے والا کوئی نہیں اور گھر میں رہیں تو بازار سے آٹا دال کا خریدار کوئی نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مولوی ابو النصر صاحب کی اہلیہ نے حضرت کی خدمت میں اپنا قدم اپنے خاوند سے پیچھے نہیں ہٹنے دیا خدا اُنکو غریق رحمت کرے کوئی عفت مآب شریف عورت اگر اپنے خاوند یا ماں باپ بلکہ اولاد یا بھائی بہن کی اگر خدمت کر سکتی ہے تو بس زیادہ سے زیادہ اتنی ہی کر سکتی ہے جتنی مولوی ابو النصر کی گھر والی نے حضرت امام ربانی کی خدمت کی مگر آخر عورت ذات تھیں کبھی گھر سے باہر قدم نکالنا جانا تھیں اور یہاں پڑی وہ مصیبت جسکے تحمل سے مرد عاجز ہو جائیں تاہم خود کمر ہمت باندھی اور خاوند کی ڈھارس بندھائی کہ اطمینان سے حضرت کا معالجہ کرو۔ گھر کی ہر خدمت میں انجام دے لونگی اور بازار کی

ضرورتیں تم پوری کر لینا خدا ہمارا کفیل و کارساز ہے انشاء اللہ نتیجہ بہتر ہی ہوگا۔

ریاست اندور میں مولوی ابو النصر بالکل اجنبی و بیگانہ تھے تن تنہا نہ کوئی شناسا نہ واقفکار نہ یار نہ مددگار دس بارہ رفیق جو مہینوں سے یگانہ عزیز بنے ہوئے تھے جدا ہو لئے زاد راہ جو ساتھ لیکر چلے تھے ختم ہونے کے قریب پہونچ گئی سب کچھ تھا مگر یگانہ روزگار بھائی کی صحت و زندگی کے متمنی تیمار دار تھے مرض کے معالجہ کی تدبیر کو سب پر ترجیح دے رکھی تھی اُسوقت اندور میں حکیم محمد اعظم خاں مؤلف اکسیر اعظم بمشاہرہ دیکہزار روپیہ راجہ کے طبیب بنے ہوئے مقیم تھے طبیب تھے مشہور اسلئے مولوی ابو النصر سرائے سے نکلکر شہر میں آئے اور سیدھے حکیم صاحب ممدوح کے مکان پر پہونچے سلام کرکے بیٹھ گئے اور عرض کیا کہ "میں مسافر ہوں میرا بھائی بہت بیمار ہے اُسکے علاج کی نیت سے اندور میں ٹھیر گیا ہوں اگر آپ کرم فرماویں تو حق تعالیٰ آپکو اجر عطا فرمائیگا" حکیم محمد اعظم صاحب باوجودیکہ والی اندور راجہ کے ملازم تھے ایک ہزار روپیہ ماہوار کے علاوہ ہر قسم کی خاطر و مدارات ہوتی رہتی تھی مگر اسدرجہ مستغنی المزاج اور آزاد طبع تھے کہ ایک بار چوبدار بلانے آیا کہ راجہ صاحب طلب فرماتے ہیں مولوی ابو النصر بیٹھے ہوئے تھے کہ حکیم محمد اعظم صاحب نے منہ چڑھا کر صاف جواب دیدیا کہ ہمدرد ہم اسوقت نہیں آسکتے" مولوی ابو النصر حکیم صاحب کی اسدرجہ عالی دماغی اور نخوت و تنگ مزاجی دیکھکر دل میں کھٹکے کہ "بھلا اُس غریب مسافر مریض کی اس دربار میں کیا پوچھ ہوتی ہے جسکو بلا فیس بار بار دیکھنے کی حاجت ہے" حکیم صاحب ممدوح نے فراست سے مولوی صاحب کے اس خیال کو معاً تاڑ لیا اور فرمایا کہ "مولانا آپکے لئے یہ جواب نہیں ہے" چنانچہ اُسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور پا پیادہ اُس سرائے میں تشریف لائے جہاں حضرت بستر مرض پر مسافرانہ حالت میں پڑے تھے نبض دیکھی من اوله الی آخره حال سُنا اور تسلی کے کلمات کہکر نسخہ لکھا اور چلے گئے اُسوقت معلوم ہوا کہ راجہ کے یہاں حاضری سے انکا دینی بادشاہ کی خدمت میں حاضری کے لئے تھا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ مولوی ابو النصر کی تنہائی پر غیبی تائیدات اور تفضلات آلہیہ نے بطلم کھلا دستگیری فرمائی اسکے بعد جہاں جاتے تعارف نکلتا اور جس سے ملتے واقفیت و شناسائی کا توسط پیدا ہوتا چنانچہ مکان کی تلاش میں حکیم صاحب کی رائے کے موافق سید صاحب علی صاحب کے پاس پہونچے تو حکیم صاحب کا توسط ہی شناسائی سے زیادہ مفید ثابت ہوا بیچارے نہایت خلق کے ساتھ ملے اور اُس مکان کا پتہ دیا جو مولوی محمد حسین مدرس مدرسہ ہلکر کا تھا۔

مولوی ابوالنصر صاحب مولوی محمد حسین کے پاس گئے اور مکان کی خواہش کی وہ بھی نہایت مہربانی سے پیش آئے اور وطن اصلی دریافت کیا خدا کی شان ہے کہ اُسوقت اس سوال کا جواب قصبہ رامپور ز بان سے نکلا جو مولوی ابوالنصر صاحب کی دادھیال تھی رامپور کا نام سنکر مولوی محمد حسین نے مولوی محمد نواب کا حال پوچھا جو مولوی ابوالنصر کے خسر تھے یعنی آنکی اہلیہ کے حقیقی ماموں تھے مولوی محمد حسین صاحب جب یہ تعلق قرابت معلوم ہوا تو بولے کہ وہ میرے اُستاد ہیں اور ان کے احسانات کی تلافی مجھسے عمر بھر نہیں ہوسکتی آپ بے تکلف مکان میں تشریف لائیں میرا اور میرے متعلقین آپکے خادم ہیں۔

یہ دوسرا کُھلا ہوا فضل خداوندی تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب کے زنانہ اور مردانہ دونوں مکان بلا کرایہ نہایت عزت اور اصرار کے ساتھ مولوی ابوالنصر صاحب کو ملے اور چونکہ انھیں ایام میں مولوی محمد حسین صاحب کی اہلیہ کا انتقال ہوچکا تھا جس نے صرف ایک خورد سال دختر چھوڑی تھی اسلئے مکان میں نو وارد مسافروں اور محسن اُستاد کے رشتہ دار حاجیوں کے اُتارنے میں اُنکو بھی کوئی دقت پیش نہ آئی الغرض حکیم محمد اعظم صاحب کا علاج شروع ہوگیا اور حکیم صاحب ممدوح بلا کسی مالی طمع کے روزانہ حضرت امام ربانی کو دیکھنے کے لئے مکان پر پیدل آتے رہے۔

نسخہ جو حکیم صاحب نے تجویز کیا اُسمیں سخت مرض کے سامنے موجودہ افلاس کی رعایت نہ کی گئی تھی مشک بھی اُسمیں شامل تھا اور عنبر بھی مولوی ابوالنصر کو خیال تھا اور خیال بھی سچا تھا کہ مسافر سے اس نسخہ کی قیمت جو لیجائیگی وہ ایک سفر حج کے خرچ سے کیا کم ہوگی کبھی اپنی مالی ضعیف حالت دیکھتے تو عطار کی دوکان پر جاتے جھجکتے اور شرماتے تھے مگر جب محبوب کے مرض و تکلیف پر نظر ڈالتے تو یوں کہتے تھے کہ چاہے جان بک جائے مگر دوا کی حسرت دل میں باقی نہ رہے آخر بنام خدا نسخہ ہاتھ میں لیکر عطار کی دوکان پر پہنچے عطار نے مسافرانہ صورت دیکھکر اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کردیں اور اثناء کلام میں یہ معلوم کرکے کہ مولوی ابوالنصر صاحب کا حاجی عبدالکریم ضلعدار ریحوبال سے قریبی تعلق و رشتہ داری ہے بہت ہی مدارات سے پیش آیا اسی تقریب سے بیش قیمت نسخہ صرف اصل لاگت پر نہایت ہی کم داموں میں طیار ہوگیا قصہ مختصر یہ ہے کہ دو تین خوراک کی مقدار دوا کا استعمال شروع ہوا شافی مطلق خدا کو امام ربانی سے ابھی بہت کچھ دینی کام لینے تھے صاحب اکسیر اعظم کے ہاتھوں آنکی شفا روز ازل ہی میں مقدر ہوچکی تھی اسلئے دوسرے ہی دن نفع محسوس ہوا اور پھر روز بروز مرض میں کمی پیدا ہوتی چلی گئی۔

قیام اندور ہی کے ایام میں عجیب معاونت کا یہ قصہ پیش آیا کہ سکندر جہاں بیگم والیہ بھوپال نے سفر حج اختیار کیا اور راستہ میں اندور کے اندر انہیں دنوں قیام ہوا جبکہ مولوی ابوالنصر مسافرانہ گزران و راجنبیانہ پردیسی انداز پر امام ربانی کا عنبری معجون سے معالجہ کر رہے تھے۔ حاجی عبدالکریم صاحب جو ریاست کے قلعہ دار اور اسوقت سفر حج میں رئیسہ کے ہمراہ تھے مولوی ابوالنصر صاحب کی اہلیہ کے چچا تھے کیونکہ مولوی محمد نواز کی بہن حاجی عبدالکریم قلعہدار کے حقیقی بھائی منشی خیرالدین کے نکاح میں تھیں جو وزیر ریاست تھے اور منشی خیرالدین کی لڑکی یعنی مولوی محمد نواز کی بھانجی مولوی ابوالنصر کی اہلیہ تھیں جو اسوقت امام ربانی کی تیمارداری میں اپنے خاوند کے ساتھ اندور میں مقیم تھیں اندور میں پہنچکر حاجی عبدالکریم مولوی ابوالنصر سے ملنے آئے اور اسی مسافرانہ پریشان حالت میں انکی دو مرتبہ دعوت کی گئی۔

اپنے نمکخوار ملازمان ریاست کی قدردان رئیسہ نے جب سُنا کہ منشی خیرالدین کی صاحبزادی یہاں مقیم ہیں تو ملنے کے لئے نہ آنے کی شکایت کی اور آخر طلب کر بھیجا کہ مجھے آکر ملجاؤ۔ مولوی ابوالنصر کی اہلیہ کئی ماہ سفر اور حضرت امام ربانی کی خدمتگزاری و تیمارداری میں جس پریشان حال کے اندر تھیں وہ ایسا فقیرانہ مگر صابرانہ انداز تھا کہ گو اپنے دل میں ہر طرح خوش ہشاش بشاش اور خدا کی شکرگزار تھیں مگر باعزت صاحب اقبال رئیسہ سے ملنے کے قابل حالت نہ سمجھتی تھیں اسلئے عذر کر بھیجا کہ میری موجودہ حالت حاضری کے لائق نہیں ہے اس مسافرانہ وقت میں در دولت کی حاضری طمع دنیاوی کی نیت سے سمجھی جائیگی اور محتاجانہ سوال کا قصد خیال کیا جائیگا اس وجہ سے حاضری کی ہمت نہیں ہوتی اُمید ہے کہ معاف اور معذور سمجھی جاؤنگی" حقیقہ دانشمند بیگم نے خیرالدین کی صاحبزادی کے اس عالی خیال کو نہایت عزت کیساتھ دیکھا اور دو سو روپیہ بتقریب دعوت اپنی طرف سے حاجی عبدالکریم صاحب کے ہاتھ اُن کے مکان ہی پر بھیجدیا کہ ہماری دعوت قبول کرو اور اسکو اپنے صرف میں لاؤ۔

رئیسہ تو بقصد حج آگے روانہ ہوگئیں مگر مولوی ابوالنصر صاحب کی عزت عام طور پر اندور میں دوبالا ہوگئی اور شہر کے بڑے بڑے لوگ انکو نظر وقعت سے دیکھنے لگے دو سو روپیہ کی رقم نے امام ربانی کے معالجہ اور سفر خرچ میں بہت مدد دی۔ عزیز رشتہ دار کی دعوت میں اتنا خرچ نہوا تھا جتنا مل گیا اور پاس کا روپیہ ابھی تمام نہوا تھا کہ حق تعالی نے معقول رقم کا غیب سے سامان فرما دیا حضرت امام ربانی حکیم محمد اعظم صاحب کے نسخہ سے دن بدن رو بصحت تھے آپ کے ناتوان جسم میں توانائی اور کمزور بدن میں قوت وزور آتا جاتا تھا

یہانتک کہ آپ بطور خود کروٹ لینے اور کبھی کبھی اُٹھکر بیٹھ جانے کے لائق ہو گئے اُسوقت حکیم صاحب نے اجازت ہی نہیں بلکہ مشورہ دیا کہ اب حالت قابل اطمینان ہے بسم اللہ کرو اور وطن کو جاؤ مگر دوا کا استعمال اُسوقت تک قائم رکھنا کہ پوری توانائی بدن میں آجائے" چنانچہ مولوی ابو النصر مدظلہ نے کیمادن قیام کے بعد بھائی کو لیکر عنبری معجون روزانہ کھلاتے ہوئے وطن کیجانب روانہ ہوئے اور بعد طے مراحل و قطع منازل بخیر و عافیت زندگی و صحت کے ساتھ گنگوہ پہنچے گنگوہ پہنچکر حضرت قدس سرہ کے جسم میں طاقت بھی جلد آگئی اور ساتھ چھ ماہ میں بالکل تندرست ہو گئے والحمد للہ علی ذلک۔

سفر میں پیش آنے والے واقعات کو ضرورت سے زائد سمجھکر نظر انداز کر دیا گیا چونکہ مولوی ابو النصر صاحب مدظلہ کی یہ خدمت حضرت کے چھوٹے بڑے سارے متوسلین کو معلوم ہے اسلئے اسکے مختصر ذکر پر اکتفا کیا گیا تاکہ ایک گونہ اس احسان کی شکر گزاری ہو جائے جسکو امام ربانی نے اکثر ان الفاظ ارشاد فرمایا تھا کہ مولوی ابو النصر تو میری ماں ہیں ان کے بدن پر شاید کوئی حصہ ایسا ہو جو میرے بول و براز سے ملوث نہیں ہوا" اور چونکہ اس قصہ میں تائیدات غیبی کا اسدرجہ وقوع ہوا جسکو حضرت امام ربانی کی کرامت کہا جا سکتا ہے اسلئے بقدر ضرورت واقعات بیان کر دئے گئے حقیقت میں مولانا ابو النصر صاحب کی خدمات و تعلقات جنکو مختصراً ذکر کیا گیا ہے بنظر سرسری بھی نہایت وقیع اور قابل یادگاری و شکر گزاری ہیں خدمت کا وقت گزر گیا مخدوم راہی جنت الفردوس ہو لئے خادم پا برکاب اور سفر آخرت کے لئے تیار بیٹھے ہیں مگر گزشتہ ایام کی گزر جانے والی خدمت اُسوقت تک فنا نہیں ہو سکتی جب تک امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب کا یادگار ذکر اور تذکرۃ الرشید کا یہ عنوان فنا نہو جائے اب رہا آخرت کا قصہ اگر شیخ وقت اور قطب زمانہ کے ساتھ یہ خلوص ادبی مقبول ہو گیا ہے اور انشاء اللہ مقبول ہوا ہی ہوگا تو نجات ابدی اور آخرت کی جاوید لذتوں کے حاصل ہونیکا بڑا ذخیرہ ہے" ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

اوائل ۱۲۸۰ ہجری میں آپ حج کو تشریف لے گئے تھے اور محرم ۱۲۸۱ ہجری میں واپس وطن ہوئے مراجعت وطن کے چھ سال بعد آپکو دوسرا صاحبزادہ عطا کیا گیا یعنی ماہ رجب ۱۲۸۷ ہجری نبوی میں مولوی محمود احمد صاحب مرحوم پیدا ہوئے جنہوں نے عین عالم شباب میں ۱۹- جمادی الاولی ۱۳۱۱ ہجری کو انتقال فرماکر باپ کی زندگی میں دنیا سے مفارقت اختیار فرمائی۔

بیعت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹوی مدظلہ

امام ربانی قدس سرہٗ کے سنہ وار حالات جلیلہ کی تلاش سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح اعلیٰحضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر علماء میں سب سے پہلے حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ نے بیعت کی اسی طرح حضرت مولانا قدس سرہ کے دست مبارک پر علماء عصر میں سب سے اول حضرت مولانا خلیل احمد صاحب دامت فیوضہم نے بیعت کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اعلیٰحضرت حاجی صاحب کی بھاوج کا وہ سچا خواب جس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رویا میں تشریف لا کر یوں فرمایا تھا کہ "امداد اللہ حاجی صاحب کے مہمان علماء ہیں انکی روٹی میں پکاؤنگا" اسطرح عالم ظہور میں آئی کہ بلا توسط پہلے مہمان امام ربانی ہوئے اور روحانی نسل میں بتوسط پہلی بھائی حضرت مولانا انبہٹوی کے نصیب میں آئی علم جیرا۔

چونکہ سوانح امام ربانی میں بحیثیت کمال شیخ المشائخ قطب صمدانی قدس سرہ مولانا انبہٹوی کا بیعت ہونا قابل اندراج معلوم ہوا اسلئے بعینہ وہ تحریر درج کرتا ہوں جو میری استدعا پر خود حضرت مولانا مدظلہ العالی کی رقم فرمودہ ہے۔ حامداً ومصلیاً بندہ ناچیز خلیل احمد عفی عنہ اپنے برادران طریقت کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ حضرت مخدوم العالم امام ربانی مولانا الحافظ الحاج مولوی رشید احمد قدس سرہ کے واقعہ رحلت کے بعد جب خدام کے قلوب نے فی الجملہ قرار پکڑا تو ارادہ کیا کہ تمام سب کی دلی یہ خواہش اور آرزو تھی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حالات جمع کئے جائیں اور آپکے مکتوبات شریفہ جدا فراہم کرکے شائع ہوں اور آپکے مضامین عالیہ جو متعلق شرح مشکلات احادیث درس کے وقت بعض علماء نے فراہم کئے ہیں انکو جداگانہ طبع کرا کر شائع کیا جائے۔ حق تعالیٰ شانہ نے جسطرح آپکی ذات بابرکات کو اپنی وسیع رحمت کا میزاب و بے پایاں فیض کا چشمہ بنایا تھا اسی طرح آپکی رحلت کے بعد بھی ہر ایک قریب و بعید آپکے دریائے فیض سے جرعہ نوش رہے مگر مثل مشہور ہے کہ ہاتھی کا بوجھ ہاتھی ہی اٹھا سکتا ہے ہر ایک شخص اس بار کو اٹھا نہیں سکتا تھا ایک عرصہ تک اسی میں کشمکش و پیچ رہا بالآخر یہ قرار پایا کہ یہ عظیم خدمت مولانا الحاج مولوی عاشق الٰہی صاحب کے جو اس خدمت کے ہر طرح اہل ہیں تفویض کیجائے اور ہر شخص اپنی یادداشت کے موافق حالات لکھکر انکو دیدے اور وہ انہیں سے انتخاب کرکے ایک مجموعہ مرتب کریں چنانچہ انہوں نے بطیب خاطر قبول فرمایا اور اس ناکارہ کو بھی امر فرمایا کہ حضرت رحمہ اللہ کے احوال کے متعلق معلومات کا ذخیرہ جسقدر میرے پاس ہو

لکھکر بھیجے میں اگرچہ اسوقت حضرت رحمہ اللہ کے خدام میں پرانا خادم ہوں میرے علم میں اسوقت حضرت رحمہ اللہ کے خدام میں کوئی نہیں جسکی بیعت مجھ سے مقدم ہو مگر چونکہ مجھکو ہمیشہ بیعت کے بعد سے باہر رکھا گیا اور حضور میں حاضر رہنے کا کم اتفاق ہوا ہے اور نیز مزید برآں میرا حافظہ بھی قوی نہیں لہذا میں زیادہ واقعات کے متعلق نہیں لکھ سکتا ہاں امتثالاً للامر مختصراً عرض کرتا ہوں"

سلسلہ غلامی میں داخل ہونے سے پیشتر مجکو حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں کوئی خاص تعلق تھا نہ کوئی قرابت قریبہ تھی - اگرچہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ اور یہ خادم شیوخ انصاری اولاد ابی ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تھے مگر جب سے خادم کے خاندان کا تعلق حضرت سید شاہ ابو المعالی انبہٹوی قدس سرہ کے ساتھ وابستہ ہوا اُسوقت سے ہم لوگ پیرزادہ کہلانے لگے اور بعض تو بی الحید بوجہ ناواقفیت سیادت کے مدعی بن بیٹھے اور رسوم و بدعات جو پیرزادوں میں مروج ہوتی ہیں ہمارے خاندان میں بھی مروج ہوئیں - ایام عرس میں خوب دھوم دھڑکے مزامیر پر وجد و حال تصوف کا کمال تھا - گو خاص میرے سلسلہ میں بھی پیرزادگی کا اثر تھا مگر بحمد اللہ باوجود میرے سلسلہ میں اسکا اثر زیادہ مضمحل رہا اور علم و علماء کی قدر و وقعت رہی (۱) میرے دادا شاہ احمد علی صاحب کے والد ماجد حضرت شاہ قطب علی صاحب رحمہ اللہ معمولی پیرزادوں میں نہ تھے بلکہ خاندان چشتیہ صابریہ میں ایک مقدس بزرگ صاحب مراتب بلند و احوال و خوارق ارجمند تھے شب و روز ذکر و فکر میں مشغول و مستغرق رہتے تھے (۲) میرے دادا صاحب کی والدہ جناب مجدد وقت سید احمد صاحب رحمہ اللہ بریلوی کے سلسلہ بیعت کیساتھ مشرف ہوئیں (۳) میرے والد ماجد شاہ مجید علی اور چچا مولانا مولوی انصار علی والد مولوی عبداللہ صاحب ناظم دینیات مدرسۃ العلوم علیگڈھ کو جناب مولانا مولوی مملوک العلی صاحب صدیقی نانوتوی رحمہ اللہ کے ساتھ شرف مصاہرت حاصل ہوا (۴) میرے چچا مولانا مولوی انصار علی نے دہلی حضرت مولانا مولوی مملوک العلی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوکر علم حاصل کیا اور عالم ہوئے بلکہ اُسی علمی خاندان کی برکت ہے کہ ہمارے خاندان میں علم آیا اور میں نے اور میرے بنی الاعمام نے مدرسہ دیوبند و سہارنپور میں تحصیل علم کیا والحمد للہ علی ذلک -

طالبعلمی کے زمانہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک معمولی واقفیت تھی اور ہم صرف یہ سمجھتے تھے کہ ایک مقدس عالم ہیں - ایک روز میرے چچا مولوی انصار علی نے جبکہ میں انکی خدمت میں پڑھتا تھا فرمایا کہ پڑھنے کے بعد مولوی صاحب یعنی حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے تصوف حاصل کیجیو ایک دفعہ مجکو غالباً بارھواں چودھواں سال ہوگا رمضان میں گنگوہ گیا اور شب کو آپکا قرآن شریف سننے کیلئے خانقاہ میں حاضر ہو

اور درخت نیم کے نیچے کھڑے ہو کر سُنا اُسوقت آپ تراویح پڑھ رہے تھے آپ نہایت خوش الحان حافظ تھے آپ اسقدر خوش الحانی سے پڑھ رہے تھے کہ اسوقت تک اُسکی حلاوت قلب میں ہے اور اُسمیں سے لفظ اَشِحَّۃً عَلَی الْخَیْرِ یاد ہے اور اب کہہ سکتا ہوں کہ آپ اُسوقت سورہ احزاب پڑھ رہے تھے۔

اثنائے طالبعلمی میں میری شادی گنگوہ ہوئی اور اسوجہ سے مجھے گنگوہ قیام کا زیادہ اتفاق ہوا اور قیام گنگوہ کے زمانہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں اکثر حاضر رہتا تھا مجکو خوب یاد ہے کہ مجھ کو اُسوقت آفتاب کی طرح محسوس ہوتا تھا کہ اُس احاطہ مبارک میں ایک نورانیت اور قلب میں بشاشت اور طمانیت محسوس ہوتی تھی حالانکہ میں اُسوقت نہ مرید تھا اور نہ چنداں معتقد تھا۔ دوسرے اُسوقت جو لوگ حاضر باش آستانہ تھے حافظ عبدالرحمن صاحب مولوی الطاف الرحمن صاحب وغیرہ اُنکے نفوس اخلاق رذیلہ سے مزکّی اور اوصاف حمیدہ کے ساتھ محلّے فیض صحبت کی برکت سے پاتا تھا اُنکے اخلاق اور سادگی اور اتباع سنت کی محبت اور بدعت سے نفرت گویا بالکل نقل صحابہ تھی مگر باینہمہ یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ حضرت سے درخواست بیعت کروں۔

جب میری تحصیل ختم ہو گئی اور مدرسہ منگلور ضلع سہارنپور میں مدرس بناکر بھیجا گیا تو اُن ایام میں ایک خاص کیفیت اور رغبت الی العبادۃ طاری ہوئی۔ اُس زمانہ میں جناب قاضی محمد اسمٰعیل صاحب کا حلقہ بڑے زور شور کے ساتھ ہوا کرتا تھا میرے بھی دل میں آیا کہ میں بھی بیٹھا کروں مگر ساتھ ہی یہ خیال ہوا کہ اپنے بزرگوں سے مشورہ و اجازت حاصل کرلوں چنانچہ مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور بیعت کیا اُنھوں نے تحریر فرمایا "الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق" وصول الی اللہ تعالیٰ کچھ اسی طریق میں منحصر نہیں ہے۔ جو تم کرتے ہو یہ بھی ایک طریق وصول الی اللہ ہے۔ ابھی تمہارے لئے حلقہ میں بیٹھنا مناسب نہیں ہے"۔

اسی اثنا میں غالباً ۱۲۸۸ یا ۱۲۸۹ھ ہجری میں خیال بیعت پیدا ہوا۔ اتفاقاً انہیں ایام میں حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ رڑکی تشریف لائے اور حسب استدعا بندہ واپسی میں منگلور قیام فرمایا بندہ نے شب کو تنہائی میں عرض کیا کہ المستشار موتمن بطور مشورہ عرض ہے کہ مجکو خیال بیعت ہے اور ہمارے نواح میں چند بزرگ ہیں آپ اور مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا شیخ محمد صاحب اور قاضی محمد اسمٰعیل صاحب۔ میں نہیں جانتا کہ میرے لئے کیا بہتر ہے؟

اثر صحبت

فیضان و برکات صحبت

اگر آپ کے نزدیک میرے حق میں آپ کے خدام کے سلسلہ میں داخل ہونا بہتر ہو تو مجھکو اپنی خدمت میں قبول فرمائیے ورنہ جو امر میرے لئے بہتر ہو مجھکو فرمائیے۔ اسکے جواب میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے طویل تقریر فرمائی جسکا نتیجہ یہ تھا کہ مولانا رشید احمد صاحب سے اسوقت کوئی بہتر نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ وہ تو بیعت کرنے سے نہایت کارہ ہیں آپ ہی اگر سفارش فرمادیں گے تو یہ امر طے ہوگا فرمایا اچھا جب میں گنگوہ جاؤں اسوقت چلے آنا چنانچہ میں ہتلاشی رہا چند روز کے بعد مجھکو حضرت مولانا کے گنگوہ جانے کی خبر معلوم ہوئی۔ میں بھی فوراً پہنچا اور عرض کیا آلکریم اذا وعد وفی تبسم فرماکر فرمایا بہتر ہے پھر صبح کو بعد فراغ حضرت سے باتیں کرکے مجھکو بلایا میں حجرہ میں حاضر ہوا۔ مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے سلام کرکے بیٹھ گیا حضرت مولوی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو ساکت رہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ذرا تبسم کے ساتھ فرمایا کہ "مجھے تو یہ جلاپے دیغرہ مُرید ہو جاتے ہیں اور تم تو خود بزرادہ ہو اور خیال ہوتے ہیں ہو تم مجھسے کیوں بیعت ہوتے ہو" پہلے تو پہر حاضر ہوتے ہی رعب و ہیبت کے آثار تھے اس کلام نے اور بھی رہے سہے ہوش کھودیئے اور بجز اسکے کچھ عرض نہ ہوسکا کہ حضرت میں تو ان سے بھی زیادہ بدتر و حقیر و ناکارہ ہوں فرمایا بس بس اچھا استخارہ کرلو میں مسجد میں آتا ہوں۔ میں نے اُسی وقت مسجد میں جاکر وضو کرکے دو رکعتیں پڑھکر دعاء استخارہ مسنونہ پڑھی کہ حضرت تشریف لائے پوچھا کیا رائے ہے؟ عرض کیا کہ وہی رائے ہے غلامی میں داخل فرمالیجئے۔ اتفاقاً اُسی وقت مولوی محمد اسحق انبہٹوی ابن برادر حمید علی جو حضرت کی خدمت میں پڑھتے تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اُنپر نظر عنایت تھی وہ بھی بارادہ بیعت آبیٹھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہم دونوں کو توبہ کرائی اور سلسلہ غلامی میں داخل فرمایا والحمد للہ علی ذلک۔

صاحبزادی کا نکاح

مولوی محمود احمد مرحوم مغفور کی ولادت کے وقت صاحبزادی صاحبہ کی عمر تیرہ سال اور چند ماہ کی تھی ترجمہ قرآن مجید ختم ہوچکا تھا۔ خانہ داری کے امور میں ہوشیار ہوچکی تھیں خداداد سلیقہ شعاری اور سن تمیز سے حاصل ہونے والی تہذیب و درستی اخلاق نے کنبہ اور برادری میں ممتاز اور ہردل عزیز بنا رکھا تھا جوں جوں عمر بڑھتی جاتی تھی ووں ووں اتقا اور پرہیزگاری میں زیادتی اور حیا و عفت میں ترقی

ہوتی جاتی تھی۔ والدہ ماجدہ چونکہ نہایت درجہ منتظمہ و مدبرہ تھیں اسلئے صاحبزادی کی اُس انتظامی قابلیت کا پورا خیال بھی کیا جسکے کام میں لانے اور مستقل طور پر دوسرا گھر چلانے کا وقت قریب آگیا تھا۔ غالباً یہی سال تھا کہ مولوی ابوالنصر صاحب حج سے واپس ہونے کے بعد مرض شقیقہ میں مبتلا ہوگئے صبح ہوتے ہی سر کے ایک جانب درد شروع ہوجاتا اور جوں جوں دن چڑھتا تھا درد بڑھتا رہتا تھا ہر چند علاج کیئے مگر افاقہ نہ ہوا آخر حکیم تفضل حسین صاحب کا معالجہ شروع ہوا جو یونانی طبیب ہونے کے علاوہ عامل بھی تھے حکیم صاحب نے دوا کا استعمال بھی کرایا اور عملیات سے بھی کام لیا مگر درد میں جسبرابر کمی نہوئی بلکہ کسی درجہ میں زیادتی ہی ہوتی رہی بیچارے مولوی ابوالنصر علاج کرتے کرتے تھک گئے جو کچھ بن پڑا وہ کیا اور جسنے بھی کوئی دوا بتائی وہ استعمال کی مگر جب لاچار ہوگئے تو تھک کر بیٹھ رہے چند دوراندیش سمجھدار رشتہ داروں کا خیال اسطرف گیا کہ مولوی ابوالنصر مریض نہیں بلکہ مسحور ہیں کسی دشمن نے سحر کردیا ہے پس دوا دارو فضول ہے عمل اور تعویذ ہونا چاہیئے۔

سحر کا خیال آیا تو ساحر کی تفتیش ہوئی اور خیال دوڑایا گیا کہ کس شخص کو اس ناشائستہ حرکت کی جرأت ہوئی آخر غلبہ ظن اس جانب ہوا کہ اس امر شنیع کے مرتکب وہ دونوں رافضی ہیں جنہوں نے شقیقہ سے چند روز قبل ایک مقدمہ میں مولوی ابوالنصر صاحب کے ہاتھوں سخت زک اٹھائی ہے۔ اکثر قرائن سے اس خیال کی تائید بھی ہوئی ان دونوں میں ایک شخص کا نام صادق علی تھا اور دوسرے کا نام خدا جانے کیا تھا مگر بھولو کے عرف سے معروف اور مشہور تھا یہ دونوں شخص سید اور آل رسول کہلاتے تھے مگر رفض کے سبب اپنے مذہبی اصول کے موافق عام سنیوں سے عداوت رکھتے اور نقصان و اذیت پہنچانے کو اجر و ثواب کا کام سمجھتے تھے اور مولوی ابوالنصر صاحب سے تو عدالت میں ایسا نیچا دیکھا تھا جسکا خار مرتے دم تک نکلنا دشوار تھا اسلئے یہ خیال بالکل صحیح تھا کہ انہوں نے مولوی ابوالنصر صاحب پر سحر کرایا جسکا ثمرہ وہ شقیقہ پیدا ہوا جسکے علاج سے اطبا عاجز ہوگئے۔

ایک دن حضرت امام ربانی دولتکدہ میں تشریف فرما تھے صاحبزادی صاحبہ پاس کھڑی تھیں کہ آپکی اہلیہ مرحومہ نے نہایت افسوسناک لہجہ سے کہا کہ "دیکھئے میرے بھائی (مولوی ابوالنصر) کی جان بھی گئی یا نہیں انپر تو دشمنوں نے سحر کرادیا" اس کلمہ کے سنتے ہی یکایک حضرت نے اوپر گردن اٹھائی اور خلاف عادت ایک تیز نظر سے دیکھکر یوں ارشاد فرمایا کہ "سحر کیا؟ اگر کروایا ہو تو وہ خود ہی تین دن رہیگا اور دوسرا اندھا ہوگیا"

"اندھا ہوگیا" ماضی کا صیغہ تھا جو گزشتہ زمانہ میں وقوع کی اطلاع دے رہا تھا حالانکہ صادق علی بالکل تندرست اور سالم الاعضاء تھا البتہ بھولو کے ایک آنکھ نہ تھی تاہم کانے کو بھی اندھا نہیں کہا جاتا اس لئے صاحبزادی صاحبہ نے تعجب کے لہجہ میں عرض کیا کہ "اندھا؟ ابا اُسکے ایک آنکھ تو ہے" حضرت قدس سرہ نے جواب دیا "ابھی وہ بھی گئی سمجھو اور دوسرا ابھی گیا"۔

حضرت کے یہ جوشیلے الفاظ جو پیارے جان نثار اور سفر کے مخلص خدمتگزار بھائی پر دشمن کی ایذا رسانی کے صدمہ سے نکلے تھے خدائی تیر تھے جو نشانہ سے چوکنا جانتے ہی نہ تھے چنانچہ جس روز کا یہ واقعہ ہے اس سے اگلے دن صادق علی کو دفعۃً ہیضہ ہوا جس سے جانبر نہ ہو سکی اُسدن زندہ مگر مرض میں مبتلا رہا اسہال استفراغ نے چین نہ لینے دیا آنکھیں گر گئیں چہرہ اور تمام بدن پر ہیبت پھیل گئی اور اگلے دن منوں مٹی کے نیچے پونہچ گیا۔ صادق علی کا ہیضہ میں دفعۃً انتقال کہ چند گھنٹوں میں زمین زیر و زبر ہوگئی کہ آج بالائے زمین تھا اور کل زیر زمین ایسے موسم میں واقع ہوا کہ بستی بھر میں اس وبائی مرض کا کہیں نام ونشان بھی نہ تھا ایک ماہ گزرنے نہ پایا تھا کہ صادق علی کا رفیق بھولو جو ایک آنکھ سے معذور تھا دوسری بھی کھو بیٹھا اور چٹ اندھا ہوگیا صاحبزادی صاحبہ فرماتی ہیں کہ میری عمر میں حضرت قدس سرہ کی یہ پہلی کرامت تھی جس کو میں نے دیکھا اس سے قبل مجھے کوئی معاملہ ایسا دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا جسکو میں کرامت کہہ سکتی الغرض دونوں دشمنوں کا یہ حشر ہوا اور مولوی ابو النصر صاحب کے مرض میں کمی شروع ہوگئی یہانتک کہ چند روز میں بالکل تندرست ہوگئے اور بلا کسی دوا دارو یا عمل و تعویذ کے شقیقہ سے نجات پائی۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ سفر حج سے واپس آنے اور مرض سے نجات پانیکے بعد اپنے قدیمی شغل تدریس میں مشغول ہوگئے تھے۔ اتباع سنت محمدیہ اور محبت شریعت نبویہ میں آپکو جو لذت حاصل ہوتی تھی اُسکی حلاوت دن بدن بڑھتی جاتی تھی آپکو طریقہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بالطبع وہ رغبت پیدا ہوگئی تھی کہ آپ پیش آنے والے جملہ معاملات اور خانگی امورات تک میں بطحائی سادہ قانون کی اطاعت لازمی سمجھتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ مُردہ سنتوں کے احیاء کی زندہ مثالیں اپنی زندگی میں چھوڑ جاؤں اور موت و زیست کے غمی و شادی کے واقعات کو شریعت کے سانچہ میں ڈھالکر دنیا کو دکھلا دوں کہ دنیا کی ضرورتیں متبع سنت کیطرح پوری ہوتی ہیں۔ اسی طبعی تقاضے پر آپ کا دل خواہش کرتا تھا کہ صفیہ خاتون کا نکاح نہایت سادہ اور خاتون جنت فاطمۃ الزہرا کے نکاح کا نمونہ ہو۔

گنگوہ کے اُس حصہ میں جسکو شہر کہا جاتا ہے مولوی سراج الدین صاحب بستے تھے جو نہر کے محکمہ میں ملازم سرکاری ڈپٹی مجسٹریٹ نہایت صالح پرہیزگار اور متقی دیندار شخص تھے مولانا ممدوح حضرت قدس سرہ کے ہم جد اور اوپر کسی پشت پر ہم نسب ہوتے تھے مع اپنی اہلیہ کے حضرت سید صاحب سے بیعت تھے اتباع سنت کو قلب میں خاص اثر لئے ہوئے تھے چنانچہ مولانا کی یہ بات مشہور ہے کہ محکمہ نہر میں جہاں ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم کی بھی لہر آجاتی ہے برسوں رہے مگر کبھی ایک پائی رشوت نہ لی غرض مولوی سراج الدین صاحب نے بذریعہ رسل و رسائل اور زبانی پیغام کے اپنے صاحبزادے حافظ محمد ابراہیم کو رشتہ دامادی میں منسلک کرنے کی درخواست کی۔

حافظ محمد ابراہیم صاحب سلمہ حافظ قرآن ہونے کے علاوہ حضرت قدس سرہ سے صحاح پڑھ چکے اور اُس دورہ میں تلمذ کی عزت حاصل کر چکے تھے جس میں مولوی مومن علی گنگوہی اور حافظ عبدالرحمٰن صاحب (حکیم صاحب کے اُستاد اور حضرت کے خاص شاگرد و مجاز طریقت) وغیرہ شریک تھے اسلئے چال چلن و دینداری و علم و فضل کے متعلق کوئی بات تحقیق طلب یا قابل استفسار نہ تھی مگر تعمیل ارشاد "وشاورھم فی الامر" حضرت کو اپنے دینی سردار اور دنیاوی رشتہ داروں سے اجازت و مشورہ لینا تھا اسلئے آپنے جواب میں فرمایا کہ "میں اپنے عزیزوں اور احباب سے مشورہ کر کے جواب دونگا ابھی ہاں یا نہ کچھ نہیں کہہ سکتا" چنانچہ کئی ماہ تک استفسارات ہوتے رہے جہاں جہاں اطلاع کی ضرورت تھی وہاں آپ نے اطلاع کی اور جس جس سے مشورہ لینا مناسب یا ضروری تھا اُن سے استشارہ فرمایا۔ جب چند ماہ گزر گئے اور مولوی سراج الدین صاحب کو جو گویا سراپا انتظار بنے ہوئے تھے کوئی جواب نہ ملا تو ضبط نہ کر سکے اور حضرت مولانا قدس سرہ کے خادم حاجی دین محمد کی معرفت کہلا کر بھیجا کہ حضرت میری درخواست پر کیا ارشاد ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ سب جگہ سے جواب آچکا ہے صرف اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کا مکہ معظمہ سے جواب نہیں آیا اُسکا انتظار ہے اور اُسی پر لا و نعم کا دارومدار ہے چنانچہ چند روز کے بعد مکہ معظمہ سے اعلیحضرت کا والانامہ با ظہار منظوری آگیا اور حضرت امام ربانی نے صاحبزادی کے نکاح کا قصد پختہ فرمایا۔

یہ تھا خطبہ مسنونہ اور منگنی کا وہ شرعی قانون جسکو آجکل مسلمانوں نے دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی بہت ہی تہتم بالشان بنا رکھا اور طرح طرح کی خرافات و اہمیات رسوم کو دخل دیکر سنت کا خلجان اپنے سر دھر لیا ہے مکہ معظمہ سے والانامہ آنے پر حضرت قدس سرہ نے اطلاع کر دی کہ آئندہ جمعہ کو صفیہ کا نکاح

کردونگا۔ آپکی اہلیہ یعنی لڑکی کی ماں نے چند ضروریات کی وجہ سے چاہا تھا کہ چند ماہ کے لئے نکاح ملتوی ہوجاوے تو بہتر ہے مگر حضرت قدس سرہٗ چونکہ قدم قدم پر سنت کا اتباع ملحوظ رکھنا چاہتے تھے اور ہر ہر امر میں طریقہ مرضیہ نبویہ کو اپنا مقتدا و پیشوا بنانا چاہتے تھے اسلئے تاخیر مناسب نہ سمجھی بلکہ یوں ارشاد فرمایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سولہ (۱۶) سال کی عمر میں ہوا ہے پس یہی مسنون ہے اور چونکہ صفیہ کی عمر اب سولہ سال کی ہوگئی ہے اس لئے میں ابھی نکاح کرونگا۔

یہ مبارک سال جس میں اس مبارک عقد کا انعقاد ہوا [illegible] ہجری نبوی تھا اور مہینہ ربیع الاول جسکا تقدس مولد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وجہ سے ظاہر ہے جمعہ کا دن جو عید المومنین ہونے کے علاوہ ہفتہ کے دنوں میں منتخب اور خلاصہ ہے غرض بقیہ چند روز باتوں باتوں میں گذر گئے اور وہ جمعہ آگیا جس دن نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد نکاح کی تجویز ہوئی تھی۔

صبح کو قریب کی رشتہ دار عورتوں کے یہاں اطلاع بھیجدی گئی کہ آج صفیہ کا نکاح ہے جسکو شریک ہونا ہو آجائے اور نماز جمعہ سے کچھ قبل حاجی زین محمد کی زبانی مولوی سراج الدین صاحب سے کہلا بھیجا گیا کہ حافظ ابراہیم جمعہ سرائے میں پڑھے۔ خاص مستورات اور کنبہ کی عورتیں آئیں انکو کھانا کھلایا گیا دولھا کیلئے دو جوڑے طیار کئے گئے تھے مگر اُسدن بھیجے نہیں گئے جمعہ کی نماز کے بعد اعلان کر دیا گیا کہ نکاح ہوگا سب صاحب ٹھیر جائیں سنتوں سے فارغ ہو کر حضرت نے خطبہ نکاح پڑھا اور ایجاب و قبول کے بعد چھوارے تقسیم کرا دئے حضرت امام ربانی نے عقد نکاح میں مہر فاطمی کی سنت ادا فرمائی اور یہ الفاظ کہے کہ بعوض دین مہر چار سو مثقال جسکے ایک سو پچاس روپیہ سکہ ہندوستان ہوتے ہیں جو مہر حضرت فاطمہ کا تھا الخ۔

نکاح سے فارغ ہونے کے بعد آپنے گھر میں کہلا بھیجا کہ لڑکی کو رخصت کردو چنانچہ ڈولا دروازہ پر لا رکھا گیا اور نہایت سادگی کے ساتھ صفیہ خاتون میکے سے سسرال روانہ ہوئیں۔ ماں نے وہ امانت جسکو نو مہینہ پیٹ میں رکھا اور پورے سولہ (۱۶) برس بڑے لاڈ پیار کے ساتھ پالا تھا زندگی بھر کا ساتھ دینے کیلئے حافظ محمد ابراہیم صاحب کے حوالہ کی اور اس سادگی کے ساتھ کہ نہ تاشا تھا نہ باجا جہیز کے کپڑوں کا صندوق ہمراہ تھا نہ زیور کی صندوقچی پلنگ تھا نہ پیڑھی۔ یہ وہ سماں تھا جسکو دیکھکر اجنبی عورتیں بھی رو پڑی تھیں پھر ماں اور نانی کا پوچھنا ہی کیا چنانچہ صفیہ خاتون جسوقت ڈولے میں سوار کی گئیں ہیں تو کنبہ کی بیقراری اور ماں کی بے چینی و اضطراب کسی سے دیکھی نہ گئی حضرت امام ربانی باوجودیکہ کوہ وقار تھے مگر اُس نونہال

نازپروردہ لڑکی کی آہ وزاری اور اضطرابی دیکھکر ضبط نفرماسکے جو دولھن بنکر اجنبی گھر رخصت ہورہی اور سولہ سال کے بعد ماں باپ اور اُس گھر سے روانہ ہورہی تھی جس میں ولیہ ماں کی آغوش اور قطب وقت باپ کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی تھی۔ حضرت نے اسوقت تو ضبط سے کام لیکر بیٹی کو رخصت فرمایا مگر اگلے ہی دن واپس بلا بھیجا جب اگلے دن صاحبزادی اپنے میکے آلیں تو حضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ "میرا قصد تو بیٹی کو پانچویں روز بلانے کا تھا مگر جب صفیہ کی تائی اُسکو سوار کرا رہی تھی تو یہ بہت بیقرار تھی اُسکی بے قراری دیکھی نہ گئی اسلئے اگلے روز بلالیا"

یکشنبہ کے دن جو کچھ مختصر سا جہیز اُسوقت کے بنا سنجلی ماں نے مہیا اور طیار کیا تھا معہ دونوں جوڑوں کے دولہا کے گھر اس طرح بھیجدیا گیا کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہوئی کہ کیا جہیز دیگئی اور کتنا سامان سسرال پہنچایا گیا بس یہ تھی کیفیت۔ ہے اُس شادی کی جس میں آج ہزار ہا رسوم اور بات بات پر اصرار و ہٹ کے باعث طرح طرح کے جھگڑوں اور نزاع کے سامان اکٹھے کرلئے گئے ہیں بار کا [illegible]

مولوی سراج الدین صاحب حضرت مولانا قدس سرہٗ سے عمر میں بہت بڑے تھے مگر سید صاحب کے دیکھنے والے اور مجدد عصر کے ہاتھ پر بیعت کرچکے تھے اسلئے دینداری و ولایت اور کمال اتباع شریعت کے قدرشناس تھے بایں وجہ حضرت قدس سرہٗ کا نہایت ادب کرتے تھے۔ ایسے پاک نفس شخص سے شادی میں رسومات کا ہونا تو کیونکر صحیح تھا اسکا تو وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ حضرت کی صاحبزادی جس نے شریعت کے گہوارہ میں تربیت پائی تھی سسرال میں کسی قبیح رسم کو دیکھیں جبکہ مولوی سراج الدین صاحب کے ادب و احترام کا یہ حال تھا کہ نکاح کے دن چھوارے بھی چھپا کر لائے اور لائے تو خانقاہ کے حجرہ میں رکھدئے کہ مبادا حضرت کو اطلاع ہو اور ناراض ہوں کہ کیوں لائے؟ آخر کار بعد نکاح جب حضرت ہی نے اجازت دی تو تبرکاً تقسیم کئے غرض امام ربانی نے صاحبزادی کے نکاح سے بخیر وخوبی فراغت پائی اور اس حقکی سبکدوشی کو عام اہل اسلام کیلئے اتباع شرع کا نمونہ بنا کر سامنے رکھدیا۔

حافظ مولوی محمد ابراہیم صاحب نے اس زمانہ میں جبکہ انکے والد ماجد نسبت کا پیغام حضرت کو دے چکے تھے ایک خواب دیکھا تھا کہ "حضرت مولانا قدس سرہ تشریف فرما ہیں سامنے امرود کا درخت ہے جسمیں چند امرود لگے ہوئے ہیں، ایک امرود توڑ کر حضرت نے انکو دیا" بیدار ہونیکے بعد خود ہی یہ خواب شاگردانہ تعلق پر اپنے اُستاذ حضرت امام ربانی سے عرض کرنے حاضر ہوئے۔ حضرت نے خواب سُنکر سکوت فرمالیا

کوئی تعبیر نہیں دی البتہ اتنا کہا "دیکھا جائیگا جو کچھ ہوگا" نکاح کے بعد حافظ صاحب سمجھے کہ خواب کی تعبیر یہ تھی کہ سراپا ثمر شجرہ دین شیخ وقت کا قرۃ الفواد اور جگر گوشہ صاحبزادی نکاح میں آئیں۔

صاحبزادی صاحبہ اپنے والد ماجد قدس سرہ سے بیعت بھی ہوئیں اور اکتساب بھی فرمایا آپکی دین کے متعلق جملہ قابلیتوں کے اظہار میں اتنا کہدینا کافی ہے کہ حضرت امام ربانی نے ایک موقع پر یوں فرمایا "اگر عورتوں کو بیعت لینے کی اجازت ہوتی تو میری صفیہ مرید کیا کرتی" اس استعداد تام پر عجز و انکسار و احتقار و کتمان حال کا یہ عالم ہے کہ علوم باطنیہ کے تذکرہ پر خاموش ہوجائیں اور یوں فرمایا کرتی ہیں کہ مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں۔ اسی سوانح میں اندراج کے لئے جب اس غلام آستانہ نے بیعت و تعلیم نسوانی کے متعلق کچھ امور دریافت کئے تو صرف اپنی بیعت کا حال بیان فرمادیا کہ "مجھے بیعت کی تمنا مدت سے تھی مگر عرض کرنے کی جرأت نہ ہوتی آخر ایک دن میں نے عرض کیا کہ مجھے بھی بیعت فرمالیں اور اس درخواست پر حضرت نے یہ جواب دیا کہ "بیٹی تجھے اسقدر التجا کی ضرورت نہیں تو تو میری ہی ہے اور اگر تیرا ارادہ ہے تو خیر" چنانچہ عصر کے بعد دولتکدہ میں تشریف لائے اور مجھے بلا کر حکماً اپنے پاس بٹھالیا میرے دونوں ہاتھ اپنے دست مبارک میں تھامکر آیت مقدسہ واذا جاءک المؤمنات یبایعنک الخ تلاوت فرمائی اسکے بعد جو کلمات بیعت کے وقت ارشاد فرمانے کا معمول تھا وہ الفاظ فرمائے اور بیعت کرلیا۔ اسکے بعد لطائف تعلیم فرمائے اور احادیث کی چند دعائیں ورد کے لئے بیان فرمائیں"۔ صاحبزادی صاحبہ نے سوائے اتنے حصہ کے اور واردات و حالات یا اپنی کیفیت کے متعلق کوئی لفظ بیان نہیں فرمایا باوجودیکہ بار بار باصرار استفسار پر سکوت و انکار کے جواب میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدت فیوضہ نے ایک جوش کے ساتھ فرمابھی دیا کہ "تم آپ نہیں فرماتیں تو لیجئے میں کہے دیتا ہوں لطائف ستہ جاری ہیں" مگر اس پر بھی اور وقار و حلم شیخ کی بردبار و متحمل بیٹی نے سوائے اسکے کچھ جواب نہ دیا کہ مجھے خبر نہیں۔

حق تعالیٰ عمر و مال اور دین و کمال ولایت میں برکت و ترقی عطا فرمائے عورتوں میں یہ ایک قابل قدر در یکتا جوہر ہے جسکو نسوانی تعلیم و تربیت کے متعلق شیخ وقت قطب العالم مولانا قدس سرہ نے اپنے بعد دنیا میں نمونہ بنا کر چھوڑا ہے متعنا اللہ بطول بقائہا۔ دو سال دو ماہ کے بعد یعنی ماہ جمادی الاول ۱۲۹[illegible]ھ میں حق تعالیٰ نے امام ربانی قدس سرہ کو نواسہ عطا فرمایا جسکا نام محمد اسحاق رکھا گیا مگر افسوس کہ نونہال نے حافظ قرآن و رعایت درجہ صالحہ دو منزل ہو کر عین عالم شباب میں بعمر اٹھارہ سال یعنی چوتھی ربیع الاول ۱۳۰۹ھ کو شب میں انتقال فرمایا والدین کو صبر اور [illegible]

نکاح صاحبزادہ حکیم مسعود احمد صاحب و ام فضلہ

صاحبزادی کے نکاح کو چوتھا سال اور حافظ محمد اسحٰق مرحوم کو پیدا ہوئے دوسرا برس تھا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے صاحبزادہ حکیم مولوی حافظ مسعود احمد صاحب مدظلہ کے نکاح سے فراغت چاہی شروع ۱۳۱۹ھ ہجری میں جبکہ صاحبزادہ صاحب کو سترھواں سال لگ لیا تھا اس سنت نبوی کا انصرام ہوا۔

حضرت قدس سرہ کے جد امجد یعنی قاضی پیر بخش صاحب مرحوم کے چار صاحبزادے تھے جن میں سب سے بڑے حضرت کے والد ماجد جناب مولوی ہدایت احمد صاحب مرحوم تھے اور انکے تین صاحبزادے میاں حسین علی۔ صابر حسن اور علی حسن صاحب حضرتؒ کے چچا تھے۔

بڑے چچا میاں حسین علی صاحب کے تین صاحبزادے تھے منشی عبداللہ۔ عبدالقیوم۔ عبدالسمیع اور دو صاحبزادیاں تھیں ایک صاحبزادی جو سب سے بڑی تھیں محمد حسن صاحب کو بیاہی تھیں اور دوسری صاحبزادی جو سب سے چھوٹی تھیں حضرتؒ کے بڑے بھائی مولوی عنایت احمد صاحب مرحوم کے نکاح میں آئی تھیں حضرت کے تینوں چچازاد بھائیوں میں سب سے بڑے بھائی منشی عبداللہ صاحب پنجاب میں ملازم تھے انکی صاحبزادی مسماۃ محمود النساء سے صاحبزادہ حکیم مسعود احمد صاحب کے عقد کی تجویز ہوئی اول بذریعہ مستورات حضرت کے چچا اور لڑکی کے دادا میاں حسین علی صاحب کے کان میں ڈالا گیا کہ آپ اپنے مرحوم بھائی کے سعادتمند پوتے کو اپنے فرماں بردار صاحبزادہ کی دامادی میں قبول فرمایئے مگر چونکہ منشی عبداللہ صاحب کا جواب چاہئے تھا جو ملازمت پر تھے اسلئے اقرار و انکار کا کوئی جواب نہیں ملا صرف اتنا کہدیا گیا کہ عبداللہ پنجاب سے آئیں تو جواب دیا جائے۔

جب منشی عبداللہ صاحب بحصول رخصت وطن آئے تو صاحبزادی صاحبہ اور انکی والدہ ماجدہ یعنی حضرت امام ربانی کی اہلیہ مکرمہ پیام رشتہ لیکر صبح کے وقت گئیں اور منشی عبداللہ صاحب کی اس نئے قائم ہونے والے تعلق کی تقریب میں پہلی مہمان بنیں۔ عصر کے بعد حضرت مولانا قدس سرہ اپنے چچا میاں حسین علی صاحب کے ہمراہ بنفس نفیس منشی عبداللہ کے مکان پر تشریف لائے اور خطبہ کی گفتگو کا افتتاح ہوا۔

باتوں کا سلسلہ کچھ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہا کیونکہ میاں حسین علی صاحب نے یہ فرما کر طے کر دیا کہ "میاں عبداللہ سنو میں تمہارا بھی باپ ہوں اور رشید احمد کا بھی (انعم صنوابیہ) لڑکا اور لڑکی دونوں

میرے ہی ہیں انکی طرف سے مانگتا ہوں اور تمہاری طرف سے دیتا ہوں بس میں نے رشتہ کر دیا" والد ماجد کے اس فیصلہ پر منشی عبداللہ صاحب خاموش ہو گئے بطیب خاطر رضا کا اظہار فرمایا مگر چونکہ مروجہ رسومات دنیاوی کے بہت زیادہ پابند تھے اسلئے اتنا کہا کہ مجھے کوئی عذر نہیں ہے صرف یہ خیال ہے کہ "مجھے جو کچھ مقدور ہوگا وہاں کے گھر بھیجوں گا یہ اسکو واپس نہ کریں" حضرتؒ نے جواب دیا کہ "اسمیں کیا انکار ہے جو کچھ دوگے سب لے لونگا میرے یہاں تو خرچ بہتیرا ہے" منشی عبداللہ صاحب کو امام ربانیؒ کے خیالات اور قطع رسومات کا حال اچھی طرح معلوم تھا اسلئے کہنے لگے کہ تمہارے یہاں برادری کا تو قصہ ہی نہیں پھر وہ خرچ کہاں ہوگا؟ آپنے فرمایا کہ برادری سے کیا لینا غریب محتاج طالب علم میرے مہمان رہنے کی جگہ بہتیری ہیں پھر بھلا مجھے لوٹانے کی کیا ضرورت ہے غرض رشتہ طے ہوگیا حضرت قدس سرہ مکان واپس تشریف لائے تھوڑی دیر کے بعد مستورات بھی ہنسی خوشی کامیاب اپنے گھر لوٹ آئیں بس یہ وہ خطبہ تھا جسکو منگنی کہا جاتا ہے اس قصہ کے چند سال بعد یعنی ۲۰ صفر المظفر سنہ ۱۲۹۲ ہجری کو نکاح ہوا۔

نکاح کی تاریخ معین سے چند روز قبل حضرت امام ربانی قدس سرہ نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور جناب حکیم ضیاء الدین صاحب کو اطلاع دی چونکہ حضرت مولانا کے نزدیک یہی چند حضرات کنبہ تھے اور یہی مقدس رفقا و برادری اسلئے غمی ہو یا خوشی نکاح ہو یا ختنہ اگر مدعو ہوسکتے تھے تو یہی چند حضرات مدعو ہوتے تھے اور انبساط ہوتا تھا تو انہیں اصحاب سے ہوتا تھا باقی دنیاوی برادری کے برادرانہ تعلقات کا سوائے ان مواقع کے جہاں صلہ رحمی و حسن سلوک اور قرابت داری کے حقوق کی حفاظت و نگہداشت کا شرعاً حکم ہے دوسری جگہ مطلق خیال ہوتا تھا۔ آپ ان مضامین کے پابند نہ تھے کہ رشتہ کا پیام جائے تو برادری کی ایک جماعت کے ہاتھوں جائے یا دولہن رخصت ہو تو ساری برادری کے جمع ہوئے بغیر رخصت نہ ہو وغیرہ وغیرہ پس آپ نے صاحبزادہ کے نکاح میں جسکا ادا کرنا سنت نبوی ہونے کی بنا پر آپ کے لئے ذریعہ مسرت تھا صرف دینی رفقا کو مدعو کیا اور دین کے سرور میں آخرت کے ساتھیوں کو شریک کرنا چاہا مگر اسکے ساتھ ہی چونکہ زیادہ پھیلاؤ اور اہتمام مقصود نہ تھا اسلئے ان دو حضرات کی دعوت پر اکتفا فرمایا تاہم آپکے متوسلین و متعلقین اس اطلاع سے بے خبر نہ رہے اسلئے جسکو بھی امام ربانی کے ساتھ قلبی تعلق تھا اس نے بغیر بلائے شرکت کا عزم کیا اور جسکو کوئی اشد ضرورت مانع شوق نہ ہوئی وہ وقت پر حاضر خدمت ہوگیا۔

اس تقریب بلا تزئین و اطلاع بیرونی مہمانوں کا ایک مجمع عظیم ہوگیا جسکے لئے متوکلانہ دسترخوان کی

بچھایا گیا اور جب تک یہ لوگ شہر سے اس غلہ کی برکتوں سے منتفع ہوتے رہے جو نذر اس نیت سے فراہم ہوا تھا اہلِ ذاتی جماعت کو تھا ہر حال کفایت کر سکتا تھا الغرض سب سے پہلے امام ربانی نے اس رسم کو توڑا کہ خوشبو جوڑا اور زیور دولھا کے یہاں سے دولھن کے یہاں نائن لیکر جائے اور خوان کو اسوقت تک سر سے نہ اتارے جب تک کہ اپنا حق یعنی منہ مانگی اجرت یا رسمی دعرفی نیگ جبراً وصول نہ کرلے۔ آپنے دولھن کا جوڑا اور جو کچھ مقدور تھا زیور اپنی صاحبزادی کے ہاتھ روانہ فرمادیا وہ ڈولی میں بیٹھکر گئیں اور خاوند کے گھر کا پہلا ہدیہ دولھن کے گھر پہنچا آئیں شام کو نکاح ہوا قاضی بلایا گیا نہ جہیز کھولے گئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خطبہ نکاح پڑھا اور ایجاب وقبول کے بعد برکت کی دعا مانگ لی۔ اگلے دن رخصت ہوئی مولوی ابوالنصر صاحب اور حاجی عبدالمجید دولھن کے ڈولے کے ہمراہ تھے منشی عبداللہ صاحب کے مکان سے دولھن کو سوار کرایا اور حضرت امام ربانی قدس سرہ کے دولتکدہ میں لا اتارا۔

دولھا والوں کی جانب سے جو رسوم شائع اور مروج ہیں اُن میں سے ایک رسم یہی ادا نہوئی یہانتک کہ دولھن کے رخصت کے وقت حضرت امام ربانی ڈولی کے ہمراہ بھی نہوئے منشی عبداللہ صاحب چونکہ رسوم کے زیادہ پابند تھے اسلئے اُنھوں نے اپنے متعلق رسوم میں جو چاہا کیا یہانتک کہ بھری ڈولی کے ہمراہ خسر کا نہونا بھی شکوہ وشکایت میں لایا گیا مگر شکایت کی بنا چونکہ محض رسم پر تھی اسلئے حضرت نے معذرت کا تو کیا ذکر پروا بھی نہیں کی۔

شادی کے موقع پر متعارف دستور ہے کہ دولھن کے کمینوں کا خرچ دولھا والے دیتے ہیں اور دولھا کے کمینوں کا حق دولھن والوں سے ادا کرایا جاتا ہے اس مبارک شادی میں اسکو بھی توڑ دیا گیا جب منشی عبداللہ صاحب کو اُن کے کمینوں کا خرچ ادھر سے نہ دیا گیا تو اُنھوں نے بھی اس جانب کے جبری حقوق والوں کی خدمت نہ کی اپنے اپنے کمینوں کو جو کچھ مناسب سمجھا اپنے آپ دیدیا اور حاصل حق الخدمت کی برضا وسہولت جانبین سے ادائگی ہوگئی۔

دولھن کی رخصت سے قبل جہیز کے صندوق کپڑا برتن پلنگ پیڑھی سارا سامان مکان سے باہر نکالکر برگد کے درخت کے نیچے رکھا گیا اور رسمی قانون کے موافق منشی عبداللہ صاحب نے صندوق کھولکر ایک ایک کپڑا نکالکر مجمع کو دکھایا برتنوں کا معائنہ کرایا ایک ایک چیز گنوائی اور چھوٹی بڑی سب اشیاء کی نمائش کرائی جسوقت اس رسم کا تہیہ ہوا اُسوقت حضرت امام ربانی وہاں سے اٹھکر کھانا کھانے کی غرض سے

دولتکدہ میں تشریف لے آئے اور فرمایا کہ "جوڑے کھول کھولکر دکھائے جارہے ہیں کیا فضول حرکت ہے"۔

رخصت کے دن بھی حضرت کے مہمانوں نے بدستور امام ربانی کے دسترخوان پر کھانا کھایا حضرت نے ہمیشہ یوں فرمایا کہ جب دولہن شوہر کے گھر آجائے تو اسکے بعد وہ سب کھانا جو دوست احباب یا عزیز و اقارب کو کھلایا جاتا ہے ولیمہ میں محسوب ہے۔ الغرض شادی سے فراغت ہوئی اور مہمان یکے بعد دیگرے اپنے اپنے گھر کو رخصت ہوگئے

حکیم صاحب کے نکاح سے فراغت کے بعد حضرت مولانا نے احد الوالدین کی طرف سے حج بدل کا عزم فرمایا اور مغفورہ ماں و مرحوم باپ کے احسانات تربیت و حقوق پرورش کی فی الجملہ مکافات بایں طریق ضروری سمجھی کہ اس مالی و بدنی دشوار عبادت کا انکی روحوں کو ایصال ثواب کیا جائے چنانچہ پہلا حج بدل جو حضرت کا دوسرا سفر حج ہے اس نکاح سے دو سال بعد ۱۲۹۵ھ ہجری میں واقع ہوا اور تیسرا حج یعنی حج بدل میں دوسرا ۱۲۹۹ھ ہجری میں پورا ہوا۔ یہ معلوم نہیں کہ ماں کی طرف سے پہلا حج تھا اور دوسرا حج باپ کی طرف سے یا برعکس بہرحال وہ مجمع علماء جسکے متعلق یہ مسلم ہے کہ ایسا مقدس مجمع سرزمین ہند سے حجاز کی جانب بحیثیت مجموعی غالباً دوسرا روانہ نہیں ہوا یہی پہلا حج بدل ہے جسکو حجاز کا دوسرا سفر کہنا چاہیئے اسلئے مناسب ہے کہ بقدر ضرورت اسکا تذکرہ بھی ہدیۂ ناظرین ہو جاوے۔

دوسرا حج بدل اور مجمع علماء

۱۲۹۴ھ ہجری نبوی وہ سال تھا جس میں ترکی اور روسی دو زبردست سلطنتوں میں باہم جنگ ہو رہی تھی اور بالطبع ہر مسلمان اسلامی سلطنت روم کی فتحیابی کا دل سے خواہشمند اور زبان سے دعاگو تھا۔ اس سال حضرت امام ربانی نے حج کا قصد فرمایا اور آپ کے اس مبارک سفر حجاز کی جسوقت دیگر حضرات کو اطلاع ہوئی تو سرزمین ہندوستان کے منتخب و چیدہ علماء سب ہی معیت کے لئے طیار ہوگئے

۔ عام اہل اسلام نے جب دیکھا کہ دفعۃً خلاصۂ ہندوستان بجانب حجاز جا رہا ہے اور اس وسیع ملک کی سرتاپا چمکدار نورانی مشعلیں عرب کی طرف روانہ ہو رہی ہیں تو ایک ہلچل مچ گئی اور جس سے بھی ہو سکا وہ معیت و ہمرکابی کے لئے طیار ہوگیا اسلئے کہ ابھی خود لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ یہ حضرات دینی معاونت کے لئے بحیلۂ سفر حجاز حقیقت میں ملک روم کا سفر کر رہے ہیں۔ ترکی سلطنت کی طرف سے والنٹیر جماعت میں شامل ہوکر مجاہد فی سبیل اللہ بنیں گے اور جس کے نصیب میں مقدر ہے

جام شہادت پی کر حیات ابدی حاصل کریگا۔

لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط تھا اسلئے کہ اول تو جانے والے حضرات میں کسی کی نیت نہ تھی دوسرے امت محمدیہ کے لئے شارع علیہ السلام کی طرف سے جو جہاد اکبر تعلیم ہوا ہے یہ حضرات اسکے سپہ سالار اور امیر لشکر بنے ہوئے تھے اور سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کا ظلمتکدہ انہیں دو چار شعلوں سے منور ہو رہا تھا اسلئے انکو نبوی نیابت میں یہاں کی تاریکی کفر و عصیان میں ڈوبی ہوئی مخلوق کو ہدایت کرنا فرض تھا یہی اسکے لئے جہاد تھا اور اسی میں انکے مراتب کی ترقی اور مدارج کی بڑھوتری تھی پس نفس سفر حجاز بھی یا ادائے فرض عین یا حج بدل بدشواری ہو سکتا تھا لڑائی کے میدان میں جا کر تلوار کا اٹھانا تو کجا۔

سب کچھ تھا مگر عام خیالات کی غلطی کے رفع ہونے کی کوئی سبیل نہ تھی حق تعالی کی مشیت یوں ہی تھی کہ نیکوکار مخلوق کا جم غفیر ایک مرتبہ شریک سفر امام ربانی ہو اسلئے ضلع سہارنپور و مظفرنگر کے اکثر حضرات اور دیگر اضلاع کے متعدد نفوس جس ریلوے اسٹیشن سے ساتھ ہونا آسان ہوا سوار ہوئے اور آگے پیچھے بھی روانگی بہ نیت معیت دھرکا بی کا تار بندھا رہا۔

مشاہیر علماء میں حضرت امام ربانی قدس سرہ کے ہمراہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ حکیم ضیاء الدین صاحبؒ مولانا محمد مظہر صاحب معہ اہلیہ مولانا محمد یعقوب صاحب مولانا رفیع الدین صاحب مولانا محمود حسن صاحب مولانا حکیم محمد حسن صاحب مولوی حکیم محمد اسمعیل صاحب مولوی سخاوت علی صاحب انبہٹوی اور حضرت کے خاص خادم مولوی میر محمد صاحب سہارنپوری اور مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے خاص شاگرد مولوی حافظ عبد العدل صاحب و مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی مولوی احمد حسن صاحب کانپوری معہ اہلیہ اور حضرت کے بھانجے مولوی الطاف الرحمن صاحب وغیرہم تھے۔ حاجی عبد المجید صاحب گنگوہی اور حاجی ظہور احمد صاحب انبہٹوی بھی اس قافلہ میں شامل تھے سارا قافلہ کچھ اوپر سو حضرات کا تھا جن میں مولانا محمود حسن صاحب و حکیم محمد حسن صاحب اور حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ ۷ شوال کو وطن سے روانہ ہو کر بمبئی پہنچ گئے اور حضرت امام ربانی اپنے مجمع کو ساتھ لیکر بارہویں شوال کو سہارنپور کے اسٹیشن پر ریل میں سوار ہوئے۔

اُس سال جس میں اس مقدس مجمع کا یہ مبارک و مشہور سفر حجاز واقع ہوا خشکی کا دخانی جہاز (ریل) بمبئی تک مسلسل جاری ہو گیا تھا اور بمبئی سے جدہ تک کے لئے بحری دخانی اگبوٹ (اسٹیمر) ایجاد ہو کر

چل نکلے تھے سہارنپور سے چل کر غازی آباد ریل بدلی جاتی تھی اور پھر الہ آباد سے کلکتہ لائن چھوڑ کر جبلپور کو دوسری گاڑی میں بیٹھنا پڑتا تھا۔ جبلپور سے بمبئی تک ریل کا سلسلہ قائم تھا مگر دو گاڑیاں روانہ ہوتی تھیں ایک سواری گاڑی کہلاتی تھی جو دن بھر چلتی اور جس اسٹیشن پر رات ہو جاتی وہیں شب گزارتی تھی اور دوسری ڈاک گاڑی تھی جو رات دن چلتی اور سواری گاڑی سے رفتار میں بھی تیز جاتی تھی۔ ڈاک گاڑی کا کرایہ زیادہ تھا اور سواری گاڑی کا محصول کم مگر بجز اسکے کہ مسافر کو منزل مقصود پر پہنچنے میں وقت کم صرف کرنا پڑتا تھا ڈاک گاڑی میں اور کوئی آسائش بڑھی ہوئی نہ تھی تاہم وقت کے قدر دان شخص کے لئے یہ منفعت تھوڑی نہیں بلکہ سچ پوچھئے تو سب منافع سے بڑھی چڑھی اور زیادہ کارآمد ہے۔

مولانا محمد مظہر صاحب کے سالے منشی محمد نذیر صاحب اٹاوہ میں تحصیلدار تھے اور انکی ہمشیرہ یعنی بیوی محمد مظہر صاحب کی اہلیہ بھی اس سفر میں حج کو جارہی تھیں اپنے بہنوئی سے انکا اصرار تھا کہ سارا قافلہ میرے غریب خانہ پر ایک شب قیام کرے اور ما حضر قبول فرمائیے اسلئے حضرت امام ربانی کے پاس اکثر رفقاء سفر کی معیت میں اٹاوہ تک کا ٹکٹ تھا قافلہ کے بعض حجاج کسی مصلحت یا اس قیام کی بے خبری و عدم اطلاع کے باعث آگے تک کا ٹکٹ لے چکے تھے۔ اٹاوہ کے مشہور مخیر رئیس اور علم و فقر دوست امیر کبیر منشی ممتاز علی خانصاحب جو اسوقت کسی ضرورت سے باہر گئے ہوئے تھے یکایک انکو اطلاع ملی کہ فلک ہدایت کے نیر اور نجوم بغرض سفر حجاز براہ اٹاوہ بمبئی کو جارہے ہیں اسلئے اس دولت عظمیٰ کے حصول سے محرومیت کو برداشت نہ کرسکے اور فوراً اٹاوہ پہنچے چنانچہ جسوقت اس بھرے مجمع کو لیکر ریل گاڑی اٹاوہ کے اسٹیشن پر پہنچی ہے تو استقبال کے لئے منشی محمد نذیر صاحب تحصیلدار اور نواب ممتاز علی خاں صاحب مع اپنے کئی سو ہمراہیوں کے پلیٹ فارم پر موجود تھے۔

اس مسرت کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے جو اس نعمت غیر مترقبہ کے حصول پر ان دونوں حضرات کو حاصل ہوئی کہ گھر بیٹھے ہندوستان کے دین و ایمان کی جان انکی مہمان بنی۔ جن حضرات کے پاس اٹاوہ تک کے ٹکٹ تھے وہ اُتر لئے اور باقی قافلہ جو آگے کا ٹکٹ لے چکے تھے محصول کی اضاعت کے اندیشہ سے بجبر اس عارضی مفارقت پر راضی ہوئے نواب ممتاز علی خاں صاحب نے قافلہ کی تفریق کا جب سبب معلوم کیا تو اصرار و الحاح کے ساتھ سب کو اتارلیا اور کہا کہ میں اسٹیشن ماسٹر سے سب کہہ سن لونگا یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ ہم خدام کی مہمانی قبول نہ فرمادیں اور اٹاوہ میں ایک دو یوم قیام کئے بغیر بمبئی روانہ ہوجائیں

عہ ضیغم جنگ

چنانچہ سارا قافلہ جسکا ساتھ آرہا تھا ساتھ ہی آتا اب خدا جانے کہ وہی ٹکٹ کسی سفارش کی بدولت کام آئے یا دوسرے ٹکٹوں کا تبادلہ ہوا جسکی کفالت ممتاز علی خاں صاحب کے ذمہ تھی بہرحال سارے قافلہ کی تحصیلدار صاحب اور نواب صاحب دونوں جان نثار خادموں نے دعوت کی اور شرف ملازمت وتعتمائے خدمت سے بہرہ اندوز اور مالا مال ہوئے آخر حضرات کے ارشاد کے موافق جسوقت کا حکم ہوا ہم ریل میں سوار کرانے اسٹیشن پر حاضر ہوئے اور سارے قافلہ کو گاڑی میں بٹھا کر جسوقت ریل نظر سے غائب ہولی رخصت ہوکر گھر واپس ہوئے۔

اس مقدس مجمع کے سفر عرب سے ہندوستان کا شاید کوئی شہر نا واقف نہ رہا ہو اسلئے جس اسٹیشن پر گاڑی پہونچکر ٹھیری زیارت کے شوق میں بھرا ہوا اہل اسلام کا مجمع استقبال کرتا نظر آتا اور جسکے نصیب میں بیعت مبارکہ مقدر ہوچکی تھی وہ اجازت نہ لے کر ساتھ ہوتا جاتا تھا مولوی احمد حسن صاحب کانپوری بھی اہلیہ کے اس مجمع کے ساتھ تھے آخر زمانہ میں اگرچہ مولانا کا کچھ رنگ بدلگیا تھا مگر اسوقت تو اسدرجہ معتقد تھے کہ حضرت امام ربانی کے اکثر اوقات گھنٹوں پاؤں دباتے اور کسی شے کی حضرت کو ضرورت ہوتی تو لپکتے اور پیشقدمی کیا کرتے تھے۔

اٹاوہ سے روانہ ہوکر سارا قافلہ الہ آباد پونچا اور الہ آباد سے جبلپور جبلپور پونچکر کچھ رائے کا اختلاف ہوا کہ مسافر گاڑی میں بیٹھنا چاہئے یا ڈاک میں مگر چونکہ اکثر کی رائے یہی تھی کہ مال سے زیادہ وقت عزیز ہے اسلئے ڈاک کی ایک گاڑی ریزرو کرالی گئی اور محصول سارے قافلہ پر تقسیم کردیا گیا اسطرح بمبئی تک کرایہ فی کس بیس روپیہ پڑا۔ گاڑی کے درجوں میں کنارے کا ایک درجہ مستورات کے لئے خاص کردیا گیا تھا اور اسکے برابر والا درجہ ان مردانہ سواریوں کے لئے مخصوص تھا جنکی معیت میں زنانہ سواریاں تھیں تاکہ اپنے متعلقین اور پردہ نشین عورتوں کو دقت یا تکلیف نہونے پائے باقی درجوں میں بلا امتیاز جس کا جہاں جی چاہا بیٹھ گیا۔

اللہ کے مقبول بندوں میں ہر ایک کا رنگ جدا ہوتا ہے اس لئے ان مقدس نفوس میں بھی یہ تفاوت موجود تھا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب پر فقر و درویشی اور حسن خلق کا غلبہ تھا جسکی وجہ سے آپ ہر وقت مجمع کا مرکز بنے رہتے اور آپکو مخلوق گھیرے رہتی تھی مگر حضرت امام ربانی قدس سرہ پر وہی انداز غالب تھا جو نیابت نبوت کے آثار جلیہ میں عالمانہ طرز ہوا کرتا ہے۔ آپ بھاری بھرکم نہایت سادہ مزاج منتظم مزاج

اور کم گو تھے سوائے کسی مسئلہ کا جواب دینے یا معمولی گفتگو میں عامی بات چیت کرنے کے اور کوئی بات نہ فرماتے تھے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہما میں کشوف کرنے کے اکثر ذکر مذاکرے ہوتے مکاشفات بیان کئے جاتے خوابیں ظاہر کی جاتیں غلبہ ظہور [illegible] ہوتی اور درویشانہ صوفیانہ چھیڑ چھاڑ برابر قائم رہتی تھی مگر حضرت امام ربانی اس قسم کی گفتگو کے وقت بالکل خاموش ہو بیٹھتے اور ایسے بن جاتے تھے گویا کچھ سنا ہی نہیں غرض مسلّم ہے کہ سوائے [illegible] مریدوں اور منتسبین اسلام اور اہل البصیرت حضرات کے جنکو عام مخلوق بھی ولی کامل اور شیخ وقت صوفی سمجھتی تھی امام ربانی کو مجمع کا کوئی شخص بھی درویش یا فقیری سے مناسبت رکھنے والا نہ سمجھتا تھا عام طور پر آپ محض مولوی سمجھے جاتے تھے مگر زبردست اور جزئیات پر حاوی مولوی گنے جاتے تھے ہاں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا محمد یعقوب صاحب یوں فرمایا کرتے تھے کہ میاں حضرت مولانا رشید احمد کی عالی ظرفی کا کیا ٹھکانا ہے سب کچھ پئے بیٹھے ہیں مگر کیا ممکن کہ ذرہ برابر ظاہر ہو جائے یہ ہمارے ہی ظروف ہیں کہ ایک بات بھی ضبط نہیں کر سکتے جو کچھ آتا ہے وہ ابلا اور چھلک جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ان حضرات کا بھی انکسار اور کمال قوت قدسیہ تھا ورنہ بات یہ ہے کہ "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست" حق تعالیٰ نے جس کو جس کام کے لئے بنایا ہے اس میں ویسی ہی استعداد و قابلیت رکھی ہے جو کار مفوضہ کی تکمیل کے لئے معین ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے رنگ میں رنگا ہوا مقتدائے مجمع بخیر و عافیت دہلی پہنچا اور حضرت امام ربانی قدس سرہ نے میاں رحمت اللہ انبہٹوی کے پاس حجرہ مسجد میں قیام فرمایا جو حکیم اسمٰعیل کی مسجد موسوم تھا دریائی کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

ریل کے سفر میں نماز کا جو اہتمام اس مقدس مجمع کی بدولت عام حجاج کو نصیب ہوا وہ دوسری جگہ کہاں مل سکتا تھا۔ جو بیچارے کسل و کاہلی یا ضعف و نقاہت کے باعث نماز میں سستی کا اظہار کر سکتے تھے انکو بھی مستعد بننا پڑا اور بدرجہ پابندی جماعت سے عملاً معلوم ہو گیا کہ نماز مسلمان کے لئے سفر و حضر میں یکساں ضروری عبادت ہے۔ اکثر نماز با جماعت ریلوے اسٹیشن پر اتر کر ایسی جگہ ادا کی جاتی تھی جہاں ریل کا توقف باطمینان فراغت نماز تک مقرر ہو اور اگر وقت مستحب کے گزر جانے کا اندیشہ ہوا تو ریل کے اسٹیشن پر ٹھیرنے کے وقت ریل ہی میں جماعت کھڑی ہو جاتی تھی اور اگر اتنی بھی گنجائش نہ ملی تو چلتی گاڑی میں نماز پڑھ لی جاتی تھی مگر جماعت کے ساتھ۔

وضو کا اہتمام ایک دو اسٹیشن پہلے سے ہوتا تھا جنکو وضو نہ ہوتا وہ فکر اور کوشش کے ساتھ پانی حاصل کر کے وضو کرتے اور وضو کے بعد کئی کئی وقت تک وضو کی نگہداشت و محافظت رکھتے تھے جنکو پانی نہ ملسکتا وہ تیمم کرتے اور نماز میں شریک ہو جاتے تھے کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکتے تو بیٹھکر پڑھتے تھے غرض یہ کہ ممکن نہ تھا کہ شرعی سہولت پر عمل نہ کریں اور اس شیطانی وسوسہ پر کہ " اسطرح نماز سے جی خوش نہیں ہوتا نماز کو ترک کردیں چنانچہ اس قافلہ کی یہ بات مشہور ہے کہ قافلہ میں ایک بڈھے شخص مزاج کے وہمی تھے اُنہوں نے تیمم کے لئے مٹی کا لوٹا خاص کر رکھا تھا ہاتھ مارتے مارتے وہ کالا پڑ گیا تھا۔

امامت اکثر حضرت امام ربانی قدس سرہ یا مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے اور کبھی کبھی کوئی تیسرا شخص بھی کھڑا ہو جاتا تھا نماز نہایت ہلکی پڑھی جاتی اور ساری شرعی ضروریات اور سہولتوں کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی اسٹیشن پر گاڑی ٹھیری اور مولوی سخاوت علی انبھٹوی کو امام نماز بنکر آقافلہ نے پلیٹ فارم پر صف بندی کرلی مولوی سخاوت علی صاحب نے قرأت میں تطویل کی اور رکوع وسجدہ بھی سفری ضرورت سے زیادہ طویل کئے جسوقت سلام پھیرا تو حضرت امام ربانی قدس سرہ نے فرمایا " کہیں ایسی نماز ایسے سفر میں پڑھی جاتی ہے " چنانچہ آیندہ کے لیے سب کو تنبہ ہو گیا اور سب سمجھ گئے کہ شریعت نے جو سہولت کیسی مریب عطا فرمائی ہے اُسکو قبول نہ کرنا احسان فراموشی اور سوء ادب ہے اسکے بعد جب نماز ہوئی وقت اور محل اور گنجایش وطبائع مصلین کا لحاظ رکھکر ہوئی۔

راستہ میں بہتیری کرامتیں ان حضرات سے صادر ہوئیں چونکہ مختصراً قصہ سفر بیان کرنا مقصود ہے اسلئے اُن سے چشم پوشی کی گئی البتہ ایک موقع کا تذکرہ بر سبیل ذکر سفر کر دینا ضروری ہوا۔

حضرت کے بھانجہ مولوی عزیز الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں فجر کا وقت تھا صبح صادق ہو چکی تھی کہ ایک اسٹیشن پر ریل ٹھیری ماموں صاحب (حضرت مولانا قدس سرہ) اُترے وضو کیا اور دو تین آدمی کی جماعت فجر کا تہیہ دیکھکر ریل میں جسقدر مسلمان سوار تھے قریب قریب سب اُتر کھڑے ہوئے اور جلدی جلدی وضو کر کے شریک نماز ہو گئے کئی صفوں کی جماعت پلیٹ فارم پر نہایت وقار واطمینان کے ساتھ ہو رہی تھی کہ ریل نے سیٹی دیدی بیسیوں نمازی ریل کی آواز پر نیت توڑ توڑ کر جلدی جلدی ریل میں سوار ہو گئے اور لگے ہنسنے اور قہقہے مارنے کہ خوب نماز پڑھی بھئی خوب نماز پڑھی"

حضرت امام ربانی مع اپنے ہمراہیوں کے اُسی اطمینان کے ساتھ نماز میں مشغول رہے تشویش نہ

اضطراب کا کوئی اثر لہجہ یا آواز تک میں پیدا نہیں ہوا خدا کی شان ہے کہ ادھر نماز ہو رہی تھی اور ادھر ریل کھنچ رہی تھی مگر ایک قدم آگے کو سرک نہ سکتی تھی یہاں تک کہ نمازیوں نے سلام پھیرا اور مختصر دعا مانگ کر ریل میں سوار ہو گئے حضرت امام ربانی کا معہ اپنے قافلہ کے سوار ہونا تھا اور ریل کا چل دینا اس موقع پر گویا گھنٹہ کا وقفہ ہوا جسکو تیز رفتار گاڑی نے آگے جا کر پورا کیا - ریل کا توقف اور چل نہ سکنا کرامت حسّی تھا جسکو ناظرین باوقعت سمجھتے ہیں مگر مؤلف کے نزدیک حضرت امام ربانی کی استقامت اور نماز میں مشغولیت و محویت کی وہ پختگی جس سے ریل کی سیٹی و آواز کیطرف دھیان بھی پیدا نہ ہونے دیا وہ معنوی کرامت ہے جو اہل بصیرت کے نزدیک زیادہ بصیرت کا باعث ہے پس اگر ریل اس موقع پر روانہ بھی ہو جاتی اور آپکو دوسری گاڑی میں سفر کرنا پڑتا تب بھی اس معنوی کمال میں کچھ فرق یا کمی نہ آتی اس قسم کے معنوی کمالات قدم قدم پر اس مقدس مجمع سے ظاہر ہوتے جاتے تھے مگر ظاہر بین چونکہ حسّی خرق عادت کو کمال سمجھتے ہیں اسلئے حق تعالیٰ کی طرف سے اُسکا بھی ظہور ہو گیا تاکہ نیت توڑنے والوں اور ہنسنے والے گروہ کو تنبیہ ہو جائے اور یہ واقعہ بالتخصیص انکی ہدایت کا ذریعہ بنجائے -

بمبئی پونچکر قافلہ کو بائیس ۲۲ دن ٹھیرنا پڑا روزانہ جہاز کا انتظار رہتا مگر اگبوٹ تھا کہ آنے کا نام نہ لیتا تھا - لوگ گھبرانے اور تنگ آئے جاتے تھے ایک دن حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمانے لگے کہ "آج معلوم ہوا ہے سارے قافلہ کو مولانا محمد قاسم صاحبؒ روک رہے ہیں انکے چند رفقاء جو ضلع مظفر نگر سے آنے والے ہیں جب تک وہ نہ آجائینگے اُسوقت تک نہ جہاز آوے نہ جاوے" چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مظفر نگر کا قافلہ جسدن بمبئی پونچا اُسی دن ایک جرمنی جہاز کا حاجی قاسم نے ٹھیکہ لیکر شام ہی کو ٹکٹ کھولدیا اور فروخت کرنا شروع کردیا چھتری کا محصول [illegible] اور ٹکٹ کا کرایہ [illegible] اکثر قافلہ نے شوق سے ٹکٹ لئے اور ان حضرات کے پاس مالیق قافلہ کی معیت میں چھتری کے ٹکٹ آئے اگلے دن کشتیاں کنارے پر آلگیں اور جدہ کے جانے والے سارے مسافر جہاز پر سوار بھی ہو گئے دوسرے دن جہاز نے عرب کی جانب رخ پھیرا اور رخصتی سیٹی بجا کر روانہ ہو گیا - جہاز کا کپتان نصرانی المذہب تھا مگر شریف خاندان اور خلیق طبع اسلئے جہاز کے مسافروں کو بہت ہی راحت ملی جس نے جہاں چاہا بستر لگایا اور جسجگہ آرام ملا اُسپر قبضہ جما لیا کپتان آتا تو راستہ میں جگہ نہ ملنے کے باعث ہنستا مسکراتا اور "وہ حاجی بابا ذرا سے بستہ دیدو ہم نکل جائیں" کہتا ہوا چلا جاتا تھا - جہاز میں بڑی لمبی صف بندی ہو کر

پانچوں نمازیں جماعت سے ادا ہوا کرتی تھیں کپتان اس پیاری عبادت کو سلیم و سلیس انداز کے ساتھ ادا ہوتے دیکھتا تو خوش ہوتا اور مسلمانوں کی اس عبادت پر تعریف کیا کرتا تھا غرض آٹھویں دن عدن کے بندرگاہ پر جہاز نے لنگر کیا اور ایک دن رات وہاں ٹھیر کر جہاز روانہ ہوا چوتھے دن جدہ کا بندرگاہ نظر آنے لگا خلاصہ یہ کہ سارا قافلہ نہایت آرام اور راحت کے ساتھ تیرھویں دن بمبئی سے چلکر جدہ آپونچا۔

کپتان بھی حج کو جانے والے مسافروں سے کچھ اسدرجہ مانوس ہوا کہ بلا محصول موٹر کی سیر کرائی خود اپنی سواریوں سے درخواست کی مگر چونکہ ان حضرات نے جو سارے قافلہ کے سردار اور میر قافلہ تھے اس فضول سفر میں وقت کا ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اسلئے جہاز کا لنگر باب الحرمین کے کنارے ڈالدیا گیا اور کپتان نے درخواست کی کہ خوشنودی و راحت یابی کا ایک پروانہ آپ لوگ اپنا دستخطی مجھکو دیں تاکہ آقا کے نزدیک میری وقعت کا باعث ہو اور عہدہ میں ترقی کا سبب بنے۔

حقیقت میں مسافروں کو اس نیک دل عیسائی نے اپنے خلق و تلطف سے راحت پہونچائی تھی اسلئے سب نے بخوشی اس درخواست کو منظور کیا۔ رضا اور راحت رسانی کا اظہار عربی زبان میں کیا گیا امام ربانی قدس سرہ نے دستخط فرمائے اور مجمع کے دستخط کرائے غرض مکمل کرکے یہ سندی دستاویز کپتان کے حوالہ کردی گئی کپتان نے اسکو چوما اور آنکھوں سے لگایا پھر سر پر رکھ لیا اور یہ کہا کہ "یہ میرے لئے سند ہے" اس دستاویز خوشنودی کا ترجمہ انگریزی میں بھی کیا گیا اور وہ بھی کپتان کو دیدیا گیا۔

جہاز کے سارے سفر میں بھی حضرات کا فرق طبائع اپنا اپنا رنگ جدا دکھلاتا رہا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اکثر اوقات مجمع میں گھرے رہتے اور خلق اللہ کو کلمات طیبات سے مستفید فرماتے رہتے تھے مگر حضرت امام ربانی حجاج کی خدمت و راحت رسانی اور تمام رفقاء کے مال و متاع کی محافظت اور انتظام و نگرانی میں مشغول رہتے تھے اپنے ہمراہیوں میں سے ہر ایک کی چیز پر نظر رکھتے کہ ادھر ادھر غائب یا اوجھل ہوکر گم ہو جائے کوئی دوران سر میں مبتلا ہوتا تو بار بار اسکے پاس جاتے اور تسلی دلاسے کے علاوہ چٹنی اچار جو کچھ ملتا اسکو کھلاتے تھے کسی کی جائے نشست تکلیف کی پاتے تو اسکے لئے دوسری جگہ کا فکر کرتے اور کسیکو محزون و مغموم یا پریشان حال دیکھتے تو اسکی تسلی فرماتے تھے۔ غلہ کی بوریاں اور جنس و سامان خوراک یا دیگر ضروریات کے صندوق جنکو جہاز والوں نے مالک کے موجود نہونے کی وجہ سے نیچے کے تہ یا مال گودام میں ڈالدیا تھا حضرت امام ربانی اپنے رفقاء کی ضرورت محسوس فرماکر نشان دیتے اور علامات پوچھ پوچھ کر انکو تلاش کراتے

اور نکلوا کر مالک کے پاس رکھوا دیئے جاتے تھے یلملم کے قریب جس وقت جہاز پہونچا اور کپتان نے اطلاع دی کہ حاجیو احرام باندھ لو" تو حضرت امام ربانی نے مختصر بیان فرمایا اور ارکان و ضروریات حج سے لوگوں کو آگاہ کیا پھر خود بھی احرام باندھا اور ہمراہیوں کو بھی باقاعدہ احرام بند ہوایا۔

مولوی محمد احسن صاحب میرٹھی مہاجر مکی نے اسی سال مطوفی لی تھی چنانچہ جس وقت انکو اطلاع ہوئی کہ اولیاء ہند کا مقدس مجمع عرب آرہا ہے تو اعلیٰحضرت حاجی صاحب سے اجازت لیکر سارے مجمع کو اپنی نگرانی میں لینے جدہ آئے اور بندرگاہ پر سامنے قافلہ کا استقبال کیا اور خیر مقدم کہا۔ مولوی محمد احسن صاحب مرحوم کی خوش نصیبی تھی کہ انکی مطوفی کا افتتاح اس مقدس جماعت کی خدمت سے ہوا مگر دوسرے مطوفوں کو انکی یہ عزت افزائی گوارا نہوئی اسلئے حسد کرنے لگے اور وہ درخشاں اندازیاں کیں کہ تین دن تک مولوی محمد احسن صاحب کو کرایہ کے اونٹ بھی نصیب نہوئے جنپر اس قافلہ کو سوار کرائیں آخر چوتھے دن بدقت کامیابی ہوئی اور غالباً ۳۰۔ ذیقعدہ کو یہ قافلہ جدہ سے مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہوا۔

اونٹوں کے سفر میں اکثر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے ردیف مولوی محمد منیر صاحب نانوتوی تھے اور حضرت امام ربانی قدس سرہ کے ہمراہ حاجی عبدالحمید صاحب گنگوہی۔ شبری کے اونٹ کا کرایہ تو علیحدہ تھا اور شغدف کے اونٹ کا پانچ روپیہ۔ جدہ سے مکہ معظمہ دو پڑاؤ ہے پہلے دن منزل کا اختتام بحرہ یا حدہ تھا ہوتا ہے پس جو اونٹ اول وقت چل نکلے تھے انہوں نے بحرہ میں اور باقی قافلہ نے حدہ میں قیام کیا۔ اسطرح پر راستہ میں قافلہ کے دو حصے ہوگئے اگلے دن شب کے وقت مکہ معظمہ پہنچے۔

اعلیٰحضرت حاجی صاحب کو اپنے لاڈلے اور چاہیتے پیارے ہندی قافلہ کے جدہ سے روانہ ہونیکی اطلاع مل چکی تھی باوجود ضعف و نقاہت کے سنت استقبال اور جوش محبت میں شہر سے باہر ملنے کی تمنا پوری کئے بغیر نہ رہ سکے خدا جانے کس وقت کے منتظر کھڑے اور راستہ کیجانب آنے والے قافلہ کا انتظار فرمارہے تھے جس وقت قافلہ باب مکہ پر پہونچا تو سبنے دیکھا کہ اعلیٰحضرت چھڑی سے کمر باندھے ہوئے سبیل کے پاس کھڑے تھے۔ شیخ کے شیدا اور مرشد کے جان نثار خدام اسی وقت سواری سے نیچے اتر پڑے اور بغلگیر ہو ہو کر خوب دل کھول کر ملے۔

مولانا حکیم محمد حسن صاحب چونکہ کچھ پہلے پہونچ لئے تھے اسلئے پاس کھڑے ایک ایک کا نام و نشان بھی بتاتے جاتے تھے اسلئے کہ شب کا وقت تھا اور قافلہ میں بہتیرے آدمی ایسے بھی تھے جن سے اعلیٰحضرت

ملنے کا بہت کم اتفاق ہوا یا ملے ہوئے زمانہ مدید گزر چکا تھا اعلیٰحضرت سرتا پا خلق کی مسافر نوازی تھی کہ قافلہ کے ایک ایک متنفس سے اجنبی ہو یا واقفکار بغلگیر ہوئے اور جب تک وہی علیٰحدہ نہ ہو گیا اعلیٰحضرت نے اپنے سینہ علم معرفت گنجینہ سے علیٰحدہ نہیں کیا۔ سو حضرات سے بغلگیر ہونا اور مسکرا مسکرا کر مزاج پرسی کوئی معمولی بات نہ تھی خصوصاً اس پیرانہ سالی و ضعف جسمانی کے وقت الغرض اعلیٰحضرت سارے قافلہ کو اپنی رباط میں لائے اور وہیں ٹھیرایا یہ مکان اعلیٰحضرت کو اُسی سال ملا تھا بلکہ ابھی تک آپنے اُس میں سکونت مستقل نفرمائی تھی اسلئے زیادہ مناسب سمجھا گیا کہ اس مقدس جماعت کا اول اس مکان میں قیام ہو صبح کو سارے مجمع کی دعوت بھی اعلیٰحضرت ہی کے دسترخوان پر ہوئی ہر چند کہ امام ربانی قدس سرہ نے عرض کیا بھی کہ آدمی بہت ہیں مگر اعلیٰحضرت نے یہ فرما کر "میری خوشی اسی میں ہے کہ سب احباب میرے یہاں کھا دیں" مجبور فرما دیا۔

سوائے چند اصحاب کے کہ اُنھوں نے اپنی راحت دوسری جگہ دیکھکر جدا مکان کا انتظام کیا قافلہ کا اکثر حصہ اعلیٰحضرتؒ کی رباط ہی میں مقیم رہا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام ربانی نے دوبارہ چودہویں سال اپنے شیخ کی زیارت کی اور شرف ملازمت حاصل فرما کر فیوضات نامتناہی سے بہرہ اندوز ہوئے حج کا زمانہ قریب تھا اسلئے اُس سے فراغت حاصل کی۔

آپکے عزیز او رفقاء کا زیادہ حصہ اعلیٰحضرت کی خدمت میں حاضر رہنے یا مطاف کے اندر طواف بیت اللہ میں گذرتا تھا رفقاء سفر نے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ حضرت مولانا قدس سرہ پر باوجود کوہ وقار ہونیکے حالت طواف میں خشوع و خضوع کا اسدرجہ غلبہ ہوتا تھا کہ چھپائے چھپ نہ سکتا تھا ایک مرتبہ آپ ململ کا ہلکا کرتہ پہنے طواف میں مشغول تھے مطاف میں ایک بزرگ بیٹھے آپکو تک رہے تھے جسوقت شوط میں آپکا گزر ان بزرگ پر ہوا تو اُنہوں نے ایک کلمہ کہا جسکی طرف حضرت امام ربانی کو محویت و استغراق کے باعث خیال بھی نہ ہوا کہ کیا فرماتے ہیں دوسرے شوط میں جب دوبارہ اُنہوں نے وہی کلمہ پکار کر کہا تو آپنے غور سے سُنا اور سمجھا کہ مخاطب میں ہی ہوں جب آپنے اُنکی طرف دیکھا تو وہ فرمانے لگے "اُلبس لباس الصالحین" (صالحین کا لباس پہنا کیجئے) آپنے اپنے ململ کے کرتہ کیجانب اشارہ فرمایا اور جواب دیا کہ "ھذا لباس الصالحین" (یہ بھی تو صالحین ہی کا لباس ہے) اُن بزرگ نے فرمایا کہ "لا لا خشن خشن" (نہیں نہیں موٹا دبیز) حضرت امام ربانی یہ جواب دیکر کہ "طیب بارک اللہ" (بہت اچھا خدا آپکو برکت دے)

طواف میں مشغول ہو گئے اور شوط پورا فرمایا۔

حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ بیعت حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ سے تھے مگر اعلیحضرت حاجی صاحب کی طرف سے مجاز تھے اور تعلق قلبی بھی بہت بڑھا ہوا تھا اسلئے حضرت حاجی صاحب کی دوبارہ زیارت اور حضرت امام ربانی کی معیت مقدسہ کے لئے اس سفر حج میں ساتھ آئے تھے مدینہ منورہ پہلے سفر میں حضرت مولانا کے ہمراہ حاضر ہو چکے تھے اسلئے اس مرتبہ حج سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ سے براہ جدہ واپسی وطن ہوئے اور حضرت امام ربانی قافلہ کے ہمراہ بعد حج سلطانی راستہ سے مدینۃ الرسول روانہ ہوئے۔ قافلہ بیرون مدینہ منورہ ہی تھا کہ رات ہو گئی اور شہر پناہ کے دروازہ بند کر دئے گئے اسلئے قافلہ کو مناخہ میں ٹھیرنا پڑا علی الصباح حضرت امام ربانی مع دیگر حضرات کے صلوٰۃ صبح ادا کرنے کے لئے قافلہ سے باہر نکلے اور مسجد نبوی کی جانب روانہ ہوئے نماز سے فارغ ہو کر روضۂ اطہر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے اور بڑے جوش و شوق کے ساتھ صلوٰۃ و سلام عرض کیا اسکے بعد مواجہ شریفہ میں مراقب ہو کر بیٹھ گئے یہانتک کہ آفتاب نکل آیا اسوقت آپ اپنے خاص رفقاء کو ساتھ لیکر حضرت شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

شاہ صاحبؒ کو اس مجمع کے ساتھ جو کچھ تعلق یگانگت تھا اُسکا پوچھنا ہی کیا؟ بہت ہی مسرور ہوئے اور عرصہ تک حالات پرسی میں مشغول رہے۔ یہ بات مشہور ہے کہ شاہ صاحبؒ نہایت کم گو تھے اکثر اپنی کیفیت میں مستغرق و متلذذ رہتے اور بلا ضرورت ایک بات بھی زبان مبارک سے نہ نکالتے تھے مجمع میں جو احباب و نا واقف اصحاب تھے اُن سے بھی شاہ صاحب نے اخلاق کریمانہ کے ساتھ مصافحہ فرمایا مگر مولوی الطاف الرحمٰن صاحب کو جو اعلیحضرت کے بھانجے ہی نہیں بلکہ عاشق زار تھے بالتخصیص حضرت مولاناؒ سے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ مولوی الطاف الرحمٰن کا اپنے ماموں کے ساتھ تعلق محبت حقیقت میں عشق کے درجہ پر پہنچا ہوا تھا ان حضرت نے پڑھا بھی اپنے ماموں ہی سے تھا مگر فراغت کے بعد ہر چند ملازمت اور نوکری کے لئے حضرت نے انکو باہر بھیجنا چاہا مگر ماموں کی مفارقت گوارا نہ کر سکے اور اگر بھیتیرا کہنے سننے امتثالاً للامر کہیں گئے بھی تو بیس حیلے اور تدبیریں ایسی کیں کہ آخر مخدوم العالم ماموں کو لکھنا پڑا کہ چلے آؤ جس سال مولانا خلیل احمد صاحب بیچ جانے ملازمت ریاست بھاولپور سے رخصت لیکر حج کو روانہ ہوئے ہیں تو حضرتؒ کے حکم کے موافق مولوی الطاف الرحمٰن کو اپنی جگہ قائم فرما گئے تھے مولوی

الطاف الرحمٰن صاحب چلے تو گئے اور حسب شرح ہیں پڑا چند روز رہے بھی مگر ماموں کے فراق میں اکثر اوقات رویا کرتے تھے خصوصاً شب کو سونے کے لئے چارپائی پر بیٹھتے تو گھنٹوں آنسو بہاتے اور کروٹیں بدلا کرتے تھے آخر تاب مفارقت نہ لاسکے اور آب و ہوا کی ناموافقت و طبیعت کی علالت کا بہانہ لیکر ماموں صاحب سے تحریراً اظہار کرکے اجازت حاصل کی اور جب واپس وطن ہوئے تو حضرت کے پاس حاضر ہوتے ہی بالکل تندرست ہوگئے حضرت بارہا فرمایا کرتے کہ الطاف الرحمٰن سمجھے کیا ہوگا یہ نوکری کیوں نہیں ہوسکتی تو کوئی ان کے پاس سوائے اسکے کہ جو زیادہ تر یہ تھا کہ مجھے آپکی خدمت سے علحدہ رہنا بہت شاق ہے۔

حضرت امام ربانی کو بھی ان کے ساتھ خاص انس و تعلق تھا اول تو بھانجے تھے اور دوم شاگرد اور مرید تھے سب سے بڑی بات یہ کہ نہایت صالح متقی اور پارسا اپنے ماموں کے قدم بقدم تھے اسی سبب سے حضرت مولانا انکو زیادہ محبوب سمجھتے تھے اس مرتبہ حج کے سفر میں بھی ساتھ ہمراہ لیا۔

مدینہ منورہ میں اس مقدس قافلے نے کم و بیش چالیس روز قیام کیا شاید و مقامات متبرکہ پر حاضر ہو کر کیفیات غریبہ و انوار عجیبہ کی بہتی نہر پائی حضرت شاہ صاحب نے ایک شخص ملا صفر نامی بخاری کو ان حضرات کے حوالے فرمادیا تھا کہ جہاں حاضر ہونا چاہیں وہاں لیجائیں چنانچہ مسجد قبا قبلتین آبار مسجد و جبل احد وغیرہ سب ہی زیارتگاہوں پر حاضری دی اور خوب خوب گھما ئے نعم خداوندی سے دامن دل بھرا۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند کا قصد یہ تھا کہ اپنے مرشد حضرت شاہ عبد الغنی صاحب کی خدمت میں رہ پڑیں چنانچہ شاہ صاحب سے اجازت بھی حاصل کرلی تھی مگر مولانا محمد یعقوب صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب اس پر مصر تھے کہ مولوی رفیع الدین صاحب قافلے کے ہمراہ واپس تشریف لے چلیں کیونکہ مدرسہ دیوبند کے اہتمام کے لئے ایسا آدمی ملنا دشوار تھا حضرت امام ربانی کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کو کمال محبت و عنایت و وثوق و اعتماد کے لئے یہ دلیل بھی کافی ہے کہ اس معاملہ کا فیصلہ آپ پر محول کیا گیا اور شاہ صاحب نے حضرت مولانا سے دریافت فرمایا کہ مولوی رشید احمد تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے مولوی رفیع الدین کا منشا ہے کہ میرے پاس مدینۃ الرسول میں رہیں اور ان کے ہمراہی انکو واپس لیجانے پر مصر ہیں" آپ نے جواب دیا کہ حضرت دیوبند کا مدرسہ اسلام کی ایک بڑی خدمت ہے اُسکے اہتمام کے واسطے مولوی رفیع الدین صاحب جیسا متدین آدمی ملنا مشکل ہے اس لئے مولوی محمد یعقوب صاحب اصرار فرماتے ہیں کہ مدرسہ کو نقصان نہ پہنچے" یہ سنکر شاہ صاحب نے فرمایا

ہاں اگر ایسا ہے تو بیشک مولوی رفیع الدین کا ہندوستان ہی جانا ضرور ہے" اسکے بعد پھر جید حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو قدموں سے جدا نہ کیجیے مدرسہ کا کچھ انتظام ہو جائیگا لیکن شاہ صاحبؒ نے قیام کی اجازت ہی نہ دی اور جب فرمایا یہی فرمایا کہ "بھائی دین کی خدمت بڑا کام ہے شریعت محمدیہ کی خدمت خوش نصیبوں ہی کو ملتی ہے جسے حق تعالیٰ یہ عطا فرمائے اپنے دین کا ایک کام لے رہے ہیں تو اُنہیں حرج ڈالنا معصیت سے خالی نہیں" غرض مدینہ منورہ میں تخمیناً بیس یوم قیام فرما کر یہ قافلہ بخیر و خوبی مکہ واپس ہوا اور پھر باطمینان ایک مہینہ سے زیادہ مکہ معظمہ میں قیام کیا۔

جن لوگوں کے پاس خرچ کم رہ گیا تھا یا وطن پہنچنے کی ضرورت تھی وہ رخصت ہو کر جہازوں میں سوار ہو گئے اور حضرت امام ربانی قدس سرہ نے معہ اپنے خاص رفقاء کے یہاں سے چلنے کا نام نہ لیا۔ ایک ماہ گذرنے پر آپ کے اکثر ہمراہیوں کے پاس زاد راہ قریب الختم پہنچ گیا اور باہم خفیہ مشورے ہونے لگے کہ کس طرح حضرت سے چلنے کی درخواست منظور کرائیں مگر رعب و لحاظ کے باعث کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی اور ہمت بھی کی جاتی تو منظوری دشوار تھی غالباً یہی جواب ملتا کہ "جسکو عجلت ہو وہ چلا جائے" اسلیے ایک مرتبہ چند مخلص اصحاب نے اعلیحضرت حاجی صاحب کی خدمت میں ساری حالت عرض کی اور چاہا کہ حضرت کو حکماً ہندوستان جانیکو فرمادیں کہ ہمیں معیت کی نعمت سے محرومی نہ ہو چنانچہ اعلیحضرت نے درخواست منظور فرمائی اور حضرت امام ربانی سے فرمایا کہ "مولانا جی تو نہیں چاہتا کہ آپ سے علیحدگی ہو مگر ہمراہیان کے پاس خرچ کم رہ گیا ہے اور آپ کی ذات سے اہل ہند کو جو نفع ہے وہ ظاہر ہے اسلیے مناسب یوں ہی معلوم ہوتا ہے کہ اب ہندوستان واپس ہوں"۔

اعلیحضرت کے حکم پر حضرت مولانا سوائے تعمیل کیا فرماسکتے تھے واپسی کا قصد فرما لیا اور تہیہ سفر شروع کردیا اتفاق سے جس روز چلنا قرار پایا تھا عین اُسی دن پلونا کے فتح ہونے اور روس کے قبضہ میں آجانے کی وحشتناک خبر مکہ میں پہنچی مگر اسطرح کہ تصدیق و تحقیق کی کوئی صورت نہ پائی ہر چند کہ اس خبر نے طبعی رنج و غم اور تحقیق کی طلب و فکر کے باعث پھر قصد سفر ملتوی کرنے پر مجبور کیا لیکن اعلیحضرت حاجی صاحب نے یہ فرما کر کہ "سلسلہ اخبارات بند ہو رہا ہے یہاں مہینوں میں بھی تصدیق یا تکذیب اس خبر کی نہ ہوسکیگی جاؤ بسم اللہ کرو جو کچھ مقدر تھا ہوا اور جو ہونا ہے وہ ہو کر رہیگا" الغرض اعلیحضرت کے ارشاد سے مسافر رخصت ہو کر جدہ پہنچے اور جو جہاز جانے کو طیار کھڑا ہوا تھا گو تنگی جگہ کی تکلیف تھی مگر یہ مکرراً اُسی کے ٹکٹ لے لیے

کہ جب مکہ چھوٹ گیا تو ذرا سی راحت کے انتظار میں جدہ پڑے رہنے سے کیا فائدہ اُسی دن شام کو جہاز روانہ ہو گیا اور تمام حضرات تیرہویں دن بخیر و عافیت بمبئی پہونچ گئے اور بمبئی سے گنگوہ۔

الحمد للہ کہ سارا سفر سہولت و راحت کے ساتھ انجام کو پہنچا البتہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو علالت لاحق ہوئی جو بظاہر خفیف محسوس ہونے کی وجہ سے سفر کی مزاحم یا رفقاء کی پریشان بنانیوالی تو نہوئی مگر آہستہ آہستہ بڑھکر آخر کار وہی بیماری مرض الموت بنی اور تیسرے سال ۱۲۹۷ھ میں جان ہی لیکر گئی۔

حضرت امام ربانی ۱۲۹۵ ہجری میں واپس گنگوہ آکر پھر اُسی خدمت دین متین اور تعلیم و تلقین مسترشدین میں حسب عادت معہودہ مشغول ہو گئے جسکے لئے خلاق ازل نے آپکو دنیا میں بھیجا تھا۔ اسی ماہ رجب میں آپکو حق تعالیٰ نے دوسرا نواسہ عطا فرمایا جسکا نام **محمد یعقوب** رکھا گیا مگر اس دار ناپائدار میں شادی و غم توام ہیں اور اولیاء کی آزمائش و امتحان کے لئے تو صدمات و اموات اعزہ گویا لازمی ہیں۔ بقا سوائے ذات پاک باری تعالیٰ کے کسیکو نہیں اسلئے اُسکے سامان شروع ہو گئے اور حضرت مولانا قدس سرہ کو منجملہ اُن احباب و اقارب کے جو باعث راحت روح اور موجب خنکی چشم تھے یکے بعد دیگرے متعدد صدمات میں دو بڑے صدمے اُٹھانے پڑے یعنی ایک اپنے ماموں مولوی عبد الغنی صاحبؒ کا جو یتیم ہونے کے زمانہ سے ابتک باپ کیجگہ سرپرستی اور شفقت و نازبرداری کیا کرتے تھے اور دوسرا اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا جنکے ساتھ طالبعلمی کے زمانہ اور نوعمری کے وقت یعنی اٹھارہ سال کی عمر سے آجتک رنگ و بو یا جسم اور جان کا تعلق یگانگت رہا تھا یہ دونوں جانکاہ حادثہ ایک ہی سال ۱۲۹۷ ہجری میں واقع ہوئے اس روح فرسا تصادم سے آپکے نازک قلب پر جو کچھ چوٹ لگی اُسکا اندازہ کوئی کیونکر کر سکتا ہے۔ ایک مرتبہ خود امام ربانی قدس سرہ نے بر سبیل تذکرہ یوں فرمایا تھا کہ مولوی محمد قاسم کی مفارقت کا مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ اگر ایک بات نہوتی تو اُسی وقت میری جان نکل جاتی" کسی خادم نے عرض کیا کہ حضرت وہ کیا بات تھی فرمایا "وہی جسکی وجہ سے تم مجھے بڑا سمجھ رہے ہو"

آیئے اب اُس حجرہ کی اندر سے آپکو زیارت کرائیں جو حجرہ قدوسی کہلاتا ہے اور حضرت کے مقدس ہاتھوں نے لیپا پوتا صاف کیا ہوا تھا اسی حجرہ میں مولانا انبہٹوی نے بیعت کی سلسلہ جنبانی کی تھی اور یہی خلوتخانہ کم و بیش پچاس برس تک حضرت مولانا کی عبادتگاہ رہا کر۔ اسی حجرہ میں آپکو نماز پڑھتے کسی جانور نے کاٹا تھا جو مرض الموت قرار پایا اور اسی کے متعلق آپکی ہجرت کا وہ امتحان واقع ہوا جسمیں پر زادوں نے آپسے منازعت کی



باهتمام عاشق الهی مهتمم خیر المطابع میرٹھ طبع هوا

حج سوم

سنہ ۱۲۹۹ ہجری میں حضرت امام ربانی قدس سرہ نے دوسرے حج بدل کی طیاری کی مگر اس سفر کا تہیہ دفعۃً ہوا اور وقت اتنا تنگ ہوگیا تھا کہ حج میں شریک ہوسکنے کی لوگوں کو اُمید نہ تھی۔ چونکہ ذیقعدہ کو آپ روانہ ہوئے اور زمانہ وہ تھا کہ جزیرہ کامران میں دس روز کا قرنطینہ سلطان روم کی طرف سے قائم ہوگیا تھا کہ جو حجاج براہ عدن جدہ جائیں وہ اسجگہ صحت جسمانی کے امتحان کو دس یوم حبس بوش مکان میں رہیں بمبئی سے حجاج روانہ ہوچکے تھے بچے بچائے چند نفر باقی تھے جو جہاز کے منتظر تھے کہ جس طرح بن پڑے عرب میں تو جا پڑیں خدا کی شان کہ جہاز آیا اور جدہ کا ٹکٹ تقسیم ہونے لگا حج میں صرف بارہ چودہ روز باقی تھے جن میں سے قرنطینہ کے دس یوم نکالکر دیکھا جائے تو چار پانچ دن کا ہی وقفہ تھا ہر چند لوگوں نے منع کیا کہ اب جدہ کا ٹکٹ لینا فضول ہے اسال کسی طرح حج نصیب نہیں ہوسکتا روپیہ خراب کیجیئے مگر حضرت امام ربانی قدس سرہ نے کچھ توجہ نہ فرمائی اور ٹکٹ لیکر جہاز پر سوار ہوگئے۔

جہاز نے بمبئی سے لنگر اُٹھایا تو ساتویں دن عدن پونچا اور چند گھنٹہ بندرگاہ عدن پر ٹھیر کر وہاں سے چلا تو سیدھا حجاز کا رُخ کیا یہاں تک کہ نویں دن جدہ نظر آنے لگا۔ جہاز کے لنگر ڈالتے ہی مسافر کشتیوں پر سوار ہوگئے اور خشکی پر آاُترے کسیکو خبر بھی نہوئی کہ کامران کیا شے ہے اور کدہر واقع ہے۔

اسمیں شک نہیں کہ زبردست رومی سلطنت کا حکم ماننا ہر جہاز کے مالک پر ضرور تھا کسی کی طاقت نہ تھی کہ تعمیل سے سرتابی کرے اور مانا کہ وہ سال قرنطینہ کا پہلا ہی سال تھا مگر ہر ملک میں شایع ہوجانیوالی اطلاع سے کسی جہاز کے کپتان کا کان ناآشنا نہ رہا تھا مگر کوئی غیبی قوت جہاز کو آگے کھینچ رہی اور حق تعالے کے شاہنشاہی حکم سے جہاز سیدھا عرب کے بندرگاہ پر جا رہا تھا اسلئے اُسکو کوئی روک نہ سکا۔ سُنا ہے کہ کامران کی راہ سے باہر جانے اور حد معینہ سے جہاز کے متجاوز ہونے پر ترکی افسروں کیطرف سے آگے چلنے کی ممانعت اور جہاز کا رُخ کامران کیجانب پھیرنے کی ہدایت میں بار بار سُرخ جھنڈیاں دکھائی گئیں اور جہازی علامات سے اس بیباکی کا سخت جرم ہونا کپتان کو سمجھایا بھی گیا مگر جہاز کا مُنہ کامران کی طرف نہ پھرنا تھا نہ پھرا آخر واپسی کے وقت اس جہاز کو سلطنت ٹرکی طرف سے اس جرم کی سزا بھگتنی پڑی یعنی بجائے دس یوم کے بیس دن کا ڈبل قرنطینہ کرنا پڑا اور تین ہزار روپیہ کی رقم جرمانہ کی دینی پڑی۔

حضرت امام ربانی بمبئی سے چلکر نویں دن بعافیت جدہ پہونچ بھی لئے وہاں سے اونٹوں کا بندوبست بھی جلدی ہوگیا چنانچہ مکہ معظمہ پہونچے اور اگلے دن ارکان حج شروع ہوگئے نہایت اطمینان کے ساتھ آپ وقت پر منا روانہ ہوئے اور وہاں سے عرفات غرض حج کے پورے ارکان و آداب براحت وطمانیت کے ساتھ ادا کئے اور تیسری مرتبہ مرشد العرب والعجم شیخ الکل اعلیحضرت حاجی صاحب کی زیارت وشرف ملازمت سے مشرف و کامیاب ہوئے۔

اس مرتبہ سفر حج میں حاجی ظہور احمد صاحب انبہٹوی کے خسر منشی **تجمل حسین** صاحب آپکے ہمراہ تھے انکا بیان ہے کہ سفر میں حضرت امام ربانی قدس سرہ جب آخر شب میں بیدار ہوتے اور نفلوں کی نیت باندہ کر کھڑے ہوجاتے تو میں بھی آپکے اقتدار کی نیت کرکے آپکے پیچھے کھڑا ہوجایا کرتا تھا جس خشوع وخضوع اور پر اثر لہجہ میں آپ قرآن مجید پڑہا کرتے اسکی کیفیت زبان بیان نہیں کرسکتی جان تھی کہ نکلی جاتی تھی اور دل تھا کہ سینہ کے اندر تڑپتا اور بیتاب ہوا جاتا تھا ایک مرتبہ آخر میری زبان سے نکل گیا اور میں نے عرض کیا کہ "حضرت تہجد میں آپ قرآن مجید کیا پڑہتے ہیں چھری لیکر کھڑے ہوجایا کرتے ہیں" حضرت امام ربانی مسکرائے اور فرمایا کہ "ہمارے حضرت شاہ عبد الغنی صاحب اپنا قصہ بیان فرماتے تھے کہ دہلی کی سکونت کے زمانہ میں ایکمرتبہ جمعہ کی نماز میں نے پڑہائی سلام پھیرنے کے بعد ایک شخص جو مجھسے واقف تھا اور میں ان سے جب چلنے لگے تو یوں کہتے جاتے تھے "واہ رے قرآن پڑہنے والے خدا تیری عمر دراز کرے تونے تو آج پھیرویں ختم کردی"۔

ایک شخص گنگوہ کے رہنے والے بھی اس سال سفر حج کو گئے تھے اور ہرچند کہ حضرت امام ربانی حسب ظن کے باعث انکو اپنے ہمراہ رکھنا پسند فرماتے تھے مگر وہ عجلت کرکے پہلے چلدیئے کیونکہ وہ بھی یوں سمجھے ہوئے تھے کہ آپکے ساتھ جانے سے حج نہیں ملسکتا خدا کی شان کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ نے قرنطینہ بھی نہ جانا کہ کیا ہے اور باطمینان وقت سے پہلے مکہ معظمہ بھی آپہونچے ان بیچاروں نے آنے کے وقت عام حجاج کی طرح کامران میں دس روز قرنطینہ بھی بھگتا اور واپسی کے وقت بھی جلدی کرنے اور حضرت مولانا کا ساتھ چھوڑنے کا یہ نتیجہ اٹھایا کہ خوشی خوشی اسی جہاز میں بیٹھ لئے جسمیں حضرت مولانا بمبئی سے آئے تھے کیونکہ حج کے قریب آنے کی وجہ سے سب جہازوں سے اول روانہ ہونے کو وہی طیار کھڑا ہوا تھا انمیں بیٹھنے کا ثمرہ یہ ہوا کہ واپسی میں جہاز کے ساتھ انکو بھی دس یوم کا قرنطینہ بھگتنا پڑا

گویا آمد و رفت میں پورا ایک سال فریضۂ حج میں صرف ہو گیا اور حضرت مولانا گو زیادہ تر فریضہ ادا کر کے واپس پہنچ آتے تھے۔
اس سفر کی واپسی ۱۳۱۰ ہجری میں ہوئی جب آپ نے وطن پہنچے تو تیسرے نواسہ محمد یوسف کو آپ نے دیکھا جو ماہ محرم کی اٹھائیس تاریخ کو تولد ہو چکے تھے۔

حضرت امام ربانی فرماتے تھے کہ جب میں حج کو جا رہا تھا تو مفتی عنایت احمد صاحب (مؤلف تاریخ حبیب الٰہ) بقصد ہجرت حرمین بمبئی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ انکو جب میرے بمبئی پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو ملنے کے لئے تشریف لائے حالانکہ مجھ سے کبھی پہلے ملاقات نہ ہوئی تھی اول اپنا نام بتایا اور رعایت توضیح کے لئے اپنے چند رسالوں کا نام لیا مگر میں جیسا مفتی صاحبؒ سے ناواقف تھا اسی طرح ان رسائل سے بھی ناواقف تھا آخر یہ فرمایا کہ چونکہ میں نے سنا کہ آپ اہل علم ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اسلئے ملنے کو دل چاہا غرض تھوڑی دیر تک بیٹھے اسکے بعد تشریف لے گئے بوڑھے آدمی ہو کر جب مفتی صاحب مجھ سے ملنے کو خود تشریف لائے تو میں کیوں نہ جاتا آخر دوسرے دن میں بھی انکی خدمت میں حاضر ہوا اور دیر تک باتیں ہوتی رہیں اسکے بعد فرمایا کہ مفتی صاحب کو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان سے نہایت محبت تھی یوں فرمایا کرتے تھے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی مثال طوبیٰ کی سی ہے کہ اسکی شاخ ہر ایک جنتی کے گھر میں ہوگی جسکے گھر میں طوبیٰ کی شاخ نہ ہو وہ جنتی نہیں" اسکے بعد فرمایا کہ مفتی صاحب اور جہاز میں گئے اور میں دوسرے جہاز میں روانہ ہوا خدا کی شان کہ جس جہاز میں مفتی صاحبؒ گئے تھے وہ تباہ ہو گیا اور سواریاں غرق ہو گئیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

یہ حج حضرت امام ربانی قدس سرہ کا آخری حج تھا اسکے بعد آپکو سفر حج کا اتفاق نہیں ہوا بلا انقطاع تعلیم و تعلم میں مشغول ہو گئے اسی سال کے بعد آپ نے حدیث کے علاوہ دینیات کے دوسرے علوم کا بھی درس کم کر دیا تھا ایک سال میں صحاح ستہ یعنی بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ نسائی اور ابوداؤد کے ختم کرا دینے کا التزام فرما لیا تھا جسکا نام دورہ ہے یہ سلسلہ اسوقت تک برابر قائم رہا جب تک آپکی ظاہری بصارت قائم رہی۔ اس ظاہری تدریس کے ساتھ علم باطنی کی تعلیم کا سلسلہ برابر جاری تھا بلکہ دن بدن بڑھتا جاتا تھا اسلئے کہ آپکے روحانی رفیق حضرت مولانا قاسم العلوم کی روحانی اولاد بھی آپکی تربیت میں آ گئی تھی آپ نے اپنے متوسلین بلا واسطہ اور بواسطہ مولانا مرحوم کے مریدین میں کبھی کوئی فرق نہیں سمجھا آپ اکثر یہ خواب بیان فرماتے تھے کہ مولوی محمد قاسم کو میں نے دیکھا کہ دلہن بنے ہوئے ہیں اور میرا انکے ساتھ نکاح ہوا پھر خود ہی تعبیر فرمائی کہ آخر انکے بچوں کا

سرپرستی مدارس ودستاربندی

حضرت امام ربانی قدس سرہ علم دین کے نہایت قدردان جوہری تھے مقدس مذہب اسلام کی اس پاک خدمت اور نیابت پیغمبری کی اس سچی نیابت کو بڑی وقعت کی نظر سے دیکھتے اور آخرت کی بہبودی کا بہت بڑا وسیلہ سمجھتے تھے طلبہ اور علماء کے ساتھ آپکو خاص انس تھا اور مدارس اسلامیہ عربیہ کے ساتھ مخصوص محبت تھی جہاں علم دین کی ناقدردانی اور جہالت وبددینی کے ساتھ الفت ویگانگت سنتے آپکا دل دکھتا تھا اور جس جگہ قال اللہ تعالیٰ قال الرسول کا چرچا اور تعلیم وتعلم کا مشغلہ مسموع ہوتا آپ مسرور ہوتے اور بالطبع اسکی جانب میلان وتوجہ فرمایا کرتے تھے۔ آپکی پاک زبان اور اللہ والا دل ہمیشہ دعائیں مانگا کرتا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے باغ دین کے نمونے ہمیشہ ہرے بھرے رہیں۔ آپکی قلبی توجہ کے علاوہ مدارس کے متعلق بدنی اور مالی خدمت کا پورا حصہ لیا کرتے تھے اور جسوقت ضرورت پیش آتی رائے مشورہ اور اصلاح وانتظام ووعظ کے لئے تکلیف سفر برداشت فرمایا کرتے تھے۔

یوں تو آپکو دینی محبت کے باعث ہندوستان کے جملہ مدارس اسلامیہ کے ساتھ محبت تھی مگر مدرسہ عالیہ اسلامیہ دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے ساتھ گویا عشق تھا یہ دونوں دینی مدرسے اپنی بنا کے اعتبار سے بھی قریب قریب ہمعصر اور توام ہیں اور بانی کے لحاظ سے بھی یکجہ اور اخوین یا دو نونہالان چمنستان دین ہیں قدامت واولیت کا افتخار مدرسہ عالیہ دیوبند کو حاصل ہے دونوں مدرسوں کی بنیاد حضرت مولانا قاسم العلوم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں رکھی گئی مگر مدرسہ عالیہ دیوبند کی شروع سال میں بماہ محرم ۱۲۸۳ھ ہجری نبوی ابتدا ہوئی اور مظاہر العلوم سہارنپور کا چھ مہینے بعد بماہ رجب ۱۲۸۳ھ افتتاح ہوا قدرت نے دونوں مدرسوں میں مدرسین واہل شوریٰ بھی ایسے چیدہ ومنتخب فضلاء اہل دل دیندار عطا فرمائے تھے جنپر زمانہ کو ناز تھا مظاہر العلوم میں مدرس اول حضرت مولانا الحافظ الحاج مولوی محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور بانی ومہتمم مولانا مولوی سعادت علی صاحب اور مولانا کے انتقال پر سرپرست حضرت مولانا المولوی احمد علی صاحب محدث قدس سرہ اور مدرسہ عالیہ دیوبند میں مدرس اول مولانا الحافظ الحاج المولوی محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے اور مہتمم حضرت مولانا المولوی رفیع الدین صاحب قدس سرہ۔

سنہ ۱۲۹۷ ہجری جسکو مدارس دینیہ کی تاریخ میں عام الحزن اور سال غم کہا جاتا ہے وہ سنہ ہے جسکی چوتھی جمادی الثانی کو پنجشنبہ کے دن معدن الحسنات قاسم الخیر والبرکات قدوۃ الاماثل زبدۃ الافاضل حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بمرض ضیق النفس انچاس سال کی عمر میں بمقام دیوبند اس عالم فانی سے انتقال فرماکر احباب و اقارب دنیا کو اسوقت الوداع کہا جبکہ آفتاب خط استوا سے ڈھلگیا تھا گویا زوال شمس اسدن اس آفتاب دین کے ڈھلنے کی اطلاع دے رہا تھا جسکی چمکدار شعاعوں سے آجتک عالم جگمگا رہا ہے۔ اور اسی سال حضرت فقید النظیر وحید العصر مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے بمقام سہارنپور داعی اجل کو لبیک کہی گویا دونوں مدرسے یتیم ہوگئے دونوں جانگاہ و روح فرسا حادثوں سے زمین باوجود وسعت کے تنگ اور عالم روز روشن میں تاریک نظر آنے لگا اسوقت حضرت قطب العالم قدس سرہ کی وہ توجہات مدارس کی طرف عالم آشکارا ظاہر ہوگئی جو ابتک ضرورت پیش نہ آنے کی وجہ سے مخفی و مستور تھی چنانچہ سنہ ۱۲۹۹ھ کی روداد مدرسہ اسلامیہ دیوبند میں امام ربانی کی سرپرستی شائع ہوگئی اور امام المدارس کے ساتھ آپکا ظاہری و باطنی علاقہ دنیا پر ظاہر ہوگیا۔

سنہ ۱۳۰۲ ہجری میں مولانا مولوی محمد مظہر صاحب اور سنہ ۱۳۰۴ ہجری میں مولانا فیض الحسن صاحب کا وصال ہوگیا جنہوں نے مظاہر العلوم کو من کل الوجوہ یتیم بنا چھوڑا اسوقت مدرسہ مظاہر العلوم کی بھی ظاہری و باطنی سرپرستی آپ کے حوالہ ہوئی۔

دیوبند میں حضرت قدس سرہ کو بارہا تشریف لانیکا اتفاق ہوا جن میں وہ تشریف آوری ضرور قابل ذکر ہے جسکو ہر نظر بصیرت مدرسہ عالیہ دیوبند کی پیشانی پر آب زر سے لکھا ہوا محسوس کر رہی ہے وہ جلسہ جسمیں امام ربانی اسوقت دیوبند تشریف لائے جلسہ دستاربندی کے نام سے موسوم ہے۔

مدرسہ عالیہ دیوبند میں جلسہ دستاربندی چار مرتبہ ہوا اول سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں پانچ مولویوں کے دستاربندی ہوئی دوسری مرتبہ سنہ ۱۲۹۲ھ میں پھر پانچ علما کی دستاربندی ہوئی تیسری مرتبہ سنہ ۱۲۹۸ھ میں سات مولوی دستاربند ہوئے چوتھی مرتبہ جس میں گیارہ علماء کی دستاربندی ہوئی یہی چودھویں ربیع الاول سنہ ۱۳۰۱ ہجری یوم پنجشنبہ کا جلسہ تھا جو باقی یادگار رہیگا اور جسکا مختصر ذکر کرنا جزو سوانح قرار پایا ہے۔

اس جلسہ دستاربندی کا مدرسہ کی طرف سے خاص اہتمام ہوا اول تو موسم ہی نہایت بالیف تھا جاڑے نکل چکے تھے ہلکی خنکی موجود تھی راتیں چاندنی تھیں تقرر تاریخ میں تعطیلات دفاتر سرکاری کا لحاظ

کیا گیا تھا جلسہ سے دو ماہ پیشتر تاریخ و وقت جلسہ مقرر کر کے تقریباً دس ہزار خطوط اور اڑہائی سو اشتہارات مطبوعہ اکثر شہروں اور قصبوں میں شائع کر دیئے گئے تھے اس اشاعت کے علاوہ بعض مناسب مواقع پر بذریعہ قلمی خطوط اور زبانی پیغام کے دعوت دی گئی تھی غرض عام اطلاع میں حتی الوسع کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا بلکہ خاص حضرات کو اطلاع در اطلاع کی گئی تھی حضرت امام ربانی کا لب سڑک ریل تشریف لانا ایسا نہ تھا جسکی مشتاقان زیارت قدر نہ کرتے خصوصاً اسلامی مدرسہ دیوبند کے جلسہ دستاربندی کی شرکت کے وقت اس دولت عظمیٰ کا حصول تو بہت ہی بے چین کرنے والا تھا پس دو ہزار سے زیادہ عام و خاص مہمان شریک جلسہ ہوئے جن میں سب سے پہلے حضرت مولانا قدس سرہ کی تشریف آوری بھی آپکا اپنے طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ گنگوہ سے روانہ ہو کر دیوبند پہنچنا تھا کہ جلسہ کی بنیاد قائم ہو گئی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ جلسہ ایک جسم تھا اور مولانا اسکی جان - آپ کے تشریف لانے پر جو مہمانوں کی اطراف ہند سے آمد شروع ہوئی تو جوق جوق آتے اور گروہ بگروہ پروانہ وار اسطرح جھکے پڑتے تھے گویا پیاسوں کیلئے سبیل لگائی گئی ہے -

آفرین ہے باشندگان دیوبند کی ہمتوں پر کہ اتنا بھاری جلسہ اسقدر مہمانداری جسکے مہمانوں کی پوری تعداد کا پہلے سے تعین ناممکن اور پھر اس خوش اسلوبی و فراخ دلی سے میزبانی کی کہ بڑے بڑے رؤساء کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں - ان مخلص زمینداروں نے اپنی شادی بیاہ کی تقریبات سے زیادہ قابل اہتمام اس دینی تقریب کو سمجھا اور دینی مہمانوں کو اپنے مہمانوں سے زیادہ پیارا جانکر خاطر تواضع کی عین ہجوم مہمانداری کی شب کو جملہ مہمان اور کئی سو صاحبان شہر کی ضیافت جناب حکیم مشتاق احمد صاحب رئیس دیوبند کے یہاں ہوئی حسن انتظام اس سے ظاہر ہے کہ دس بجے تک مہمانداری سے فراغت ہوئی اور کسیکو اتنی شکایت کا موقع نہ ملا کہ ہمیں پانی مانگنے سے ایک منٹ کے بعد ملا

بعد نماز صبح اس نو تعمیر مکان میں جہاں اسوقت مدرسہ قائم ہے اجتماع شروع ہوا اور ۹ بجے تک جلسہ کا نصاب مکمل ہو گیا اسوقت مدرسہ کے مدرس اول حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب نے منبر پر کھڑے ہو کر ایک نہایت دلچسپ و پر تاثیر تقریر فرمائی جسمیں مختصر مگر جامع الفاظ کے اندر حالات مدرسہ بیان فرمائے اور اس نئی تعمیر کا آمد و خرچ اور ضرورت کا اظہار فرمایا جو سنہ ۱۲۹۲ ہجری میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں کی رکھی ہوئی بنیاد پر قائم ہوا اور حضرت مولانا

رفیع الدین صاحب کے الہامی نقشہ پر آٹھ سال سے تعمیر ہو رہا تھا اور ابتک ساڑھے بائیس ہزار روپیہ خرچ ہو کر بضرورت جلسہ قابل جلوس بنالیا گیا تھا۔

تقریر سے فارغ ہو کر حضرت مولانا منبر سے اُتر آئے اور وہ دستار ہائے فضیلت امام ربانی قدس سرہ کے سامنے لاکر رکھی گئیں جو فارغ التحصیل طلبہ کے سروں پر باندھنے کے لئے رؤسا شہر کی طرف سے آئی تھیں چنانچہ قطب العالم محدث گنگوہی قدس سرہ نے کھڑے ہو کر اپنے دست مبارک سے ہر ایک کے سر پر دستار باندھی اور فرادی فرادی ہر ایک سے کچھ کلمات نصیحت ارشاد فرمائے۔ یہ جلسہ دیوبند کے مدرسہ کی دستار بندی کا آخری جلسہ ہے جسکے بعد گو سیکڑوں طلبہ فارغ التحصیل ہوئے مگر دستار بندی کی رسم کسی کے ساتھ ادا نہیں ہوئی۔

خوشا قسمت ان گیارہ علماء کی جنکے سروں کا تاج وہ عمامہ بنا جسکے پیچ قطب العالم کے ہاتھ نے ڈالے اور زہے نصیب اُن حضرات کے جنکا عطیہ امام ربانی کے ہاتھوں علماء کے سروں پر رکھا گیا وہ گیارہ حضرات جنکی اس مقدس و مشہور جلسہ میں دستار بندی ہوئی مفصلہ ذیل ہیں۔

حکیم امت حضرت مولانا الحافظ الحاج المولوی اشرف علی صاحب تھانوی دامت فیوضہ۔ حضرت مولانا الحافظ المولوی علاؤ الدین صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت مولانا الحاج المولوی محمد اسحٰق صاحب نہٹوری زید فضلہ۔ جناب مولانا حافظ مولوی محمد یحیٰی صاحب کاندھلوی۔ استاذی سیدی و مولائی مولانا المولوی عبد المومن صاحب دیوبندی ادام اللہ ظلہ۔ جناب مولانا الحافظ الحاج المولوی ناظر حسن صاحب دیوبندی مدرس اول مدرسہ چھتہ دیوبند۔ المولوی محمد صدیق صاحب دیوبندی۔ جناب مولانا الحافظ المولوی محمد یحیٰی صاحب دیوبندی مہتمم۔ جناب مولانا الحافظ المولوی قاضی نصرۃ الدین صاحب نگینوی۔ مولانا المولوی محمد مرتضیٰ صاحب دہلوی۔ مولانا المولوی عبد الرحمٰن صاحب مراد آبادی۔

اسی جلسہ میں شیخ نہال احمد صاحب رئیس دیوبند نے ایک دوشالہ حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب صاحب مدرس اول کو اور دوسرا دوشالہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ کو عطا فرمایا اور اکثر حاضرین جلسہ نے زر نقد بصورت چندہ دینا شروع کیا جسکی تعداد ایک ہزار ستاون روپیہ بارہ آنہ ہو گئی یعنی کل مصارف جلسہ منہا ہو کر وصول ہو کر مصارف سے زائد بچ رہے۔

رسم دستار بندی ادا ہونے کے بعد حضار جلسہ کو باآواز کہدیا گیا کہ کھانا طیار ہے سب صاحب کھانا کھا

انھیں چنانچہ تمام مہمانوں نے اسی جلسہ میں نہایت لطف و حلاوت کے ساتھ وہ کھانا تناول فرمایا جو خاص مدرسہ کی طرف سے تھا یعنی کئی ہزار مہمانوں کی ہوئی جنکو بدفعات کھلایا گیا اور خدا کی دی ہوئی برکت کے باعث پھر بھی بچ رہا غرض جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا کسی قدر مہمان تو اسی روز واپس ہوگئے اور بہتیرے حضرات بخیر سے رہے جنکی مہمانی آخر تک منجانب مدرسہ اہل شہر ہوتی رہی محض اللہ کا فضل تھا کہ مسجد کے گوشوں میں بیٹھنے والے علما سے آنیوالے ہزار ہا مہمانوں کی خاطر و مدارات کا وہ مضمون ادا ہوا جسکی نظیر منتظم سے منتظم اور مدبر سے مدبر امرا بھی مشکل ہے چھوٹے بڑے اور واقف و انجان مہمانوں میں کسیکو پانی کے ادنے یا لیٹنے کی چارپائی تک کی تکلیف یا شکایت پیش نہیں آئی ۔

جلسہ کے اگلے دن جمعہ تھا اسلئے لزوار دعاشق مہمانوں کو حضرت امام ربانی کی خدمت میں باصرار عرض کرنیکی گنجائش ملی کہ وعظ فرمادیں اور چند ساعات کلمات طیبات سے تشنگان پند و نصائح کو سیراب و محظوظ بنائیں حضرت امام ربانی قدس سرہ نے اول تو انکار فرمایا کہ مجھے وعظ کہنا نہیں آتا یہ منصب مولوی محمد قاسم صاحب کا تھا مگر جب حضرت مولانا رفیع الدین صاحب و مولانا محمد یعقوب صاحب نے نہایت اشتیاق ظاہر کیا کہ حضرت آپکا وعظ سننے کو بہت ہی دل چاہتا ہے تو آپنے یہ فرماکر کہ آپکا جی چاہتا ہے تو جو کچھ مجھے آتا ہے کہدونگا درخواست منظور فرمالی اور جمعہ کی نماز کے بعد جامع مسجد میں وعظ فرمایا ۔

وعظ کیا تھا ”وان من البیان لسحرا“ کا مصداق تھا اور بیان کیا تھا محبت الٰہی کا دریائے مواج اور قلزم متلاطم تھا جس نے اس کنارے سے لیکر اُس کنارے تک ہر صغیر و کبیر کی حالت کو دگرگوں کر دیا تھا آپ حدیث کی کتاب ہاتھ میں لیکر منبر پر بیٹھے اور کیفما اتفق اسکو کھولکر جو حدیث نظر پڑی اُسکو پڑھکر ترجمہ فرمانے لگے آپکے سارے وعظ میں حدیث نبوی کا نہایت سادہ ترجمہ اور یہی نماز روزے کے مسائل تھے جو معمولی پڑھے لکھے بھی بیان کر دیتے ہیں مگر خدا جانے وہ غیبی تاثیر کیا تھی جس نے سارے جلسہ کو ساکت و صامت اور مبہوت و سرنگوں بنا رکھا تھا ہر شخص اُس قلبی فیضان سے متوثر تھا اور مسجد کی دیواریں تک مست و سرشار نظر آتی تھیں حضرت مولانا المولوی رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ نے اس وعظ کی چشم دید کیفیت کو سالانہ روئداد میں مختصر الفاظ کے ساتھ اسطرح تحریر فرمایا ہے کہ ”وعظ کیا تھا گویا سامعین کو مے محبت الٰہی کے خم کے خم پلا دیے در و دیوار تک مست تھے اور عجب کیفیت ظاہر تھی کہ کہیں دیکھی نہ تھی اللہ اللہ اسکے خاص بندوں کے سیدھے سیدھے الفاظ اور سادہ بیان اور ڈھیلی ڈھیلی زبان میں کیا کیا

تاثیرات ہیں کہ بشر کیا شجر و حجر بھی مان جاتے ہیں مولانا نے کوئی دقیق مضامین علمیہ بیان نہیں فرمائے
یہی وضو اور نماز کے مسائل بیان کئے اور اخلاص کے بیان میں کسی تقریب سے ایک دفعہ باواز بلند اَللّٰہ کہا
معلوم نہیں کس دل اور کیسے سوز و گداز سے اللہ کا نام لیا کہ تمام مجلس وعظ لوٹ گئی اور آہ و زاری کی
آواز سے مسجد گونج اٹھی۔ ہر شخص اپنے حال میں مبتلا تھا اُسوقت بعض اشخاص نے مولوی صاحب کو
دیکھا کہ کمال وقار سے منبر پر خاموش بیٹھے ہیں اور اہل مجلس کیطرف متوجہ ہیں یقین ہوتا ہے کہ اگر مولانا بھی
ایسے متوجہ ہوتے تو اہل مجلس کو دیر تک افاقہ نہ ہوتا مگر اللہ رے حوصلہ کہ خود ویسے ہی مستقل رہے ع

سینہ میں قلزم کو لے قطرہ کا قطرہ ہی رہا ۱۲ [تتمہ] ـ

اس پر کیف جلسہ کا حظ وافر انہیں سے پوچھا چاہیے جنکی خوش نصیب آنکھوں اور کانوں نے یہ حیرت خیز سماں دیکھا اور درد انگیز وعظ سُنا تھا یہ بات مشہور ہے کہ حضرت امام ربانی نے جسوقت حق جل شانہ کا نام مبارک لیا ہے چھوٹا بڑا ہر شخص اُس سے متاثر تھا اکثر پر رقت طاری اور گریہ و بکا کا وہ ہجوم تھا کہ بے اختیار تڑپا چاہتے بلکہ بعض تڑپتے اور لوٹتے تھے قلب پر کیفیت سب کے طاری تھی اور سبب کسی کو معلوم نہ تھا کہ کس مضمون پر یہ بے اختیاری ہویدا ہوئی ہے سُنا ہے کہ وعظ سے قبل مجمع میں واعظین کی تقاریر اور تاثیرات کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ بعض وعظ کہنے والے بیان و تقریر کا اسقدر ملکہ رکھتے ہیں کہ حاضرین کا ہنسا دینا اور رُلا دینا گویا اُن کے اختیار میں ہے کہ جب چاہا ہنسا دیا اور جسوقت رنگ بدلنا چاہا تو رُلا دیا حضرت امام ربانی نے بھی یہ گفتگو سنی اور بات ٹالنے کے لئے یوں ارشاد فرما کر خاموش ہو گئے تھے کہ "بھائی اللہ کے بندوں کے نزدیک یہ کوئی چیز نہیں گنی جاتی رولانا اور ہنسانا بات ہی کیا ہے اخلاص کے ساتھ اللہ کا نام بھی لیتے تو ساری مخلوق رونے لگے" چنانچہ چند ہی ساعات کے بعد وعظ میں وہ مضمون جو علم الیقین تھا عین الیقین بنگیا اور کئی ہزار مخلوق نے اخلاص و صدق کی ماہیت اور کیفیت سے آگاہی حاصل کر لی جسکا نام ہوش میں آنا ہے وہ حالت مجمع کو عصر کے بعد نصیب ہوئی ورنہ ظہر تک جیسے اپنی کیفیت میں مست اور کسی نفسی اثر سے متاثر نظر آتا تھا۔ اس جلسہ میں مولوی محمد حسین صاحب الہ آبادی بھی موجود تھے گو آخر زمانہ میں لوگوں کا رنگ بدل گیا تھا مزامیر و سماع کیطرف جھک گئے تھے انتقال بھی بحالت سماع اجمیر کے عرس میں ہوا مگر حضرت کے مداح اور ولایت کے قائل عمر بھر رہے اور جسوقت کا یہ ذکر ہے اُسوقت تو امام ربانی کے مخلص اور دم بھرتے ہوئے تھے سنا ہے کہ واپس جاکر یوں کہتے تھے کہ میں نے یہ کیفیت نہ کبھی دیکھی اور نہ سنی صرف ایک کتاب میں حدیث تو دیکھی تھی کہ ایسا

مذکور تھا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر ایک حالت طاری ہوگئی تھی جبکہ سیدنا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بام کعبہ پر آکر اللہ کا نام لیا اور اب تو سیدنا حضرت مولانا رشید احمد صاحب نے آنکھوں سے دکھا دیا اور دلکو مزہ چکھا دیا۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ نے چندیوم دیوبند میں قیام فرمایا اور آخر براہ سہارنپور گنگوہ واپس تشریف لیگئے سہارنپور کا مدرسہ مظاہر العلوم جسکو مدرسہ عالیہ دیوبند کا مماثل وعدیل کہنا چاہئے اپنے افتتاح کیوقت سے بصر ترقی و اہتمام خاص احسان خدا با برکت رفتار پر چل رہا تھا اسکی عمر بھی اٹھارہ سال کے قریب پونہچ لگی تھی دو مہینے بعد انیسواں سال شروع ہونیوالا تھا اس اٹھارہ سال کی مدت میں بہت اشخاص فارغ التحصیل بنکے اور نصاب تعلیمیہ کو مکمل کرکے اپنے ملک وطن اور ادہر ادہر دیگر بلاد میں منتشر ہو چکے تھے اہل سہارنپور کو چونکہ ابتک دستار بندی کے جلسہ کیطرف مطلق توجہ ہوئی تھی اسلئے کوئی جلسہ وہاں منعقد نہیں ہوا تھا چنانچہ اب جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہ دیوبند سے فارغ ہوکر سہارنپور تشریف فرما ہوئے تو مولانا مولوی محمد مظہر صاحب نے دو فارغ التحصیل طلبہ کو دستار فضیلت باندہنے کی خواہش ظاہر فرمائی جسکو حضرت نے بخوشی قبول فرمایا اور جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ جناب مولانا مولوی فخر الدین صاحب گنگوہی زید فضلہ اور مولانا حافظ محمد جان صاحب پنجابی حال قاضی ریاست ٹونک کے سر پر دست مبارک سے دستار باندہی اسطرح ایک ہفتہ کے اندر دونوں دینی مدرسوں کے جلسہ دستار بندی سے بخیر و خوبی اور حسن انتظام و خوش اسلوبی فراغت حاصل ہوئی اور قطب العالم قدس سرہ نے گنگوہ مراجعت فرمائی +

الحمد للہ کہ حصہ اول جس میں شرعیات کے عنوانات کو طلب ہے ختم ہوا دعا فرمایئے کہ حصہ دوم جسمیں طریقت و ارادت کے متعلقات کا بیان ہوگا جلد آپکے ملاحظہ میں آئے امید ہے کہ شروع ذی الحجہ میں وہ بھی آپکے ہاتھوں میں ہوگا اب میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں ہاں مشورۃً یہ عرض کرتا ہے کہ سلوک اور سچے تصوف کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے اگر آپکا جی چاہے تو رسالہ **تبلیغ دین** ملاحظہ فرمایئے جو امام غزالی کی کتاب اربعین کا سلیس اردو ترجمہ ہے صرف آپ حضرات کیلئے اسکی قیمت بجائے ۱۰ کے ۸ مقرر کرتا ہوں اسکو غور کے ساتھ ملاحظہ فرمانے کے بعد جو کیفیت آپکے قلب پر طاری ہوگی اسکے نفع کا آپ خود اعتراف کرلیں گے اور پھر حصہ دوم کے مطالعہ میں جو لطف آئیگا وہ انشاء اللہ وصول الی اللہ کا وہ کھلا ہوا راستہ سُجھا دیگا جسکی آپکو بلکہ ہر مسلمان کو طلب و خواہش ہے۔ روحانی امراض اور اسکی تشخیص کے بعد کامل معالجہ سے آگاہی اگر ضروری ہے تو یہ کتاب آپ کے ملاحظہ سے ضرور گزرنے کی والسلام نعم الختام +

حضرات! اسمیں شک نہیں کہ امام ربانی کے ساتھ جو تعلق آپکو ہے آپکی نظیر شاید ہندوستان
میں کسی شیخ اور اُسکے متوسلین میں اسوقت نظر آئیگی اور نائب رسول کے ساتھ سچے دینی علاقہ کا ثمرہ ہونا بھی
یہی چاہئیے میں نے دیکھا کہ مولانا گنگوہی کے وہ خدام جنکو عالم حیات میں حضرت کے ساتھ بہت ہی معمولی
علاقہ معلوم ہوتا تھا آپ کے فراق میں اس درجہ بیکل ہیں کہ آپ کے حجرہ اور آپکی خانقاہ کی زیارت کو
ترستے اور یوں چاہتے ہیں کہ اگر اُس گھر بار دربار کا نقشہ بھی نظر آجائے تو اُسکو آنکھوں سے لگالیں۔ وہ نظارا
جو گنگوہ کی خانقاہ میں نظر آیا کرتا تھا اب ایسا خواب خیال بنگیا کہ سوائے تصور کے دوسری طرح نظر آنا دشوار ہے
محض اس شوق کے پورا کرنے کو بندہ نے خاص اہتمام اور نہایت کوشش کے ساتھ چار فوٹو تیار کرائے ہیں
اول سہ دری و صحن جسمیں عصر کے بعد حضرت کا در کے سامنے چارپائی پر بیٹھنا اور چاروں طرف مونڈھے ڈالکر
خدام کا بغرض استفاضہ حاضر خدمت ہونا دکھایا گیا ہے جسکو دیکھکر بے اختیار آنسو ٹپک پڑتے ہیں کیونکہ حتی الوسع
ہر شئے اپنے موقع پر پوری طرح دکھا دی گئی ہے گویا حضرت مولانا ابھی اُٹھکر کہیں تشریف لے گئے ہیں
دوم شیخ عبدالقدوس کا روضہ اور جامع مسجد معہ حجرات اہل صفہ جس میں وہ خالی منبر تک نظر آرہا ہے
جسپر شیخ زمان خطیب بنکر کھڑے ہوتے تھے۔ سوم اندرون حجرہ شریفہ جسمیں آپکے خلوتخانہ کا اندرونی حصہ
دکھایا گیا ہے۔ اندر اندھیرا ہونے کی وجہ سے بجلی کی روشنیاں کرکے جس محنت سے یہ نقشہ لیا گیا ہے اسکی
قدر وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس مکان سے واقف ہیں چہارم مزار اقدس جسمیں تکمیں کے درخت کا پتہ پتہ اور کچی قبر سے لیکر
اوپر تک کا جنگل نظر آرہا ہے۔ یہ چاروں نقشے اصلی فوٹو ہیں بڑی تقطیع پر خوبصورت ہیں جو دلکش ہیں
آراستہ مکانات کی زینت کے لئے بھی ظاہری ہیئت نہایت خوشنما ہے اور اندرونی لذت تو ملاحظہ کے
بعد ہی معلوم ہوگی چاروں نقشوں کے کل پچیس سٹ تیار ہیں جنکی قیمت ۲۰ ؎ سٹ یعنی فی نقشہ ۸ ؎ ہے
شاید آپکو قیمت زیادہ معلوم ہوگی مگر چیز دیکھئے پھر اگر آپ یوں فرمائینگے کہ قیمت زیادہ ہے تو جو کچھ آپ فرمادینگے
تخفیف کر دیجائیگی ان نقشوں سے دو امر مقصود ہیں اول آپکے حسرت والم میں بھرے ہوئے دل کی تسلی
جنکا ہونا دشوار ہوجانیوالے سماں کا نظارہ کرانا اور دوم آئندہ تغیر و تبدل پیدا ہو جانیوالے حال کا اس حال
سے مقابلہ کر سکنا کہ کبھی زمانہ میں ایک شئے کس حال پر تھی اور دوسرے زمانہ میں کس حالت پر ہوگئی ہے اگر
آپکو شوق اس یادگار کی خریداری کا ہو تو جلد منگا لیجئے آپکا نام نقشوں پر لکھوا کر روانگی
کی جائیگی محصول ڈاک ہمارے ذمہ ہے اور محصول رجسٹری و ڈاک آپکے ذمہ

معریٰ حمائل شریف ۔ یہ حمائل چھوٹی تقطیع پر نہایت صاف وصحیح اور خوشخط منشی ممتاز علی صاحب کی مشہور یعنی ایک اشرفی غلطی انعام والی حمائل کی سطر بسطر نقل ہے اسکے اول و آخر دو رسالہ ۲۰ اور ۲۴ صفحہ کے زیادہ کئے گئے ہیں آخر کے رسالہ میں آیات کے خواص جسمانی و فضائل صفحہ وار حوالہ دیکر درج کئے گئے ہیں جنکی تعداد سو سے زیادہ ہے اور اول کے رسالہ میں فضائل وآداب تلاوت کے علاوہ کلام الٰہی میں سے ایک عجیب وغریب فہرست منتخب کی گئی ہے یعنی پچیس ۲۵ انبیاء علیہم السلام جنکے اسماء قرآن مجید میں صراحۃً مذکور ہیں بہ ترتیب بعثت مع مختصر سوانح عمر نسب عمر وغیرہ مذکور ہیں خصوصاً سید الرسل خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح میں گویا اجمالاً پورے واقعات بیان کردئے گئے ہیں پھر جتنے طیور کے نام صراحۃً قرآن میں مذکور ہیں یا اخروی مکانات یا دنیوی اماکن یا فرشتوں کے جتنے بھی نام قرآن میں آئے ہیں علٰحدہ علٰحدہ مختصر مگر واضح بیان ہوئے ہیں اگر سچ پوچھئے تو یہ مختصر دونوں رسالے ہی بیش قیمت ہیں چہ جائیکہ حمائل شریف بھی شامل ہو اس حمائل شریف کے پانسو نسخے روک لئے گئے تھے کہ کسی موقع پر خاص رعایت کیساتھ احباب کو دیئے جائیں حضرت امام ربانی کی سوانح سے زیادہ کیا مسرت اور مبارکباد کا موقع ہوگا اسلئے اس یادگار میں اس حمائل کی خوبصورت پارچہ کی مطبع جلد بندی کرا کے اطلاع دیتا ہوں کہ ہدیہ ایک روپیہ ۱۰ آنہ فی نسخہ کے خریدار کو حصول بھی سعادت اول اسکا ہدیہ بلا جلد ... تھا اور سیکڑوں نسخہ اس قیمت پر ہدیہ ہوا الحمدللہ اس موقع پر تخفیف ہمارے نزدیک ہزاروں روپیہ سے زیادہ بیش قیمت ہے آپ بھی اسکی قدر فرمائیے روپیہ ہمیشہ ملسکتا ہے مگر وقت گزرے پیچھے چیز ملنی دشوار ہو جاتی ہے سفر میں سب سے زیادہ آرام دینے والی اسکو شاید دوسری حمائل نہ ملے جلد درخواستیں بھیجئے کہ تعمیل کیجائے۔

اطلاع ۔ اس مقدس یادگار میں اپنے دفتر کی تمام کتابوں کی قیمت بہت کم کردی ہے علحدہ فہرست میں ملاحظہ فرمائیے یہ رعایت نامہ جسمیں بعض کتابوں کی قیمت شاید لاگت سے بھی کم ہو سوانح حصہ دوم کی طبع تک قائم ہوگی جسکی میعاد انتہائی ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ کا اختتام ہوگا بعد ازاں کل کتابیں اپنی اصل اور پوری قیمت پر آجائینگی اسکو ابھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہمیشہ کیلئے کمی کا تحمل ہماری طاقت سے باہر ہے مترجم وحشی بیشان نزول و خواص و فضائل وغیرہ و مضامین جدیدہ والی مشہور حمائل مجلد بجائے ... روپیہ کے ... میں